



شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ




نگارشات

مرتب

حافظ شاہد رفیق

فاضل مدینہ یونیورسٹی



نگارشات جلد ششم

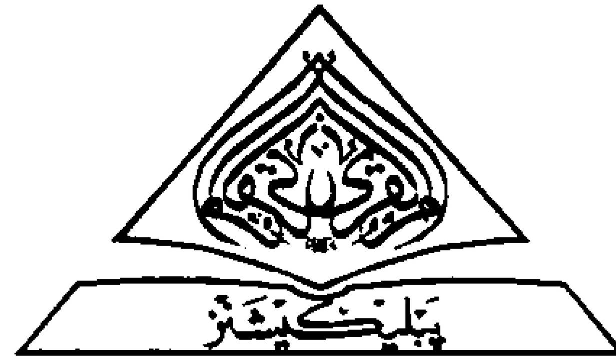
نظمِ جماعت اور دروس و خطابات

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ

مرتب: حافظ شاہد رفیق
فاضل مدینہ یونیورسٹی

اشاعت ـــــــــ جنوری 2024ء

ناشر

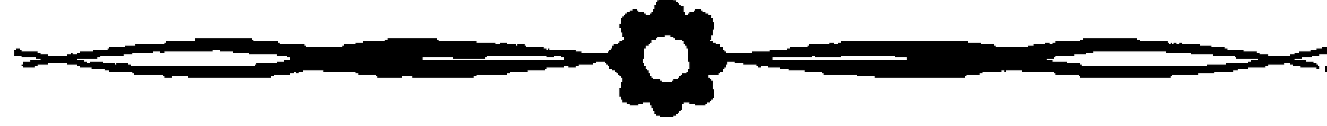


جامع مسجد سلمان فارسی، لودھی ٹاؤن۔ سیالکوٹ روڈ، گوجرانوالہ 0321-6466422

فہرست مضامین

2 مدارس و مساجد کی تعمیر و تاسیس

3 دروس وخطابات



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ابتدائیہ

زیرِ نظر مجموعے میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کی نظمِ جماعت کے متعلق راہنما تحریریں، سیاسی و تعلیمی ہدایات، مدارس و مساجد کی تعمیر و تاسیس کے متعلق نگارشات اور مختلف مواقع کے دروس و خطابات کو جمع کیا گیا ہے جس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

1 نظمِ جماعت کے متعلق راہنما تحریریں:

شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ پہلے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے ناظمِ اعلیٰ رہے اور مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ کی وفات کے بعد جمعیت کی امارت کے منصبِ جلیل پر فائز ہوئے۔ نظامت و امارت کے دوران میں آپ نظمِ جماعت کے سلسلے میں اراکینِ جماعت کے نام مختلف ہدایات وتوجیہات رقم کرتے رہے جن کو زیرِ نظر باب میں جمع کیا گیا ہے۔

اس ضمن میں پہلے تو جماعتی کارکردگی کے متعلق مختلف سالانہ رپورٹیں ہیں، پھر جماعت اہلِ حدیث کی تعلیمی و سیاسی کاوشوں کی تفصیل ہے اور جمعیت و جماعت کے قواعد وضوابط کے سلسلے میں کچھ تحریریں ہیں، بعد ازاں جماعت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے والے بعض لوگوں کی ناشائستہ حرکتوں کے متعلق کچھ نگارشات شامل ہیں۔

2 مساجد و مساجد کی تعمیر و تاسیس:

اس حصے میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی تعمیر، نظام اور نصاب، مختلف مساجد کی تعمیر وترقی اور دعوتی پروگراموں کے متعلق متنوع تحریریں جمع کی گئی ہیں۔

3 دروس وخطابات:

اس باب میں مولانا سلفی رحمہ اللہ کے دروسِ قرآن اور تقاریر کو شامل کیا گیا ہے، جو ان کے مطبوع خطبات بعنوان ''خطباتِ سلفیہ'' میں شامل نہیں تھیں۔

اس میں سب سے پہلے محترم جناب فیض لدھیانوی کے مرتب کردہ مولانا سلفی رحمہ اللہ کے درسِ قرآن کے مختلف نوٹس ہیں، جو انھوں نے جامعہ محمدیہ چوک نیائیں گوجرانوالہ میں مولانا سلفی رحمہ اللہ کے بعد نمازِ فجر درسِ قرآن میں شامل ہو کر تحریر کیے تھے۔ ان نوٹس کی تعداد 131 ہے۔ اس کے بعد مختلف مواقع پر مولانا سلفی رحمہ اللہ کے دیے گئے دروس، خطبات اور تقاریر کو جمع کیا گیا ہے، جن کی تعداد 15 ہے۔

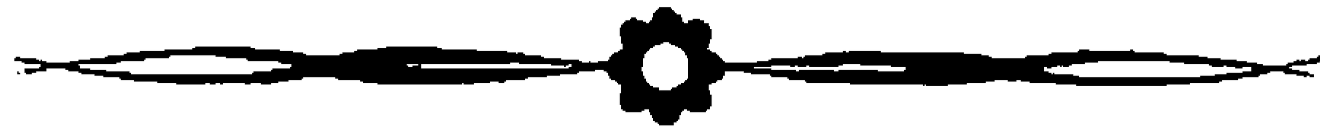
ان نگارشات کی خدمت اور تصویب و تحقیق میں ہم نے ہر ممکن کوشش کی ہے، جن میں احادیث و آثار کی تحقیق، عربی و فارسی عبارات کا اصول سے مقارنہ اور ان کے تراجم کا اہتمام کیا ہے۔ تاہم بشری تقاضے کے تحت غلطی اور خطا کا امکان موجود ہے۔ اگر کسی غلطی اور کمی بیشی پر اطلاع ہوئی تو ان شاء اللہ اسے اگلے اِڈیشن میں دور کر دیا جائے گا۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اس عمل کو اپنی رضا کے لیے خالص بنائے اور اسے تمام معاونین کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ جن بھائیوں نے کسی قسم کا علمی و عملی تعاون کیا ہے، ہم ان کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں کہ ان کے اشتراک سے یہ عمل پایۂ تکمیل کو پہنچا ہے۔ جزاهم الله خيراً.

وصلى الله و سلم على خير خلقه محمد، وعلىٰ آله، وأصحابه أجمعين.

حافظ شاہد رفیق

۱۸/ دسمبر ۲۰۲۳ء




نظمِ جماعت

مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی

سالانہ رپورٹ

بابت ۵۷۔ ۱۹۵۸ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ، ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ. هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى أَجَلًا، وَأَجَلٌ مُسَمًّى عِنْدَهُ، ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ، هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ، يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ، وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُبِيْنٍ، وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ، وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ، وَاللّٰهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

حضراتِ کرام! جناب واقف ہیں کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تاسیس ۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ ۱۹۴۷ء کے تباہی خیز انقلاب میں جماعت اہلِ حدیث پر جو الم ناک مصائب آئے، ہمارے مکاتب و مدارس جس طرح برباد ہوئے، وہ ڈھکی چھپی چیز نہیں۔

شاہ شہید رحمہ اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اہلِ حدیث حضرات کے کانوں میں جہاد کے نغمے تو سمع نواز ہوتے ہی رہتے تھے، شہیدِ حق کا پیغام بھی کانوں میں گونجتا رہتا تھا، اس لیے اہلِ حدیث کے دل میں جہاد کی محبت اور شہادت کا شوق ہمیشہ کروٹیں لیتا رہا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگاموں میں بھی اتفاقاً سکھ ہندوؤں سے پیش پیش تھے اور آج سے سوا سو سال قبل بھی اہلِ توحید کی دست بدست جنگ سکھوں ہی سے ہوئی تھی۔ اپنے بزرگوں کی شہادت، سکھوں کے مظالم، انگریزوں کی شر پسندی ایک تاریخی حقیقت تھی۔ مشرقی پنجاب میں جو ہنگامے ہوئے وہ بھی اس لحاظ سے بالاکوٹ کے ہنگاموں سے ملتے جلتے تھے۔

اہلِ حدیث علماء اور عوام نے ان ہنگاموں میں پوری جوانمردی سے حصہ لیا۔ عوام کی طرح

بھاگنے سے انکار کر دیا۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر عموماً جرأت سے مقابلہ کیا۔ اگر فوجی طاقت مشرقی پنجاب میں شرارت پسند عناصر کا ساتھ نہ دیتی تو بالکل ممکن تھا کہ مسلمان سکھوں کو دہلی سے ورے سنبھالا نہ لینے دیتے۔

موحد نوجوانوں نے ان معرکوں میں بھاگنے سے انکار کر دیا۔ ان کا خیال بھی نہ تھا کہ وہ ترکِ وطنی کریں گے۔ وہ اس شورش اور ہنگامے کو وقتی سمجھ کر وہیں مقیم رہے۔ خود برباد ہوئے۔ عزیز و اقارب مظالم کا تختۂ مشق بنے، آبروئیں برباد ہوئیں اور بالآخر اکثر نے جامِ شہادت نوش کیا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَارْفَعْ دَرَجَاتِھِمْ.

سراسیمگی اور پریشانی:

اس پریشانی میں جب وہ پاکستان پہنچے تو طبائع پر مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ یہاں پہنچ کر ضروریاتِ زندگی کی فراہمی سے عرصے تک فرصت نہ مل سکی، اس لیے کہیں ۱۹۴۸ء میں مرکزی جمعیت کی بنیاد رکھی جاسکی۔

پہلا مختصر سا اجلاس لاہور میں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کی صدارت میں ہوا۔ ہماری مالی پریشانی کا یہ حال تھا کہ خطبۂ صدارت بھی اس وقت طبع نہ ہوسکا۔ مولانا مرحوم نے اسے ''احتفال الجمہور'' کے نام سے بعد میں شائع فرمایا۔ جن حضرات کی نظر سے وہ خطبہ گزرا ہوگا وہ محسوس فرمائیں گے کہ محترم صدرِ جلسہ بھی اس وقت کام کی رفتار، طریقِ کار اور رفقائے کار پر مطمئن نہ تھے۔

اس اجلاس کا اثر:

اس جلسے سے صرف اس قدر فائدہ ہوا کہ بعض بکھرے ہوئے دوستوں سے ملاقات ہوگئی۔ مایوس دوستوں کو جماعتی زندگی کا احساس ہوا۔ مایوسی کسی قدر کم ہوئی۔ اس کے علاوہ ہم لوگ کوئی بنیادی فیصلہ نہ کر سکے۔ اس سے پہلے عارضی انتخاب ہوچکا تھا جس میں صدر حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی قرار پائے تھے، ناظمِ عمومی پروفیسر عبدالقیوم۔ اس وقت صدارت کی تصدیق کی گئی اور ناظم بدل دیا گیا۔

مالی حالت:

اس اجلاس میں جماعت کی مالی حالت میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ جو رقوم آئیں مشکل سے اخراجات پورے ہوئے، بلکہ جمعیت مقروض ہوگئی۔ اس وقت مرحوم اخبار ''اہلِ حدیث'' کے بعد اخبار

کی ضروری شدت سے محسوس ہو رہی تھی، لیکن اس وقت مالی حالات کے پیشِ نظر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ نظامِ جماعت کے متعلق بھی جو کوشش ہوئی وہ خط کتابت ہی سے ہوئی۔ دفتر گوجرانوالہ چلا گیا۔ نظام کے متعلق احباب کی توجہ بڑھتی چلی گئی، اخبار کے لیے تقاضا ہونا شروع ہو گیا۔

الاعتصام:

۱۹۴۹ء میں ''الاعتصام'' کا اجراء عمل میں آیا۔ اس کے لیے ابتدائی رقم جماعت اہلِ حدیث گوجرانوالہ نے مرحمت فرمائی، جس کی مقدار مختلف وقتوں میں قریباً دو ہزار روپے تھی۔ اس کے پہلے مدیر مولانا محمد حنیف صاحب ندوی تھے۔ کچھ عرصے کے بعد یہ ذمے داری مولوی محمد اسحاق صاحب نے سنبھالی۔ آج کل ادارت کے فرائض صدرِ محترم مولانا سید محمد داود صاحب ادا فرما رہے ہیں۔

اخبار کے بعد قدرتی طور پر کام کی رفتار تیز ہو گئی۔ دفتر کا کام بھی زیادہ ہو گیا۔ مولانا محمد اسحاق صاحب ناظم کے کاموں میں بھی ہاتھ بٹاتے رہے اور کام بڑھتا گیا۔ فجزاه الله أحسن الجزاء. حالات کے پیشِ نظر سالانہ اجلاس کا حوصلہ نہ ہو سکا۔

قواعد وضوابط:

غالباً ۱۹۵۲ء میں مختصر سے قواعد وضوابط بنائے گئے۔ کام میں کچھ باقاعدگی کی کوشش کی گئی۔ اضلاعی اور شہری جمعیتوں کی تعداد بیس تک پہنچ گئی۔ تھوڑی بہت رقوم بسلسلہ اعانتِ جمعیت آنی شروع ہوئیں اور ایک گونہ اطمینان محسوس ہونے لگا۔ احباب سر جوڑ کر بیٹھنے لگے۔ یہ ساری ترقی صدرِ محترم کی سرپرستی میں ہوئی۔ یہ نظام ابھی سنبھل ہی رہا تھا کہ قادیانی بے اعتدالیوں نے ملک کو چونکا دیا۔ سر ظفر اللہ خاں کی وزارتِ خارجہ نے ملک کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ پاکستان میں جمہور مسلمانوں کی حکومت ہے یا خلیفہ بشیر الدین اینڈ کمپنی کی۔ مجلس تحفظِ ختمِ نبوت قائم ہوئی۔ اہلِ حدیث اپنی کمزوریوں کے باوجود اپنے مزاج اور افتادِ طبیعت سے مجبور تھے کہ عمومی مسائل میں حصہ لیں اور اسلام کے خلاف جو مفاسد سر اٹھائیں ان کے خلاف سینہ سپر ہو کر اسلام کی آبرو اور اسلامی عقائد کی حفاظت کریں۔ جماعتی حالات کی ناسازگاری کے باوجود جماعت تحفظِ ختمِ نبوت کی جنگ میں کود پڑی۔ حکومت کی عاقبت نااندیشی سے ملک میدانِ کارزار بن گیا اور جماعت کے عوام اور خواص پورے مغربی پاکستان میں جیل کے مہمان ہو گئے۔ اس خلفشار میں قریباً ایک سال گزر گیا۔ ہم کوئی تعمیری کام نہ کر سکے۔ نہ

حکومت مطمئن ہو سکی نہ ملک میں اطمینان کی کوئی صورت پیدا ہو سکی۔ پورا سال پریشانی میں گزرا۔ کوئی نمایاں کام نہ ہو سکا۔

ملتان کانفرنس:

۱۹۵۴ء میں جب ملک ذرا مائل بہ سکون ہوا، رفقاء جیلوں سے باہر آئے، ملتان کانفرنس کی تیاری شروع ہو گئی۔ احبابِ ملتان نے اس خلوص اور بے جگری سے کام کیا۔ پانی کی طرح روپیہ بہایا۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ جماعت کے استحکام کا آغاز ملتان کانفرنس سے ہوا۔ احبابِ ملتان کی یہ کوششیں جماعت کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھی جائیں گی۔

راقم الحروف تو ان دنوں نظر بند تھا، ملتان حاضر نہ ہو سکا۔ جو احباب ملتان گئے وہ احبابِ ملتان کے حسنِ انتظام اور ایثار سے بے حد مطمئن تھے۔ کانفرنس کامیابی سے ختم ہوئی۔ رکن سازی کے بعد انتخاب ہوا۔ قریباً عہدہ دار پہلے ہی بحال رہے۔ کام کے لیے روپیہ بھی بچ گیا اور جماعت میں نئی روح پیدا ہو گئی۔

مبلغین:

کانفرنس کے بعد خیال پیدا ہوا کہ مبلغین کا ملک میں جال بچھا دیا جائے تاکہ نظم زیادہ سے زیادہ مضبوط ہو اور مختلف علاقے باہم مربوط ہو جائیں، لیکن یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا۔ مبلغین پورا سال رسمی وعظ کہتے پھرے۔ جماعتی نظم کے متعلق ان کے اپنے دماغ بھی صاف تھے، نہ انھیں تجربہ ہی تھا، اس لیے وہ نظم اور اجتماعیت کی خوبیوں سے جماعت کو آشنا نہ کر سکے۔ ہماری غلطی یہ تھی کہ جس کام کے لیے انھیں ٹرینڈ نہیں کیا اس کام پر انھیں لگا دیا گیا، اس لیے اس پر جس قدر مصارف ہوئے ان کا فائدہ بہت کم ہوا۔ چنانچہ اس سلسلے کو روک دیا گیا۔ یہ شکوہ اب بھی بدستور ہے کہ ہمارے مبلغین اجتماعیت کی خوبیوں سے بہت کم آشنا ہو سکے ہیں، حالانکہ اسلامی تعلیمات میں جماعت اور اجتماعیت روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ نظم و ضبط جمہوریت کی جان ہے۔ تفرد فی الواقع جاہلیت کی رسم ہے۔

لائل پور کانفرنس:

۱۹۵۵ء بڑی امیدوں کا سال تھا۔ کچھ تجربے ہو چکے تھے۔ حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ خیال تھا کہ عام تبلیغ کے بجائے کوئی ٹھوس کام کیا جائے۔ تعلیم اور تدریس ہی سے پہلے جماعت بڑھی تھی۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کے درس نے اکنافِ عالم کو منور فرما دیا تھا اور آج

تک وہی روشنی ہے جسے ہم نئی ظلمتوں کے بالمقابل استعمال کر رہے ہیں۔ امامت اور قیادت حضرت میاں صاحب کے تلامذہ ہی کی مرہونِ احسان ہے۔ لائل پور میں کچھ زمین پہلے موجود تھی جو محترم صاحبِ خیر چودھری صاحب نے تعلیمی ضرورتوں ہی کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ لائل پور شہر اور ضلع میں جماعت کی بہت بڑی اکثریت ہے۔ احبابِ لائل پور بھی مرکزی مدرسے کے لیے ہمہ تن شوق تھے، گو بمصداق ع

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے

یہاں شرارت پسند اور نفاق آمیز ذہن بھی موجود تھا، اور ہے، جو اپنی دکان داریوں اور ذاتی مفاد کے لیے پسِ پردہ مخالفت کرتا رہا، لیکن ان منافقانہ کوششوں کے علی الرغم لائل پور میں مدرسے کی بنیاد رکھ دی گئی۔ مزید زمین بھی خریدی گئی۔ بقدرِ ضرورت اَور زمین بھی اس کے ساتھ ملانے کا ارادہ ہے۔ ان شاء اللہ

اس ضرورت کا احساس طبائع پر اس قدر غالب تھا کہ عمارت کا انتظار کیے بغیر لاہور میں بعجلتِ تمام درجۂ تکمیل اور تخصیص کا کام شروع کر دیا، حالانکہ جو طلبہ داخل کیے گئے ضرورت کے لحاظ سے معیاری نہ تھے۔ امتحانِ داخلہ میں ان کی کامیابی خوش آیند نہ تھی لیکن ؎

بدہ رزق با مرغ و کبک حمام کہ ناگاہ بمایت بیامد مدام [1]

جو کچھ تھا اسے قبول کر کے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے کام شروع کر دیا گیا۔

گوجرانوالہ کانفرنس:

لائل پور کے بعد کانفرنس کے لیے گوجرانوالہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ احبابِ لائل پور نے کانفرنس اور اس کے بعد جماعت کی مالی حالت مضبوط کرنے کے لیے مخلصانہ کوششیں فرمائیں۔ لائل پور کانفرنس سے ظاہر ہوتا تھا کہ جماعت کام کے لیے پوری طرح تیار ہے۔ بے امیدی کی کوئی وجہ نہیں۔ خزانہ بھی خالی نہ تھا۔ مزید جس قدر طلب کیا جائے، مل سکتا تھا۔

سیلاب:

گوجرانوالہ کاروباری شہر ہے۔ جماعت بھی بحمداللہ کافی ہے اور اچھی حالت میں ہے، لیکن اس وقت طغیانی نے قریباً پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اضلاعِ لائل پور، لاہور، گوجرانوالہ،

[1] ''مرغزار کو پانی دے اور سکے کو صاف کر، ناگہاں تیرا یہ عمل ان کو پائیدار بنا دے گا۔''

سیالکوٹ، گجرات اور ملتان سیلاب سے بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ ان متاثرہ علاقوں میں ریلیف کا کام جماعت نے بڑی تندہی سے کیا۔ پرانی کارکن جماعتیں ہمارے کارکنوں، رضا کاروں کی جرأت، ایثار اور محنت سے ششدر رہ گئیں۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

سیلاب زدہ علاقوں میں ہزاروں روپیہ صرف کر دیا گیا۔ سیلاب زدہ علاقے میں ادویہ مہیا کی گئیں۔ طبی مراکز کھولے گئے۔ اس طرح بھی کافی مصارف اٹھ گئے۔ حافظ آباد کی جماعت نے سیلاب زدہ علاقے کے لیے بے نظیر کام کیا۔ سامان خور و نوش کے علاوہ سیکڑوں روپے، ہزاروں گز کپڑا تقسیم کیا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ

ان خطیر مصارف اور خطرناک حالات کے باوجود گوجرانوالہ میں کانفرنس کا فیصلہ کر لیا گیا۔ سیلاب کی وجہ سے قریباً چھے ماہ دیر کرنا پڑی۔ سڑکیں خراب تھیں۔ لائنیں ٹوٹ چکی تھیں۔ اس پریشان حالی کے باوجود شہر گوجرانوالہ کے اہلِ خیر نے قریباً بیس بائیس ہزار روپیہ جمع کیا۔ دوسرے اضلاع نے بھی دل کھول کر امداد دی۔ ایامِ کانفرنس میں بے پناہ بارش کی وجہ سے انتظامات پر بہت اثر پڑا۔ کانفرنس کے وقتی التوا کا اثر بھی خاصا ہوا۔ اس کے باوجود کانفرنس امید سے زیادہ کامیاب ہوئی۔

تعلیمی نظام لاہور سے لائل پور منتقل کر دیا گیا۔ اساتذہ اور طلبہ سب لائل پور پہنچ گئے۔ عمارت میں کچھ دیر تھی۔ کچھ کوٹھیاں کرائے پر لے کر مسجد اہلِ حدیث امین پور بازار میں ابتدائی، ثانوی اور انتہائی تعلیم شروع کر دی گئی۔ ناتجربہ کاری اور کچھ نئے اور ابتدائی حالات کی وجہ سے مدرسے کے نظام میں کچھ نقائص ضرور رہے۔ بعض شرارت پسند طلبہ سے نظم و نسق کی غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، تاہم تعلیم کا نظام تسلی بخش رہا۔ اور امید ہے کہ آیندہ کام کی رفتار مزید تسلی بخش ہو گی۔ ان شاء اللہ

کام کا پھیلاؤ:

ان آٹھ نو سال میں کام کا پھیلاؤ بہت زیادہ ہو گیا۔ ایک ناظم سے سارے کام پر کنٹرول مشکل تھا، اس لیے قواعد و ضوابط میں تبدیلی کے بعد مزید چار ناظم بڑھا دیے گئے اور تقسیمِ کار کے طور پر کام اس طرح تقسیم کر دیا گیا:

ناظمِ اعلیٰ: محمد اسماعیل، گوجرانوالہ

ناظمِ تعلیمات: مولانا محی الدین احمد صاحب قصوری، بی۔ اے

ناظمِ نشر واشاعت: الحاج میاں محمد اسحاق صاحب حنیف امرتسری

ناظمِ تعمیرات: محترم میاں محمد عالم صاحب، گورنمنٹ کنٹریکٹر

ناظمِ مالیات: میاں عبدالمجید صاحب، مصری شاہ، لاہور

اس تقسیم کار سے کچھ مشکلات بھی پیش آئیں، لیکن سہولت بہت زیادہ ہوئی۔ اس قدر پھیلے ہوئے کام پر بقدرِ ضرورت انضباط کیا گیا۔ اثنائے سال میں ارادہ ہوا کہ مزید زمین دارالعلوم کے ساتھ ملا لی جائے۔ احبابِ لاہور کی توجہ اور محنت سے احبابِ لاہور ہی نے اکیس ہزار کی رقم مہیا کرنے کے علاوہ پانچ ٹن سریا (قیمت چھے ہزار روپے) بھی تعمیر جامعہ سلفیہ کے لیے بہم پہنچایا۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ أَهْلِهِمْ وَمَالِهِمْ، وَبَارِكْ لَهُمْ فِيْمَا رَزَقْتَهُمْ.

گذشتہ سالوں میں کام کی رپورٹ اور مختصر حسابات بذریعہ ''الاعتصام'' ملاحظہ سامی سے گزرتے رہے ہیں۔ زیرِقلم رپورٹ میں اس سال کی کارگزاری کے لیے سمع خراشی مطلوب ہے۔

ناظمِ اعلیٰ پر کام کی عمومی نگرانی کے علاوہ تبلیغی نظم ونسق کی خاص طور پر ذمے داری عائد ہوئی تھی۔ اس سال مندرجہ ذیل مقامات پر سالانہ جلسے ہوئے۔ مجالس کے متعلق ہمارا طریق کار یہ ہے کہ جو جماعتیں مرکز کے ساتھ ملحق ہیں وہ جلسوں کی تاریخیں دفتر سے لیتی ہیں۔ مرکزی دفتر کی ہدایت کے مطابق جلسے ہوتے ہیں۔ جو اہلِ علم اس نظم سے منسلک ہیں وہ جماعتی جلسوں کو مقدم سمجھتے ہیں۔ اگر کسی دوسرے جلسے میں جانا ضروری ہو تو دفتر کی اطلاع اور اجازت کے بغیر نہیں جاتے۔ دفتر ان کو اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیتا۔ محض اصول کی پابندی اور جماعتی فیصلوں کے احترام کی بنا پر وہ اس کا التزام فرماتے ہیں۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

اس سال تبلیغی جلسے:

لائل پور، ٹوبہ ٹیک سنگھ، گوندلانوالہ، مرالی والا، حافظ آباد، سرگودھا، قلعہ دیدار سنگھ، ڈاراں والی، نوکھر، ممنا، فیروز والا، مریدکے، ایمن آباد، کاموںکی، منصور پور، قصور، پتوکی، میاں چنوں، بورا منڈی، وہاڑی، خانیوال، ملتان، عارف والا، خواجہ چک، میانہ چک، لالہ موسیٰ، جہلم، قصور، پنا کھہ، منڈیالہ تیگا، کلاس والی، کوٹلی مہاراں، حمید پور کلاں، میانوالی، خوشاب، ہندو چک، چھینہ، گکھڑ، وزیر آباد، ڈھونیکی،

بھٹیکی، داد والی، حیدر آباد اور کراچی وغیر ذلک سیکڑوں مقامات پر باقاعدہ جلسے کیے گئے۔ جمعیت کے مبلغین نے مختلف اضلاع میں ہزاروں میل کا سفر کیا اور کلمۂ حق پہنچایا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ.

بریلوی اور رفض کا فتنہ پاکستان میں سر اٹھا رہا ہے۔ اس کے بالمقابل جڑانوالہ، کاموکی، جیمس آباد، کوٹ رادھا کشن اور جلو موڑ متصل واہگہ وغیرہ مقامات میں بے حد کامیاب معرکے ہوئے۔ چیچہ وطنی، اوکاڑہ اور منٹگمری وغیرہ مقامات میں فریضۂ تبلیغ ادا کیا گیا۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى.

راقم الحروف نے گذشتہ سال میں جماعتی مقاصد کے لیے قریباً تین صد سے زیادہ خطوط لکھے۔ دفتر کی ڈاک اس کے علاوہ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جماعت میں نظم کے لیے کس قدر تڑپ ہے اور اگر کیا جائے تو کام کے لیے کس قدر میدان وسیع ہے۔

ضرورت ہے کہ چند مخلص دوست جماعت کے لیے اپنا پورا وقت دیں۔ جامعہ سلفیہ کے لیے اپنی کوششوں کو وقف کر دیں۔ نظم ونسق کی درستی کے لیے ملک کے طول وعرض میں دورے کر کے احباب کو جمع کریں۔ اس میں سب سے مشکل علمائے کرام حضرات کی پوزیشن کو سمجھنا ہے۔ اجتماعیت کے لیے سب سے بڑی مشکل ان کی ذہنیت ہے۔ جہاں کوئی صاحب تشریف فرما ہیں وہیں وہ مطلق العنان بادشاہ یا ڈکٹیٹر کی طرح رہنا چاہتے ہیں۔ کسی نظم یا اجتماعی ذمے داری کے لیے آمادہ نہیں ہوتے۔ جن کی آبرو کے لیے یہ ساری بھاگ دوڑ ہے وہی اسے شکوک وشبہات کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ إِلَى اللّٰهِ الْمُشْتَكٰى ع

یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا

انتشارِ تعلیم:

یہی حال ہمارے تعلیمی انتشار کا ہے۔ ہمارے ہاں دار العلوم اور جامعہ کا نام مضحکہ بن کر رہ گیا ہے۔ جہاں دو چار طالب علم اور ایک نو آموز حضرت بیٹھ گئے، رسید بکیں چھپ گئیں، وہیں دار العلوم بن گیا اور جامعہ کی تاسیس عمل میں آ گئی ع

بوتل جہاں رکھی وہیں مے خانہ بن گیا

اس ناقص اور نامکمل تعلیم سے علم کی وہ مٹی پلید ہوئی کہ «اِتَّخَذَ النَّاسُ رُؤُوْسًا جُهَّالًا

فَضَلُّوا وَأَضَلُّوا» [1] ارشادِ نبوی کی تصدیق ہونے لگی۔

«إِذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ إِلَىٰ غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ» [2] (بخاري)

''جب کام کی ذمہ داری نا اہلوں پر ڈال دی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔''

اگر جماعت کو خود زندہ رہنا ہے تو اولاً اس تعلیمی انتشار کو روکیے۔ ثانیاً مدارس میں باہم ربط پیدا کیجیے۔ ثالثاً اونچی تعلیم کے لیے ایک مرکزی درسگاہ قائم کیجیے جس میں قابل استاذ رکھے جائیں۔ ہونہار دماغ جمع کیے جائیں۔ اساتذہ اور طلبہ میں ذاتی اغراض اور مشاہرات کی فراوانی قطعاً پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ جماعت کی سربلندی اور ملت کی خدمت اور علومِ کتاب و سنت کا احیا مطلوب ہو، اور عقیدۂ سلف اور ائمۂ سنت کے علمی ذخائر کی اشاعت اور ترویج مقصود ہو۔

آیندہ لائحہ عمل:

تدریسی خدمات اور علومِ کتاب و سنت کی اشاعت میں کامیابی کے بعد مندرجہ ذیل مقاصد کے لیے بھی آپ کو توجہ دینا چاہیے۔ مستقبل کی تعمیر کا بہت حد تک اس پر انحصار ہے:

روزنامہ:

ایک روزنامہ کا اجراء جو جماعت کی شان کے مطابق اور مسلک کا صحیح آرگن ہو۔

اپنا پریس:

آج کل پریس جماعتی زندگی کے لیے رگِ جان کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ علومِ کتاب و سنت کی زیادہ سے زیادہ اشاعت فرمانا چاہیں تو جماعت کو اپنے پریس کے لیے زود یا بدیر سوچنا پڑے گا۔ میں ناظمِ نشر و اشاعت کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ وہ آج سے ہی اس کے متعلق سوچنا شروع کر دیں۔

دار المطالعہ:

ایک عظیم الشان لائبریری کی ضرورت ہے جس میں طلبہ اور اہلِ علم کے علاوہ مصنفین بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا کام کر سکیں۔ ضرورت ہے کہ اس میں مختلف علوم و فنون کی لاکھوں کتابیں جمع کی

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (۱۰۰) صحيح مسلم، رقم الحديث (۲٦۷۳)

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (۵۹)

جائیں۔ اہلِ علم اس میں تحقیق و تدوین کا کام کریں۔ احادیث پر شروح اور حواشی کے علاوہ قدیم اور جدید علوم میں تحقیقی مضامین لکھے جا سکیں۔ اہلِ علم اس کے لیے اپنے کتب خانے وقف کریں۔ اہلِ ثروت اپنی تجوریوں کے منہ اس عملِ خیر کے لیے کھول دیں۔ اس کے لیے مخطوطے جمع کیے جائیں۔ نایاب کتب مہیا کی جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو توفیق مرحمت فرمائے کہ آپ جماعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی کر سکیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ.[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۱؍ مارچ ۱۹۵۸ء)

سالانہ رپورٹ

جو مولانا محمد اسماعیل صاحب (ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث) نے ۷/ جون ۱۹۵۹ء کو مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں پیش کی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ، وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ وَلِيٌّ مِنَ الذُّلِّ، وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا، هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ، وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ، وَآخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ، يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ الْأُمِّيِّ الْأَوَّابِ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ.

احبابِ کرام! گذشتہ سال سرگودھا کانفرنس کے موقعے پر جمعیت کی تاسیس، ابتدائی مشکلات اور بتدریج کام میں وسعت کا تذکرہ احباب سے کیا گیا تھا۔ اس وقت کی ذمے داری چار اشخاص کے سپرد ہے:

محمد اسماعیل:	ناظمِ تعلیمات
حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف:	ناظمِ نشر و اشاعت
میاں عبدالمجید، مجیدیہ فلور ملز:	ناظمِ مالیات
محمد اسماعیل:	ناظمِ اعلیٰ

تمام ناظم صدرِ محترم مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی کی قیادت میں کام کرتے ہیں۔ نظامتوں کی علاحدگی کے باوجود کام جماعتی طریق پر ہوتا ہے۔

مجھے یہ اعتراف ہے کہ ہماری راہ میں تاحال کافی مشکلات ہیں، لیکن میں جب دیکھتا ہوں کہ ہم نے ۱۹۴۸ء میں جماعت کی تنظیم کا کام شروع کیا تھا اور آج ۱۹۵۹ء میں ہم نے جہاں تک اپنا سفر طے کیا ہے تو میرا دل مسرت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ بیرونی کے علاوہ اندرونی مشکلات اس قدر تھیں کہ

ان سے عہدہ برآ ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا، تاہم ہم نے کافی سفر طے کیا۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

آج جب ہم اپنے ماضی کو دیکھتے ہیں بحمد اللہ ہم نے اپنے سفر کا بہت سا حصہ طے کرلیا ہے۔ اور یہ سب رفقاء کے خلوص اور صحیح تعاون کا نتیجہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ زِدْهُمْ إِخْلَاصًا وَتَوْفِيْقًا.

ہمارے مقاصد:

آغازِ کار سے ہمارے سامنے پانچ اہم مقاصد تھے:

۱. علومِ سنت اور ان کے لوازم کی ترویج۔
۲. جماعت کی شان کے مطابق اخبار۔
۳. اپنا پریس اور مکتبہ۔
۴. ایک بہترین لائبریری جو جماعت کی تمام علمی ضروریات کے لیے مکتفی ہو۔
۵. امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ایسا مؤثر نظام جو آج کی تشنہ ذہنیت کو سلف صالحین کے خوشگوار چشموں سے سیراب کر سکے۔ اس تمام کام کے لیے جماعت کو منظّم کرنا اور ہر فرد میں جماعتی زندگی کا احساس پیدا کرنا۔ اس طرح جماعت اہلِ حدیث بحیثیت ایک منظّم جماعت کے دوسری جماعتوں کے سامنے آئے اور مشترک مقاصدِ اسلام میں دوسری جماعتوں کے ساتھ باہمی تعاون کے اصول پر کام کرے۔

موجودہ درس گاہیں:

علماء کی قلت معلوم امر ہے۔ تمام جماعتیں محسوس کرتی ہیں کہ اکابر کی موت سے جو خلا ہوا ہے اسے پاٹا نہیں جا سکا۔ جو مدارس ملک میں موجود ہیں ان کا نام آپ کچھ رکھ لیں، لیکن افسوس کہ باہمی تعاون نہیں۔ اس طرح ہمارے نظامِ تعلیم میں ایک قسم کی اڑچن ہے۔ اساتذہ، طلبہ اور انتظامی اداروں کا پورا ڈھانچا اصلاح اور ترمیم کے قابل ہے۔ یہ مدارس ملت کی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے، بلکہ اس تعلیمی انتشار کو جس قدر بھی کم کیا جا سکے، جماعت پر احسان اور علم کی خدمت ہو گی۔ ایک شہر یا بستی میں متعدد مدارس سے خواہ مخواہ رقابت پیدا ہوتی ہے۔ طلبہ، اساتذہ، ادارۂ اہتمام؛ تمام کے اخلاق پر اس کا برا اثر ہوتا ہے۔ اس رقابت کی وجہ سے جو تعلیم اور انتظام میں نقائص پیدا ہوتے ہیں وہ آپ حضرات سے مخفی نہیں۔ اس تعلیمی انتشار کی اصلاح کے دو طریق ہیں: تمام چھوٹی درسگاہیں ختم کر دی

جائیں یا ان میں نظم قائم ہو جائے۔ یعنی نصاب ایک ہو، طلبہ کا داخلہ اور اخراج نظام کے ماتحت ہو، جماعت بندی اور تعلیم میں حد بندی کر دی جائے، جس طرح سرکاری مدارس میں پایا جاتا ہے۔

جامعہ اور تجربات:

ہم نے جامعہ کو حسبِ فیصلہ شوریٰ اچھے پیمانے پر شروع کیا۔ اپنی بساط کے مطابق اس کے لیے بہترین اساتذہ مہیا کیے۔ خیال تھا کہ کسی تصادم کے بغیر ایک اچھی درسگاہ معرضِ وجود میں آ جائے گی۔ اور صرف انتہائی تعلیم کو پیشِ نظر رکھا تا کہ چھوٹے مدارس سے کسی مرحلے پر تصادم نہ ہو۔ طلبہ کی خود داری کی حفاظت کے لیے شروع میں معقول وظائف کا فیصلہ کیا گیا، لیکن اس تجربے میں ہمیں ناکامی ہوئی۔

منتہی طلبہ کی تعداد قدرتی طور پر کم ہوتی ہے۔ انگریزی اور دینی مدارس دونوں کا یہی تجربہ ہے، لیکن مصارف کم نہیں ہو سکتے۔ اساتذہ کی تعداد اسباق کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ آخری جماعت میں سو طالب علم ہوں یا پندرہ، اسباق کا تناسب ایک ہی ہو گا۔ اخراجات میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوتی، اس لیے رفقاء دریافت فرماتے ہیں کہ فی طالب علم کتنے ہزار روپیہ صرف ہوا؟ مخالف مذاق اڑاتے ہیں۔ جامعہ میں صرف تیس پینتیس طلبہ ہیں۔ اور سب سے بڑی دقت یہ ہوئی کہ دوسرے مدارس سے جو طلبہ آئے ان کی تعلیم معیاری نہ تھی۔

وظائف نے طلبہ میں ایسی ہوس پیدا کر دی کہ طلبہ جامعہ اور اس کے منتظمین سے وظائف کے بارے میں اس طرح حساب کرتے گویا جامعہ ان کا مقروض ہے۔ گذشتہ سال سرگودھا کانفرنس کے بعد ان حضرات کے قرضوں سے بصد مشکل عہدہ برآ ہو سکے۔ یہ ذہن اس پاکیزہ ذہن کے بالکل خلاف ہے جو انبیاء کی وراثت کا واجبی تقاضا ہے۔ انگریزی اور دینی درسگاہوں میں یہ بنیادی امتیاز ہے کہ وہاں اصل مقصد دنیا ہے، دین کا مقام وہاں ثانوی بھی نہیں۔ ہمارے ہاں اصل مقصد دین ہے اور اس کی خدمتِ دنیا ثانوی مرتبہ ہے، اس لیے کوئی نظام جس سے اس ذہن کو ٹھیس پہنچے، گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ.

جامعہ ۵۸۔ ۵۹ء میں:

ان تجربات کی بنا پر وظائف کی سکیم واپس لے لی گئی اور جامعہ میں بامید منظوری ابتدائی تعلیم کا سلسلہ بھی رکھ لیا گیا۔ اس وقت جامعہ میں طلبہ کی تعداد قریباً ۱۲۵ ہے اور اساتذہ قریباً سات ہیں۔

کھانے کا انتظام عام مدارس سے کافی اچھا ہے۔ مجھے مسرت ہے ۱۹۵۸ء میں جامعہ کے انتظامات تسکین بخش رہے۔ طلبہ میں کوئی بدمزگی ظاہر نہیں ہوئی۔ اساتذہ نے محنت سے کام کیا۔

ہم نے گذشتہ سال اہتمام کا کام ایک ادارے کے سپرد کیا تھا جس کے چار ممبر تھے۔ تاحال یہ تجربہ کامیاب رہا ہے۔ مولانا محمد اسحاق، مولانا محمد صدیق، مولانا عبید اللہ، مولانا محمد یعقوب صاحب نے جس محنت سے جامعہ کا کام کیا ہے، ہم اس کے شکر گزار ہیں۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ.

دینی مدارس کے نصاب کا مسئلہ:

درسِ نظامی میں عام تبدیلی کی ابتداء حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمائی۔ پوری صحاح اور قرآن عزیز لازماً درس میں داخل فرمایا، لیکن حدیث کا طریق دورے کی صورت سے تھا۔ ذہین طلبہ تو شاید اس سے ضرور مستفید ہوں، لیکن متوسط طلبہ کو اس سے تبرک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الکل استاذ العرب والعجم مولانا الشیخ سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ نے فنِ حدیث کو نصاب میں ایسی جگہ دی کہ ہر کتاب پر بقدرِ ضرورت محنت کی جائے اور فنِ حدیث کے ساتھ رجال اور اصولِ حدیث پر ضروری توجہ دی جا سکے، جس کا تتبع کسی قدر اب ان مدارس میں بھی کیا جا رہا ہے جو اہلِ حدیث کہلانا پسند نہیں کرتے۔

اس کے باوجود نصاب کا مسئلہ ملک کا مشکل ترین مسئلہ ہے۔ علامہ شبلی مرحوم نے ندوۃ العلماء سے اس کا آغاز فرمایا، لیکن وہ تاحال کسی ایسے نقطے پر نہیں پہنچ سکا جسے ملت متفقہ طور پر قبول کر سکے۔ تاہم تبدیلی کی ضرورت کا احساس سب کو ہے۔ جمعیت نے بھی امسال تجربتاً نصاب میں نمایاں تبدیلیاں کی ہیں۔ علومِ کتاب و سنت و دیگر علومِ عربیہ ادبیہ کے ساتھ ساتھ تاریخ، معاشرت اور انگریزی کی طرف بھی خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس کی افادی حیثیت کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکتا ہے۔ اہلِ علم خصوصاً اصحابِ مدارس اس کے متعلق اپنی رائے کا اظہار فرمائیں گے۔

الاعتصام:

الاعتصام کا شمار بحمد اللہ ملک کے مؤقر پرچوں میں ہے۔ مخالف اور موافق اسے عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ علمی حلقوں میں اس کا ایک مقام ہے، لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اربابِ شوریٰ اور جماعت کے عوامی حلقوں نے اس کے متعلق اپنے فرض کو محسوس نہیں فرمایا۔

اخبار کی زندگی کا دارو مدار یا اشتہارات پر ہوتا ہے یا اشاعت کی کثرت پر۔ دینی اخبار فحش اشتہارات لے نہیں سکتے۔ خریداری کے لیے کوشش آپ حضرات کا فرض ہے جس میں آپ نے تساہل فرمایا ہے۔ اگر شوریٰ کے تمام ممبر پانچ پانچ خریدار اپنے ذمے لے لیں، اخبار اس سے کہیں بہتر حالت میں جا سکتا ہے۔

ہم نے گذشتہ سال ایک روزانہ اخبار کے اجراء کو اپنے مقاصد میں شامل کیا تھا۔ اس بے توجہی کے ہوتے ہوئے بہتر ہے کہ آپ حضرات خود ہی اسے اپنے مقاصد سے خارج فرما دیں۔

''الاعتصام'' ادارہ اشاعۃ السنۃ کی مطبوعات سے ہے۔ اس ادارے کے متعلق تفصیلی معلومات ناظمِ نشر واشاعت ارشاد فرمائیں گے۔

پریس:

ایک جماعتی پریس کا منصوبہ ہمارے سامنے تھا، لیکن مجھے حقیقت کے اظہار میں تامل نہیں کہ ہم نے اس کے متعلق کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ جامعہ کی تعمیر اور تعلیم کے اس قدر مصارف ہیں کہ کوئی مزید بوجھ برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ جماعت میں اصحابِ ثروت کی کمی نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ملی ضرورتوں کی طرف یہ حضرات بہت کم توجہ دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ بوجھ متوسط الحال یا غرباء کے حصے میں آیا ہے۔ اگر جماعت کے مرفہ الحال حضرات توجہ دیں تو پریس کوئی بڑی چیز نہیں۔ اگر پریس ہو جائے تو جماعت کی مطبوعات ارزاں قیمت پر فروخت کی جا سکتی ہیں۔ آخر میں عرض ہے کہ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست [1]

لائبریری:

جامعہ کے ساتھ ہی ایک دار المطالعہ کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ درسی کتابوں کے ساتھ ساتھ مطالعہ کی کتابیں بھی مکتبہ میں آ رہی ہیں، مگر یہ ذخیرہ بہت حقیر اور معمولی ہے، تاہم اس کی بنیاد رکھی جا چکی ہے۔ مولانا حکیم عزیز الرحمان بن حضرت مولانا محمد علی صاحب میر واعظ مرحوم نے قریباً ۵۷ کتابیں جامعہ کو مرحمت فرمائی ہیں جن میں چند کتابیں ایسی ہیں جو اب بازار میں ناپید ہیں۔ بعض دوسرے احباب نے بھی کتابوں کے متعلق نوازش فرمائی۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

[1] اہلِ سخاوت پر بہت سے کام دشوار نہیں ہوتے۔

آپ حضرات اپنے اپنے ماحول میں اگر متواتر کوشش جاری رکھیں تو کتابوں کا ذخیرہ لاکھوں تک پہنچ سکتا ہے۔ اس معاملے میں اعضائے شوریٰ کے علاوہ علماء اور اصحابِ ثروت بھی میرے مخاطب ہیں۔ کتابیں صدقہ جاریہ ہیں۔ ﴿ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴾

امر بالمعروف:

تبلیغ کا مسئلہ جماعتوں میں عموماً اور دینی اداروں میں خصوصاً ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔ جماعت اہلِ حدیث نے اس شعبے میں اتنا کام کیا ہے کہ کوئی دوسری جماعت اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ اہلِ حدیث کانفرنس نے ملک میں وعظ ونصیحت کا جال بچھا دیا۔ بمبئی سے پشاور تک، تبت، گلگت اور نیپال کی ترائیوں تک کانفرنس کے واعظین نے خاتم الموحدین مرحوم شیخ حافظ حمید اللہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مغفور کی مساعیِ جمیلہ سے یہ کام بہترین طریقے پر انجام دیا۔ اسی طرح اور بھی مقتدر علماء اور صلحاء کی کوششوں سے دعوت وارشاد کا کام ہوتا رہا۔

وقت کے تقاضے:

لیکن اب وقت کے تقاضے بدل چکے ہیں۔ اس وقت ضرورت ہے کہ آپ حضرات کے سامنے کوئی متعین مقصد ہو۔ تقاریر میں موضوع کی پابندی کی کوشش کی جائے۔ ان کی نقل وحرکت اس نظم کے ساتھ ہو جس سے جماعت کا اور خود ان کا وقار بڑھے۔ تقاریر میں موضوعات اور ضعاف سے پرہیز کیا جائے۔ اسلام کے اہم مسائل سے لوگوں کو آشنا کیا جائے۔ ائمۂ سلف اور ان کی سیرت کی دنیا میں اشاعت کی جائے۔

اس معاملے میں مجھے اعتراف ہے کہ ہم کوئی اہم کام نہیں کر سکے۔ حضرات علماء کی تنظیم کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ جب تک آپ حضرات کا مذاق نہ بدلے، آپ حضرات نظم کے احترام کو دل میں جگہ نہ دیں، تقاریر میں حضرات واعظین اور مبلغین جماعتی نظم کو مقدم نہ رکھیں اور اپنے سامعین میں جماعتی روح پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں تو عام تقاریر جماعت کے وقتی تقاضوں کے لیے چنداں سود مند نہ ہوں گی۔

ہماری مالی حالت:

مالیات کی رپورٹ ناظمِ مالیات دیں گے۔ مجھے صرف اسی قدر کہنا ہے کہ آپ حضرات فیاضی سے جس قدر روپیہ آج کل جامعہ اور جمعیت کے پروگرام پر صرف کر رہے ہیں اتنا روپیہ

بحیثیتِ مجموعی جماعت کے ہاتھوں میں نہیں آیا۔ یہ آپ کا احسان ہے کہ آپ اپنے رفقاء پر اعتماد فرما کر روپیہ ان کے ہاتھوں میں دے رہے ہیں۔ اس وقت لاکھوں روپیہ بحمد اللہ صرف ہو چکا ہے۔ اس کے باوجود حال یہ ہے کہ جس انداز سے آپ نے کام شروع کیا ہے اور جن منصوبوں کی تکمیل آپ کے پیشِ نظر ہے، اس لحاظ سے جماعت کو بہت زیادہ روپے کی ضرورت ہے۔ ہمارا خیال تھا جامعہ کی تعمیر پر سات آٹھ لاکھ روپیہ صرف ہوگا، لیکن موجودہ گرانی اور حالات کا نشیب وفراز بتا رہا ہے کہ یہ منصوبہ شاید بیس لاکھ میں بھی پورا نہ ہو۔

اساتذہ کے مشاہرات کے متعلق جو اندازہ ذہن میں تھا، ملک کی حیران کن گرانی نے اسے بالکل بدل دیا۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ حضرات اپنے اعمالِ خیر اور صدقات میں جامعہ، جماعت اور جمعیت کو پہلا مرتبہ دیں، تاکہ اپنی زندگی میں اپنے مقاصد کی تکمیل دیکھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۲؍جون ۱۹۵۹ء)

سالانہ رپورٹ ۱۹۶۱ء

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْخَاتَمِ وَأَتْبَاعِهِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ أَجْمَعِيْنَ.

گذشتہ سال ہم مورخہ ۱۹/ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو لائل پور جمع ہوئے تھے۔ اس وقت ملک میں مارشل لاء تھا۔ اجتماعی نظم وضبط کے متعلق کچھ کہنا ممنوع تھا، اس لیے محدود طور پر جامعہ سلفیہ، اس کے تعلیمی نظام، جماعت کے تعلیمی انحطاط اور اس کے اسباب پر دوستوں نے سر جوڑ کر کچھ باتیں کیں۔ اس ضمن میں سب سے مسرت انگیز اور خلافِ امید ایک پرانی نزاع کا فیصلہ ہوا کہ آیندہ اس جمہوری نظام کے سربراہ کا نام امیر ہو گا۔

اس نزاع کے ختم کرنے میں سب سے زیادہ دخل مرحوم حافظ اسماعیل صاحب روپڑی اور مولانا اللہ بخش کمیر پوری کا تھا۔ مرحوم تھوڑا عرصہ بعد اللہ کو پیارے ہو گئے اور مولانا اللہ بخش بقیدِ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کو ان کے نیک ارادوں کا اجر دے۔ اور ان سب سے زیادہ قابلِ تعریف رویہ احبابِ لاہور کا تھا جنھوں نے حتمی اختلاف اور غیر تسلی بخش ماحول کے باوجود اس فیصلے کو قبول فرمایا اور جماعت کے ساتھ پورا پورا تعاون فرمایا۔ ان کی مخلصانہ مساعی کا نتیجہ ہے کہ آپ کا یہ ساتواں اجتماع لاہور ایسے تاریخی شہر میں ہو رہا ہے۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ مَسَاعِيْهِمْ.

لائل پور کانفرنس کے ایام ہی میں حضرت الامیر کی علالت خطرناک صورت اختیار کر گئی اور عرصہ تک وہ صاحبِ فراش رہے۔ اس کے علاوہ مرحوم حافظ اسماعیل صاحب کی علالت کا سلسلہ طویل ہو گیا تا آنکہ وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مہینوں تک کسی اجتماع کے لیے کچھ سازگار موقع پیدا نہ ہو سکا۔ اس لیے دفتر نے جماعت کے اس فیصلے کی اساسی اور بنیادی تعمیل کے لیے ایک سرکاری اعلان کر دیا کہ جمعیت اہلِ حدیث کی مرکزی، شہری، اضلاعی اور پرائمری شعبوں کے صدر کا نام آیندہ امیر ہو گا۔

ان معاذیر اور مشکلات میں یہی ممکن تھا جو کر دیا گیا۔

حضرات! آپ نے امارت کے فیصلے کے علاوہ وحدتِ نصاب کے متعلق طویل بحث کی تھی۔ اس کے فوائد، امکانات، عواقب اور موانع کا پورا پورا جائزہ لیا گیا تھا اور مبسوط غور وفکر کے بعد ایک سب کمیٹی بنائی گئی تھی جو حضرت الامیر مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی، راقم الحروف اسماعیل ناظم، مولانا عبدالعزیز صاحب ملک ملتانی، مولانا محمد اسحاق صاحب لائل پوری اور مولانا عطاء اللہ صاحب بھوجیانی پر مشتمل تھی۔ مولانا بھوجیانی صاحب کو اس کمیٹی کا کنوینز مقرر کیا گیا تھا۔

صحت کے بعد حضرت الامیر نے سب سے پہلے اس امر کی طرف توجہ فرمائی اور اس کے لیے تین اجتماعات کا فیصلہ کیا گیا۔ پہلا اجتماع لائل پور میں ہوا۔ اس منطقہ کے تمام مدارس، ان کے صدر مدرس اور مہتممین کو اطلاع دی گئی۔ حضرت الامیر نقاہت کے باوجود وہاں پہنچے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اربابِ مدارس نے اس میں بہت کم دلچسپی لی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس معاملے کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ بچوں کے مستقبل اور جماعت کے وقار کو اس سے جو صدمہ پہنچ سکتا ہے اس سے ان حضرات کے دل ناآشنا ہیں۔ نامکمل نصاب سے جو طالب عالم فارغ ہوتے ہیں وہ علم سے فراغت کے ساتھ عقل وشرافت سے بھی بسا اوقات فارغ ہوتے ہیں۔ میں قائدینِ قوم کو جھنجوڑنا چاہتا ہوں کہ ع

گر کردن است داروے دردِ دروں کنید [1]

اس کے متعلق دوسری میٹنگ منٹگمری میں ہوئی۔ وہ حاضری کے لحاظ سے کامیاب نہ تھی۔ اہم مدارس کے مہتمم ان خالص علمی اور افادی مجالس میں اپنی حاضری اپنے وقار کے منافی سمجھتے ہیں، یا وہ احساسِ کہتری میں مبتلا ہیں کہ جماعت نے اگر ہم پر کوئی ذمے داری ڈال دی تو ہم اسے پورا نہیں کر سکیں گے۔ اس لیے وہ سمجھتے ہیں آنے والے حوادث سے آنکھیں بند کر کے جتنا وقت گزر جائے بہتر ہے، مگر یقین جانیے آنکھیں موند لینا کبوتر کی تقدیر کو بدل نہیں سکتا۔

اس سرد مہری اور اس کے بعد حضرت الامیر کی علالت کے سبب کوئی میٹنگ نہ ہو سکی۔ معاملے کی اہمیت اور وقت کی ضرورت کا تقاضا ہے کہ اس کے متعلق مزید قدم اٹھایا جائے اور اس اہم معاملے

[1] اگر کچھ کرنا ہے تو دردِ دل کا علاج کرو۔

کو صحیح راستے پر لانے کے لیے بھرپور کوشش کی جائے۔

اس کے ساتھ ہی دوسرا مسئلہ وفاقِ مدارس کا ہے۔ آپ حضرات جیسے پسند فرمائیں دونوں مسئلوں کو معاً شروع کر دیں، یا یکے بعد دیگرے مگر اسے نظر انداز کسی صورت میں بھی نہیں ہونا چاہیے۔

گذشتہ سال جامعہ سلفیہ کی کارگزاری اساتذہ کے لحاظ سے تسکین بخش نہ تھی۔ بعض اساتذہ کا نصب وعزل بے وقت ہوا۔ ان کی تعلیمی قابلیت کا صحیح اندازہ نہ کیا جا سکا جس سے طلبہ کو بے اطمینانی ہوئی۔ محترم حافظ عبداللہ صاحب اور مولانا محمد صادق صاحب کی رفقائے جامعہ میں شمولیت سے یہ معاملہ درست ہو گیا۔ طلبہ کی طرف سے کوئی شکایت اسباق کے متعلق نہیں آئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

جامعہ کے اندرونی نظام کے متعلق کچھ شکایت ہوتی رہی۔ اتنے بڑے ادارے میں ایسی شکایات ہونا چنداں خلافِ معمول نہیں۔ اساتذہ ہوش مندی اور ہمدردی سے کنٹرول کریں تو ایسی شکایات کافی حد تک کم ہو سکتی ہیں۔

مولانا فضل حق کی خدمات:

جامعہ میں ان کی بار بار آمد سے معاملات کے سلجھانے میں کافی مدد ملی ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں مزید توفیق اور اخلاص عطا فرمائے۔

مولانا عبیداللہ احرار:

اس مقام پر مولانا عبیداللہ صاحب احرار کی خدمات کا شکریہ بے حد ضروری ہے۔ ان کی جامعہ میں آمد و رفت اور انتظامی مشکلات کے حل میں ان کے ناخنِ تدبیر کو بہت دخل ہے۔ ہم ان کے ممنون ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ تادیر جامعہ سلفیہ ان کی گراں قدر خدمات سے مستفیض ہوتا رہے۔

جمعیت مرکزیہ:

اب تک جو عرض کیا گیا وہ ناظمِ تعلیم کی حیثیت سے تھا۔ اب مرکزی جمعیت کے متعلق سنیے۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۶ء تک جمعیت کے تعارف، افراد کے باہم ربط کے متعلق کوشش ہوتی رہی۔ مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں کے دورے کرنے اور ''الاعتصام'' کی معرفت مرکزی نظام پھیلایا گیا۔ قریباً پانچ صد شہری، ضلعی، پرائمری جماعتوں نے مرکز کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ ان میں بعض جماعتیں نہایت

فعال ہیں۔ وہاں کے رفقاء جماعت کے صحیح خیر اندیش ہیں۔ مثال کے طور پر راولپنڈی کی جمعیت کو لیجیے۔ افراد کی قلت اور وسائل کی کمی کے باوجود پورے ضلع ہزارہ اور مظفر آباد، آزاد کشمیر کے علاقے تک ان کی وجہ سے تبلیغی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقے پسماندہ ہیں۔ ان علاقوں کی آمد وخرچ کا موازنہ کیا جائے تو جمعیت ہمیشہ خسارے میں رہتی ہے مگر تبلیغِ حق ایسا مسئلہ ہے کہ جس کے حساب میں الجھاؤ نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر کہیں کمی ہوتی ہے تو دوسری جگہ سے پوری بھی ہو جاتی ہے۔

یہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت میں اختلافات بہت کم ہیں۔ سستی اور بے پروائی نہ ہو تو بحمد اللہ باہم تعلق اور تعاون ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی نعمت ہے جس کا شکر یہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔

۱۹۵۸ء تک ملک میں کوئی پابندی نہ تھی۔ جمعیت اپنے ممکن وسائل کے مطابق کام کرتی رہی۔ ہماری جماعت ان جماعتوں میں سے نہیں جو سیاسی اکھاڑوں کو ہوا دینے کے ماہر ہوں اور سیاسی اکھاڑ پچھاڑ میں ان کو کوئی خاص مقام حاصل ہو۔ ہماری سیاست اسی قدر ہے جس قدر اسلامی اور دینی اقدار کے واجبی تقاضے ہوں۔ ہم نے دینی آئین کے متعلق حکومت کو توجہ دلائی اور اب تک ہمارا اس مسئلے میں یہی موقف ہے کہ اس ملک کا آئین کتاب وسنت پر مبنی ہونا چاہیے۔ اس مملکت میں لادین زندگی کو یکسر ختم ہو جانا چاہیے، بلکہ اس کے معمل اور محرکات کے لیے بھی اس ملک کی آئیڈیالوجی میں کوئی گنجایش نہیں، اور یہاں تک ایک مذہبی اور دینی جماعت کے لیے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی پارٹیوں اور ان کی اکھاڑ پچھاڑ میں ہم نے کبھی دخل نہیں دیا۔ تاہم ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء نے جماعت پر بلاوجہ پابندیاں عائد کر کے اس دینی مذہبی تحریک کے عوامل میں رکاوٹ پیدا کر دی۔ قریباً چار سال سے زائد عرصہ تعطل میں گزرا۔ اب امید ہے کہ احباب جماعت کی توسیع میں مزید کوشش کریں گے۔

ایک ضروری امر جو میں آپ کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ بعض شہروں میں مقامی اختلافات کی وجہ سے احباب آپس میں مل کر نہیں چل سکتے۔ مرکزی دفتر ان میں اصلاح ذات البین کے طور پر مداخلت کرے۔ مگر وہاں کے ہوشیار دوست دفتر کو اپنے ذاتی مقاصد یا ذاتی وقار کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں جو دفتر کے لیے نہ ممکن ہے نہ مناسب۔ یہ حضرات دفتر کو مرعوب کرنے کے لیے وہاں متوازی انداز کی جماعتیں تشکیل کرتے ہیں۔ دفتری نظام کو خراب کرنے اور اصلاحی کوششوں کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔

اس قسم کی صورتِ حال اس وقت صرف دو مقام پر ہے: ملتان اور راولپنڈی۔ ملتان میں مولوی شمس الحق ذاتی اغراض کے لیے لڑ رہے ہیں۔ حضرت الامیر کو ثالث مان کر فیصلۂ ثالثی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ عدالتی چارہ جوئی اور پولیس تک نوبت پہنچی۔

ہمارے رفقاء یعنی مقامی جمعیت کے بعض ممبر بعض غلطیوں کے مرتکب بھی ہوئے۔ دفتر مجبور ہے کہ جائز حد تک مقامی جمعیت سے تعاون کرے اور متوازی جماعتوں سے علاحدگی اختیار کرے، مگر اب تک ملتان میں یہ خلفشار ختم نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے احباب سے گزارش ہے کہ کوئی زیادہ مضبوط اور فیصلہ کن طریق اختیار کرنے کے لیے سوچیں۔

اسی قسم کی صورت اس وقت راولپنڈی میں درپیش ہے۔ وہاں کے ہوشیار مگر غلط کار دوستوں نے ایک بزمِ توحید بنا ڈالی ہے۔ ہمارے اہلِ علم اور مقرر حضرات ایسی مجالس میں بلا تکلف شامل ہوتے اور مرجفین کی باتوں کو سنتے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ وہ غلط لوگوں کے ساتھ رشتہ قائم کر کے جماعتی اختلافات کی خلیج کو بڑھانے کا موجب، دلالت علی الخیر کے بجائے اثم و عدوان میں تعاون کا سبب بنتے ہیں۔

یہی صورت گذشتہ سال مظفر آباد میں پیش آئی۔ لیکن شکر ہے کہ وہاں کے رفقاء کے خلوص اور حافظ اسماعیل صاحب ذبیح کی کوششوں سے معاملہ کافی حد تک درست ہو گیا۔

اسی طرح کا ایک جھگڑا منٹگمری میں ہے۔ امید ہے کہ وہاں کے دانشمند اور مخلص دوست اسے حل کرنے کی کوئی راہ نکال لیں گے۔ ﴿ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ [محمد: ۷] اللہ ان لوگوں کی مدد فرماتا ہے جو اس کے دین کی مدد کریں۔

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ ایسے واقعات کے متعلق کوئی مضبوط پالیسی وضع کریں، تاکہ ہوشیار اور عیار قسم کے لوگ اپنی ذاتی اغراض کے لیے جماعت میں خلفشار نہ پیدا کر سکیں۔ توقع ہے کہ آپ حضرات کا ناخنِ تدبیر ایسے مقاصد کے لیے کوئی بہتر راہ سوچ سکے گا، تاکہ جماعت میں ہم آہنگی اور تعاون قائم ہو سکے۔

محمد اسماعیل کان اللہ لہ

محترم ناظمِ اعلیٰ کی رپورٹ
(۱۹۶۳ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ.

حضرات! جمعیت مرکزی کی تشکیل اور جامعہ سلفیہ کی تاسیس کے بعد شاید ہی کوئی ایسا سال گزرا ہو جس میں کسی چھوٹے موٹے بحران سے سابقہ نہ پڑا ہو۔ اساتذہ کے طریقِ کار میں بعض ناہمواریاں، طلبہ کے حقوق ومطالبات کی ناسازگاریاں، رفقاء کے طریقِ فکر کی مشکلات، بعض حلقوں کی شریعت نوازیاں؛ جامعہ کے متعلقین اور خدام کے لیے ایسے حوادث طبیعتِ ثانیہ بن گئے ہیں۔ اب ایسا محسوس ہونے لگا ہے کہ یہ خلافِ معمول واقعات ہوچکے ہیں ع

مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

بہ پیشِ ہمت ما ہرچہ آمد بود مہمانے نہ شادی داد سامانے نہ غم آورد نقصانے[1]

لیکن حضرت الامیر۔عافاہ اللہ وشفاہ۔ کے تدبر اور رفقائے کار کے خلوص اور پیہم مساعی سے یہ سب بحران ختم ہوتے رہے اور آیندہ بھی ان شاء اللہ العزیز ختم ہوتے رہیں گے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ؎

جو کچھ ہوا ہوا کرم سے تیرے جو ہو گا تیرے کرم سے ہو گا

خدا کا شکر ہے کہ اس شجرۂ طیبہ کی شاخیں پاکستان کے اطراف تک پھیلیں اور جامعہ کا غلغلہ تو حدودِ پاکستان کو پھاند کر دور دور تک پہنچ چکا ہے۔ خدا کرے وہ دن جلد آئیں جب اس چشمۂ صافی سے علم کی تشنگی دور ہو جو عرصے سے جماعت میں محسوس کی جا رہی ہے۔

[1] خوشی فائدہ مند ہے نہ غم کوئی نقصان دہ۔ ہماری ہمت کے سامنے جو بھی آتا ہے مہمان ہی ہوتا ہے۔

حالات جو بھی ہوں؛ جامعہ کا منصوبہ بحمد اللہ اپنی طبعی رفتار سے جاری ہے اور بتدریج ترقی کر رہا ہے۔ اس سال جامعہ میں آٹھ اساتذہ کام کر رہے ہیں جن کے اسمائے گرامی ذیل میں مرقوم ہیں:

① مولانا حافظ عبداللہ صاحب شیخ الحدیث۔ ② مولانا محمد یعقوب صاحب۔
③ مولانا محمد صادق صاحب۔ ④ مولانا شریف اللہ صاحب۔
⑤ مولانا علی محمد صاحب۔ ⑥ مولانا حافظ بنیامین صاحب۔
⑦ مولانا محمد بن عبداللہ صاحب۔ ⑧ محترم پروفیسر عمر فاروق صاحب۔

باقی عملہ ان کے علاوہ ہے۔

مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی اس دفعہ شروع سال ہی میں مستعفی ہو گئے تھے۔ بعض حضرات کا یہ خیال تھا کہ جامعہ پر اس کا اثر ہوگا، لیکن بظاہر یہ خیال صحیح ثابت نہیں ہوا۔ طلبہ کی تعداد ابتدائے سال میں قریباً پونے دوسو تھی۔ اس وقت آخر سال میں قریباً ایک صد چالیس ہے۔ بعض طلبہ خود چلے گئے۔ بعض کو تادیب کے طور پر خارج کیا گیا، پھر بھی گذشتہ سال سے اس وقت تعداد زیادہ ہے۔

اس سال مولانا ابوحفص صاحب عثمانی کو جامعہ میں بطور سپریڈنٹ رکھا گیا۔ اساتذہ تعلیمی مشاغل کی وجہ سے بعض انتظامی امور میں پوری توجہ نہیں دے سکتے تھے۔ طلبہ کا نظم وضبط، اسباق میں حاضری، تعطیلات میں قواعد کی پابندی، جامعہ کے مہمانوں کی دیکھ بھال، زائر حضرات سے گفتگو اور ضروری معاملات کے متعلق معلومات کی فراہمی، بعض طلبہ کی آوارگی۔ سپریڈنٹ کے تقرر کے بعد ان معاملات میں کافی اصلاح ہوچکی ہے۔ بلا عذر غیر حاضر ہونے والے طلبہ سے مناسب جرمانہ وصول کیا جاتا ہے جو جامعہ کے فنڈ میں جمع ہوتا ہے اور طلبہ پر صرف ہوجاتا ہے۔

جمعہ کی نماز جامعہ میں باقاعدہ ہوتی ہے۔ طلبہ اس میں التزاماً حاضر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو اجازت سے جاسکتے ہیں اور وقت پر حاضر ہوجاتے ہیں۔ روزانہ نماز میں طلبہ حاضر ہوتے ہیں اور اس میں کوتاہی کو قطعاً گوارا نہیں کیا جاتا۔ نماز کی حاضری باقاعدگی سے لگتی ہے۔ کھانے کی تقسیم میں عموماً بے قاعدگی ہوجاتی ہے۔ کبھی کھانا کم ہوجاتا ہے اور کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اس صورت میں غلے کا خرچ بہت بڑھ جاتا ہے۔ سپریڈنٹ صاحب نے جامعہ میں اس کا مناسب احتساب کیا ہے۔ عام مدارس کی بہ نسبت جامعہ کی حالت اور نظم بہت بہتر ہے۔

اسباق کی حاضری، مطالعہ اور اسباق کے تکرار وغیرہ میں طلبہ کی مشغولیت کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ اب بحمد اللہ چوری وغیرہ اخلاقی برائیوں کی شکایت نسبتاً بہت کم ہے۔ اساتذہ کرام مفوضہ فرائض کو پوری پابندی سے ادا فرماتے ہیں۔ خود اساتذہ کی بھی دو وقت حاضری ہوتی ہے۔ چھٹیوں کا باقاعدہ نظام ہے۔ بلا وجہ غیر حاضری کبھی نہیں ہوئی۔ حضرات اساتذہ اس نظام کے ساتھ تعاون فرما رہے ہیں۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ۔ تعطیلات کا پورا نظام موجود اور محفوظ ہے۔

جامعہ کے مہمانوں کی دیکھ بھال حسبِ ارشادِ نبوی: «أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ»[1] کے مطابق کی جاتی ہے۔ ان کے پتوں کا اندراج ہوتا ہے۔ گویا آنے والے تمام مہمانوں کا بھی ریکارڈ موجود ہے۔ سال میں تمام مہمانوں کی تعداد معلوم ہوسکتی ہے۔

نظام کی پابندی کی وجہ سے بعض حلقوں میں سپریڈنٹ کی سخت گیری کی شکایت پہنچی ہے۔ ممکن ہے کوئی شکایت کسی حد تک درست بھی ہو، لیکن نظم کی پابندی اور اخلاق کی اصلاح کے سلسلے میں بہرحال اسے برداشت کرنا چاہیے۔ نظم ونسق کے سلسلے میں بعض ناخوشگوار باتیں بھی برداشت کرلینی چاہییں۔ اس کے باوجود یقین ہے کہ آیندہ سپریڈنٹ صاحب بھی اپنے فرائض کو زیادہ خوش اسلوبی سے ادا فرمائیں گے۔

جامعہ میں بحمد اللہ ایک معقول لائبریری موجود ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، لغت، ادب، صرف، نحو، معانی، بیان، منطق، فلسفہ اور دیگر فنون کی عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتابوں کا کافی ذخیرہ جمع ہے۔ بعض جامعہ نے خود خریدی ہیں اور کچھ بعض احباب نے وقف فرمائی ہیں۔ ان کی مکمل فہرست اور رجسٹروں میں اندراجات موجود ہیں۔ اس کے باوجود کتب کی بے حد کمی ہے۔ کتب خانہ کے لیے لاکھوں روپے درکار ہیں۔ امید ہے اصحابِ خیر اس طرف توجہ دیں گے۔ جامعہ میں مکمل فہرستِ کتب موجود ہے جو ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

جامعہ کی تعمیر:

۲۴ کمرے مکمل ہوچکے ہیں۔ ایک بالائی کمرہ بھی تعمیر ہوچکا ہے۔ یہ کمرے طلبہ اور اساتذہ کے زیرِ استعمال ہیں۔ ایک مہمان خانہ جو متعدد کمروں پر مشتمل ہے، تعمیر ہو چکا ہے۔ چاروں طرف پختہ

---

[1] **ضعیف.** سنن أبي داود (٤٨٤٢) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ امام ابو داود رحمہ اللہ یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ميمون لم يدرك عائشة".

دیوار تعمیر ہو چکی ہے جو ۵ سو فٹ لمبی ہے۔ گھاس کے پلاٹ بن رہے ہیں۔ چھے کمروں کی اس عمارت میں ابھی کمی ہے۔ توقع ہے اصحابِ خیر اس کی تکمیل فرمائیں گے۔

مسجد:

مسجد کی تعمیر کا ذمہ میاں عبدالوہاب صاحب (کراچی) نے لیا تھا، لیکن وہ کسی نامعلوم سبب سے رہ گئے۔ اب خدا کا شکر ہے کہ مسجد کا ۷۰×۴۰ کا کمرہ مع گیلری تیار ہو چکا ہے جس کی چھت ۲۲ فٹ ڈالی گئی ہے۔ یہ کمرہ میاں فضل حق صاحب صدر جامعہ اور محترم شیخ محمد انور صاحب کے مصارف اور مساعی سے تیار ہو گیا ہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ أَحْسَنَ الْجَزَاءَ.

امید ہے آیندہ سال محترم الحاج محمد اسحاق صاحب حنیف ناظمِ نشر و اشاعت و مالک چناب وولن ملز حسبِ وعدہ جامعہ ہال کی تعمیر شروع کرا دیں گے۔ حضرات ممبرانِ شوریٰ سے گزارش ہے کہ کمروں کے آگے برآمدے کے لیے اس وقت اعانت فرمائیں یا وعدہ فرمائیں، تاکہ طلبہ گرمی اور سردی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں۔

اب وضو کے لیے ٹونٹیاں، غسل خانے اور طہارت خانے زیرِ تعمیر ہیں۔ ٹیوب ویل لگ چکا ہے۔ اس کے تمام اخراجات کا ذمہ محترم عبدالستار صاحب مالک ستارہ فیکٹری گوجرانوالہ نے لے لیا ہے جس کی تکمیل عن قریب ہو جائے گی۔

ناظمِ تعمیرات اس کے متعلق اپنی مفصل رپورٹ آپ کے سامنے پیش فرمائیں گے اور اسی طرح ناظمِ نشر و اشاعت اور ناظمِ مالیات اور مولانا محی الدین صاحب و حافظ محمد ابراہیم صاحب کمیر پوری اپنے کام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں گے۔

جامعہ میں ششماہی اور سالانہ امتحانات باقاعدہ ہوتے ہیں اور نتائج کا اعلان الاعتصام میں کیا جاتا ہے۔

اس سال گندم کی فراہمی میں محترم مولانا محمد اسحاق امیر جمعیت اہلِ حدیث ضلع لائل پور، مولانا محمد صادق صاحب مدرس جامعہ سلفیہ اور مولانا محمد رفیق صاحب مدنپوری اور مولانا عبدالرشید خطیب جامع نشاط ملز لائل پور، مولانا محمد عبداللہ صاحب ثانی، مولانا محمد داود صاحب سمندری اور مولانا قاضی محمد اسلم صاحب سیف، مولانا اللہ بخش صاحب کمیر پوری نے مخلصانہ کوشش فرما کر ہزار

من سے زیادہ گندم فراہم فرمائی۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهِمْ.

اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں میں برکت فرمائے اور مزید حسنِ عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ ان حضرات کی خدمات کو خصوصاً اس بحرانی دور میں جامعہ کسی طرح نہیں بھول سکتی۔

مولانا عبیداللہ احرار احبابِ لائل پور میں روح رواں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا عزم ہی تعمیرات کے کام کی تکمیل کا کافی حد تک ضامن ہے۔ جَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۲؍نومبر ۱۹۶۳ء)

جماعت کی خدمت میں ضروری گزارشات

ہمارے اَسلاف:

عرصے سے جماعت میں انتشار پایا جا رہا ہے اور گونا گوں حوادث و فتن کے پیشِ نظر نظام کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔ بارھویں صدی کے اواخر میں جب تحریک اہلِ حدیث کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز ہندوستان سے باہر تھا، جماعت کا نظم امارت کے طریق پر تھا۔ بنگال، بہار کے دیہات و قصبات تک نظم کی کڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ تبلیغ کا سلسلہ اتنا مکمل تھا کہ بقول ہنٹر عدالت کے احاطوں میں اہلِ توحید اپنی آواز پہنچا دیتے ہیں۔ معصیت اور کبائر کے خلاف کھلے طور پر یہ لوگ اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ سادہ لوح اور نیک دل عوام کی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوتیں۔ حکومت کے عمال، انگریزی عدالتوں کے کارندے، بڑے بڑے پروفیسر، وکلاء، تعلیم یافتہ طبقہ ان کی اخلاقی جرأت، تقویٰ وخلوص اور حسنِ عمل سے بالخصوص متاثر ہوتا۔

عالمانہ بناوٹ اور وضعداری ان میں ناپید تھی۔ اس کے باوجود عامۃ المسلمین ان مجنوں فرزانوں کی کما حقہ قدر کرتے تھے اور ان کی باتیں کان لگا کر سنتے تھے۔ اور وہ بھی اس گراں مایہ پند و موعظت پر اپنے سامعین سے کسی مادی منفعت کے خواہشمند نہ تھے۔

ان کی امانت و دیانت کا یہ حال تھا کہ ان کے مبلغین کے پاس ہزاروں پونڈ اور لاکھوں روپیہ ہوتا جو بنگال، بہار، پنجاب، دہلی اور ٹونک وغیرہ سے یہ وصول کر کے مرکز کو پہنچاتے۔ اس میں ایک پائی کی خیانت نہ ہونے پاتی۔ یہ بیچارے بہار سے سرحد پار پہنچتے اور اپنی محنت پر ایک پائی وصول کرنے کی کوشش نہ کرتے، بلکہ یہ کام حسبتاً للہ ہوتا۔ محض آذوقۂ حیات پر یہ لوگ سکھوں اور غیر مسلم طاقتوں سے لڑتے اور اس فرض کی ادائیگی پر خوش ہوتے کہ ہم نے اپنا فرض ادا کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق مرحمت فرمائی

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی   منت از و شمر کہ بخدمت گذاشت[1]

اس جماعت کا کوئی آئینی منشور ہمارے سامنے نہیں اور نہ باقاعدہ آئینی منشور کی اشاعت کا وہ وقت ہی تھا۔ زیادہ سے زیادہ سید احمد صاحب اور سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے خطوط جو مختلف امراء کو اس وقت لکھے گئے، یا وہ دعوتی خطوط جو بعض سکھوں کو لکھے، یا علماء کی غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے جو کوششیں عمل میں لائی گئیں، اُن سے جماعت کے مقاصد پر فی الجملہ روشنی پڑتی ہے اور یہی مکاتیب جماعت کے منشور کی حیثیت سے تصور کیے جا سکتے ہیں۔

ان خطوط کا کافی حصہ ضائع ہو چکا ہے اور بعض یورپ کی لائبریریوں کی زینت ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس سوانح احمدیہ اور بعض دوسری محققانہ دستاویزات سے مل سکتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ توحید کی سرگرمیوں کا مقصد مندرجہ ذیل مقاصد کا حصول تھا:

1. سرزمینِ ہند میں خالص اسلامی نظام کا قیام۔
2. رفض کے اثرات کی روک تھام۔
3. فکر و عمل کی بدعات کا استیصال۔
4. فواحش و منکرات کی کلی تردید۔

ان مقاصد کی تکمیل کے لیے دو طریق سے کام ہوتا تھا: جہاد بالسیف جس کا زیادہ اثر صوبہ سرحد میں تھا، اور وعظ و نصیحت جسے سفر و حضر میں حسبِ موقع نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ مبلغین خود اس قدر متقی اور اسلامی تعلیمات کے پابند تھے کہ ان میں ہر شخص بجائے خود ایک وعظ تھا۔ انفرادی زندگیاں اس قدر پاک تھیں کہ ایک شخص پورے معاشرے پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ یعنی ایک ایک شخص اس قدر لائق تھا کہ وہ پورے پورے علاقے کو متاثر کرے اور اپنے حسنِ عمل سے لوگوں کی زندگیاں بدل دے۔

پبلک جلسے اور کانفرنسوں کا چنداں رواج نہ تھا، لیکن یہ ایک ایک شخص اپنی سیرت کی پاکیزگی کی وجہ سے پوری بستی اور قصبے پر اس طرح حاوی ہوتا تھا کہ سیکڑوں غیر مسلم محض اس کی سیرت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتے تھے۔

---

[1] احسان نہ جتلاؤ کہ سلطان کی خدمت کرتے ہو۔ اس کا احسان سمجھو کہ اس نے تمھیں اپنی خدمت کے لیے رکھا ہوا ہے۔

ہماری کیفیت:

اس وقت حالات یہ ہیں کہ کرنے کے کام بہت سے ہیں۔ منکرات و فواحش کے خلاف مستقل جہاد کی ضرورت ہے۔ اسلام کی بقا و تحفظ کے تقاضے ہیں۔ جماعتی تصور کے داعیے ہیں، لیکن نظم و حوصلہ مفقود ہے۔ اگر سب احباب سر جوڑ کر بیٹھ جائیں تو متعین پروگرام کا طے کرنا کچھ مشکل نہیں۔ جہاں حضرت مولانا محمد داود صاحب غزنوی، مولانا محی الدین احمد اور مولانا محمد علی صاحب قصوری و امثالہم ایسے بزرگ سنجیدگی سے سوچیں تو پروگرام کا طے کرنا سہل ہے۔

ہمارے نزدیک اس مسئلے کی اصل مشکل مخلص کارکنوں کا فقدان اور علمائے اہلِ حدیث کی بے توجہی ہے۔ امسال مجھے بہت سے پبلک جلسوں میں شرکت کا موقع ملا جس میں اہلِ جلسہ نے روپیہ تو پانی کی طرح بہایا مگر نتیجہ چنداں تسلی بخش نہ تھا، کیوں کہ مقاصد متعین نہیں اور ضبط و اہتمام کی کمی ہے۔

جلسہ منعقد کرنے سے پہلے یہ سوچنا ضروری ہے کہ جلسہ کس ضرورت کے لیے بلایا جا رہا ہے۔ صرف جلسہ کی خاطر جلسہ، یہ کوئی مقصد نہیں۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ بعض واعظین کی ساری کوشش اس بات پر مرکوز رہتی ہے کہ ان کا نام اشتہار میں نمایاں طور پر چھپے۔ ایک دو جچی تلی تقریریں ان علماء کو یاد ہوتی ہیں۔ عنوان چاہے کچھ ہو، وہ انہی کو دہرا دیتے ہیں۔ عوام کا ذہن اس طرح بن گیا ہے کہ وہ بعض نظموں اور تقریروں کو سننا چاہتے ہیں، قطع نظر اس سے کہ عنوان کیا ہے یا اس نظم یا تقریر کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔

یہ ساری مصیبت اس لیے ہے کہ اخلاص اور نظم کی کمی ہے۔ علماء اور عوام دونوں کسی حد تک اس کا شکار ہیں۔ جلسوں نے ایک پیشے اور فیشن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ جہاں چند بے فکرے جمع ہو گئے اور کوئی کام پیشِ نظر نہ رہا تو دو مولویوں میں مختصر سی بحث چھیڑ دی۔ اختلاف بڑھا تو پارٹی بن گئی اور مستقل مناظرے یا جلسے کی ضرورت کا احساس ہوا، چندہ جمع ہوا اور نہایت بے تکے پن سے خرچ ہوا۔ چند مشہور جمعیتوں کے سوا ان ہنگامی جلسوں اور مناظرات کا کوئی باقاعدہ حساب نہیں ہوتا۔ جب تک عمل میں اخلاص اور نصب العین کا شعور نہ ہو، جلسے مفید ہو سکتے ہیں نہ مناظرات ہی سے بگڑی بن سکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ متعین پروگرام کے ساتھ مخلصین کی ایک جمعیت اصول کی وحدت کو سامنے رکھتے ہوئے میدان میں آئے۔ صوبے اور ضلع کی جمعیتیں اصطلاحی الحاق اور نظام کی رسمی صورت سے نکل کر متدین،

دردمند اور بااصول حضرات وقت کے تقاضوں کے مطابق کام کریں اور عہدوں سے قطعی بے نیاز ہو کر توحید وسنت کی اشاعت اور اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی صلاحیتوں کو صرف کرنے کا عہد کریں۔

تقسیمِ وطن سے اسلام کی سربلندی کی جس قدر امیدیں وابستہ تھیں وہ بڑی حد تک سراب و خواب ثابت ہوئی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا پرست حضرات سے الگ رہ کر اپنی دنیا آپ بسائی جائے اور پوری کوشش اور خلوص سے کام کیا جائے۔ اس مقصد کے پیشِ نظر جماعت اہلِ حدیث پاکستان کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ تمام جمعیتیں تعاون کا ہاتھ بڑھائیں۔ مل کر کام کرنے کی کوشش کریں۔ بیسیوں جمعیتیں اس وقت تک تعاون کا عہد کر چکی ہیں۔ کام بتدریج بڑھ رہا ہے۔ خیال ہے کہ اب کچھ لٹریچر شائع کیا جائے۔ چنانچہ عنقریب ''تقویۃ الایمان'' کا ایک جدید اور عمدہ ایڈیشن دفتر جمعیت کی طرف سے شائع ہوگا۔ اس کے علاوہ دیگر کتابوں کی طباعت بھی پیشِ نظر ہے۔ متعلقہ جمعیتوں کا فرض ہے کہ اس کی اشاعت کے لیے پوری تندہی سے کام کریں۔

حالات کی سازگاری:

اس وقت اطرافِ ملک، عراق و شام، مصر ونجد اور یمن وغیرہ تمام علاقوں میں اہلِ حدیث پھیلے ہوئے ہیں۔ اتباعِ سلف کی یہ تحریک اپنی ذاتی خوبیوں کی بنا پر دلوں میں گھر کر رہی ہے۔ لوگ خود بخود اس طرف کھنچے آرہے ہیں۔ جمود اور تقلید کی بندشیں خود بخود ٹوٹ رہی ہیں۔ غلط رسوم و عادات کے بُت زمین پر آرہے ہیں۔ تھوڑے سے نظم اور حمایت کی ضرورت ہے؛ پوری اسلامی دنیا میں یہ نظام پھیل رہا ہے۔

مصر میں تحریک اہلِ حدیث بڑی سرعت سے پھیل رہی ہے۔ سید رشید رضا مرحوم کے بعد دو مقتدر عالم شیخ احمد شاکر اور شیخ حامد فقی اس وقت اس تحریک کے روحِ رواں ہیں۔ بیسیوں کتابیں مع شروح وحواشی شائع ہو چکی ہیں۔ مصر میں مسند احمد مع شرح احمد شاکر اور تہذیب السنن علامہ ابن قیم حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ موصل میں حضرت صاحبِ تقویٰ مولانا الشیخ عبداللہ حسو اپنی توفیق کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں بعض غیر اہم مسائل اور بعض شخصیتوں کی وجہ سے انتشار پیدا ہو گیا تھا جو بتدریج کم ہو رہا ہے اور بحمد اللہ ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ سابقہ کشمکش بالکلیہ ختم ہو جائے۔

عام جمعیتیں دفتر کے ساتھ برابر تعاون کر رہی ہیں۔ دفتر بھی انھیں مناسب مشورے دے رہا ہے۔ چند پرانی اور بڑی بڑی جماعتیں البتہ تعاون سے گریزاں ہیں۔ حقیقی اسباب کا علم تو خدائے برتر

کو ہے۔ بظاہر عدمِ احساس، جماعتی مزاج اور شعور کی کمی کو اس میں بڑا دخل ہے۔

اس سلسلے میں یہ نامناسب نہ ہوگا کہ ملتان کی جمعیت کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ بلاشبہہ قابلِ قدر جماعت ہے۔ اس کی مالی حالت اچھی ہے۔ پچھلے سال سے یہ ایک مدرسہ بھی چلا رہی ہے۔ جماعت کے حسابات جہاں تک میرا خیال ہے، درست اور باقاعدہ ہیں۔ حضرت مولانا شرف الدین صاحب دہلوی کی تشریف آوری نے اس کے اخلاص اور عمل کو اور بھی چمکا دیا ہے۔

اس کے باوجود جمعیت نے مرکز کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ باقی جماعتیں بھی ان کی پیروی کریں گی اور بے قاعدگی و بے نظمی کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ تعاون کریں گی۔ ﴿يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ﴾ [1] ۔ جماعت سے علاحدگی مجرمانہ فعل ہے۔ جب تک صحیح شرعی نظام ملک میں قائم نہیں ہوتا، یہی جماعتی اور شورائی نظام ہے جو اس کی جگہ لے سکتا ہے بلکہ اس کی اقامت کے لیے ابتدائی کوشش تصور کیا جا سکتا ہے۔ مرکز کے ساتھ جماعتوں کی وابستگی کے بعد ہی مرکز اور برانچوں کے باہمی تعلق و تعاون کے لیے قواعد وضوابط کی صحیح تشکیل کی جا سکتی ہے۔[2]

[1] سنن الترمذي، رقم الحديث (٢١٦٧) اس حدیث کی سند میں ''سلیمان بن سفیان المدنی'' راوی ضعیف ہے، لیکن اس روایت کا پہلا حصہ "يد الله على الجماعة" ثابت ہے، دیکھیں: ظلال الجنة للألباني (ص: ٨٠، ٨١)

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۷/ جون ۱۹۵۰ء)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علماء وزعمائے اہلِ حدیث کے لیے

چند قابلِ التفات گزارشات، تعلیمی انحطاط اور اس کا مداوا

﴿إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ﴾ [الأنبياء: ١٠٦]

دینی مدارس اور ان کا نظام بلاتخصیص پاکستان میں رو بہ انحطاط ہے۔ مدارس مطلق العنان ہیں۔ عموماً ان کی موجودہ مساعی کا رخ کسی اہم دینی مقصد کی طرف نہیں۔ امسال سیالکوٹ کانفرنس کے صدرِ محترم مولانا محی الدین احمد صاحب نے اختصار کے باوجود بڑی وضاحت کے ساتھ اس پر بحث فرمائی اور انحطاط کے اہم نکات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ صدرِ محترم نے موقع و مقام کے لحاظ سے اہلِ حدیث مدارس اور ان کے مدرسین و مہتممین کو توجہ دلائی ہے، بلکہ ان جماعتوں کو جو ان مدارس کا اہتمام کر رہی ہیں، وارننگ دی ہے کہ اگر آپ حضرات نے اپنے نظامِ تعلیم کو درست نہ کیا تو وقت آپ کو مجبور کرے گا۔ اور تعجب نہیں کہ آپ کے یہ مدارس بے کار سمجھ کر نظر انداز کر دیے جائیں۔ اساتذہ اب بھی ناپید ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ طلبہ بھی آپ کو میسر نہ آ سکیں۔

تعلیم میں نظم کا فقدان:

مولانا نے فرمایا:

''جب ہم اس (نظامِ تعلیم) پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ظاہری اور باطنی انتشار کا طوفانِ عظیم نظر آتا ہے۔ ظاہری نظم تو اس لیے مفقود ہے کہ ہر مدرسہ بجائے خود ایک مستقل اور خود مختار ادارہ ہے جس کا نظم اس کے بانی یا مہتمم کے ہاتھوں میں ہے، اور کوئی ربط یا انسلاک ایک مدرسے کا دوسرے مدرسے سے نہیں۔''

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو نظر آ جائے گا کہ بڑے بڑے شہروں، قصبات اور دیہات تک

چھوٹے چھوٹے مدارس کا سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ مدارس برائے نام آزاد حکومتیں ہیں۔ نہ ان کی تعلیمات میں کوئی نظم و ربط ہے نہ کسی مدرسے کے اساتذہ اور طلبہ کا دوسرے مدارس سے کوئی تعلق اور ربط، نہ طلبہ پر کوئی پابندی۔ طالب علم جب چاہے مدرسے کو خیر باد کہہ سکتا ہے۔ کوئی قانون اسے نہیں روک سکتا۔ جب وہ دوسرے مدرسے میں جاتا ہے تو گویا وہ دوسری حکومت میں داخل ہوتا ہے اور وہ ادارہ بھی اسے اہلاً وسہلاً کہہ کر قبول کر لیتا ہے کہ درس گاہ میں ایک نفری بڑھی، مگر دونوں اس سے بے خبر ہیں کہ اس طالب علم کی آیندہ زندگی میں اس کا کیا اثر ہوگا۔ ممکن ہے وہ پورا سال انھی تبدیلیوں میں صرف کر دے۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ مدارس ضرورت کے مطابق کھولے جائیں اور ان مدارس کے باہم مراسم ہوں۔ طلبہ کا داخلہ اثنائے سال میں کسی ضرورت اور اصول کے تحت ہو۔ یہ مدارس شہری یا ضلعی جماعتوں کی صواب دید کے مطابق تعلیم کی ایک حد مقرر کریں۔ جب طالب علم اس حد تک پہنچ جائے تو پہلا مدرسہ خود اسے دوسرے مدرسے کے حوالے کر دے۔

مولانا چاہتے ہیں کہ ان مدارس کے باہم ربط کے بعد ان تمام مدارس کو مرکز اور مرکزی درس گاہ کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے۔ اس سے خود بخود نصاب میں وحدت پیدا ہوگی اور پورے ملک میں ایک نصاب رائج ہوگا۔ اپنے اپنے درجوں میں اساتذہ محنت سے کام کریں گے اور طلبہ ایک حد تک قابلیت پیدا کر سکیں گے۔

اب یہ حال ہے کہ بعض مقامات پر اساتذہ صرف بہائی، نحو میر ختم ہونے کے بعد بخاری شریف کو شروع کرا دیتے ہیں، تاکہ گرد و نواح کے دیہات میں بخاری شریف کو ختم کرنے کی تقریب منا سکیں اور سال کے اخراجات کی طرف سے بے فکر ہو جائیں۔ اور دکھا سکیں کہ سال میں کتنے فضلائے کرام نے صحیح بخاری شریف ختم کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔ ایسے ''فارغ التحصیل'' طلبہ سے کبھی معیاری قابلیت کی امید رکھنا ظاہر ہے نہایت موہوم اور غلط قسم کی امید ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

''نہ مرکز کے ساتھ کسی قسم کی وابستگی ہے۔ نصاب اپنا اپنا ہے، امتحان اپنا اپنا، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تعلیم کا کوئی معین معیار نہیں۔''

آپ کا خیال ہے کہ نصاب کی وحدت کے بعد کم از کم انتہائی جماعتوں کا امتحان مشترک ہونا چاہیے۔ قابل ممتحن سے معیاری پرچے بنوائے جائیں۔ پورے ملک میں بیک وقت نتائج شائع ہوں۔ ان امتحانات کی نگرانی ایک بورڈ کرے جس کا تمام مدارس سے یکساں تعلق ہو۔

مولانا قصوری جن دنوں ناظمِ تعلیمات تھے اُن کی مساعی سے جامعہ سلفیہ میں ایک دفعہ مختلف مدارس کا امتحان اجتماعی طور پر ہوا تھا۔ اس پر مرکزی جمعیت کا کئی ہزار روپیہ خرچ آ گیا تھا۔ بعض فروگذاشتوں کے باوجود اس میں بے حد فوائد تھے مگر اصحابِ غرض نے دوسرے سال اس کے امکانات ختم کرا دیے۔

مولانا کے علم میں ہے کہ اس ملک میں پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے مدارس میں صرف امتحانات کے سلسلے میں کتنی بے ضابطگیاں ہوتی ہیں۔ اساتذہ اور مہتمم حضرات اپنے مدرسے اور طلبہ کے لیے کس قدر منت سماجت کرتے ہیں اور بعض ممتحن حضرات اس ضمن میں کس قدر ناجائز مراعات دے کر مہتممین اور مدرسین کو کس طرح ممنون کرتے ہیں اور خود خوش ہوتے ہیں۔ اس سے امتحان کا مقصد ہی غارت ہوجاتا ہے۔ مولانا کا مقصد یہ ہے کہ امتحانات صرف علم اور قابلیت کی بنا پر ہونے چاہییں۔ اس میں کسی سفارش یا طمع کی بنا پر کسی کو کوئی رعایت نہیں ملنی چاہیے۔

ہمارے موجودہ نصاب میں حدیث بہت کم پڑھی اور پڑھائی جاتی تھی۔ سنتے ہیں صرف ربع مشکاۃ شریف پڑھایا جاتا تھا۔ باقی عرصہ تعلیم میں سارا زور فقہ، اصولِ فقہ اور منطق پر صرف ہوتا تھا۔ اب بھی تاریخ، حضری علومِ حساب، جغرافیہ، معاشیات وغیرہ صفر کے برابر ہیں، حالانکہ دورِ حاضر میں وقتی ضروریات کے لحاظ سے ان علوم کا اضافہ نہایت ناگزیر ہے۔ معلوماتِ عامہ، تاریخ، جغرافیہ اور حساب کا اضافہ قطعاً ناگزیر ہے، تاکہ دینی درس گاہ کا فارغ التحصیل زندگی کے میدانِ عمل میں اپنے آپ کو پوری طرح اہل ثابت کر سکے۔ موجودہ نظام ممکن ہے مولانا نظام الدین مغفور سہالوی کے وقت مفید ہو۔ اب تو وقت بدل چکا۔ اہلِ حدیث نے اس میں فنِ حدیث کا معتدبہ حصہ بڑھایا۔ اب ضرورت ہے کہ جدید عربی ادب، تاریخ، جغرافیہ، حساب وغیرہ کا اضافہ کیا جائے۔

یہ احساس اب عام ہو رہا ہے، یہاں تک کہ جو مدارس جمود اور قدامت پسندی میں اپنی مثال آپ ہیں وہ بھی اب نصاب میں تبدیلی کی ضرورت کو بیش از بیش محسوس کر رہے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں:

''اس انتشار سے بھی زیادہ افسوسناک اور پریشان کن وہ معاشی بحران ہے جو ہمارے معاشرے میں پیدا ہو رہا ہے اور دن بدن زیادہ خطرناک صورت اختیار کر رہا ہے۔''

کم سواد اور غیر مربوط مدارس کی پیداوار جب ان چھوٹے چھوٹے مدارس سے فارغ ہوتے ہیں تو اپنے لیے تجارت، محنت، مزدوری کی راہیں کچھ سازگار نہیں پاتے۔ تو پھر یا تو وہ بعض معمولی معمولی مسائل پر جھگڑا شروع کرتے ہیں، یا پھر الگ ایک مسجد بنانے کے بعد پڑوس کی مساجد سے نمازی اغوا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ذرا زیادہ باہمت ہوئے اور عقل کے دشمن اور دو چار سر پھرے مل گئے تو وہ شہر سے زکات جمع کر کے ایک مدرسہ جاری کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ دین کی آڑ میں معاش کے لیے تگ و دو ہوتی ہے۔ یہ حضرات پھر ہر اخلاقی انحطاط اور انتہائی بد ذوقی، بے مروتی اور شرارت کا ارتکاب کرتے ہیں، جیسے کوئی دنیا پرست اپنی دکان کے لیے کرتا ہے۔

مولانا موصوف کا کہنا یہ ہے کہ تعلیم کی ضرورت سے انکار نہیں، لیکن ضرورت یہ ہے کہ تعلیم بد اخلاقی اور باہم رنجش کا موجب نہ بنے۔ اگر تعلیم کا نتیجہ باہم اختلاف اور امت میں افتراق ہو تو اس علم سے جہالت بدرجہا بہتر ہے۔

مولانا کا منشا یہ ہے کہ دینی تعلیم کو مفید بنایا جائے اور اس میں نظم اور اخلاق کو اس طرح آمیز کیا جائے کہ یہ دین اور دنیا کی برکتوں کا موجب ہو۔ علمائے کرام کے اعمال دیکھ کر لوگوں میں یہ شوق پیدا ہو کہ ان کی اقتداء کریں۔ ہمارے موجودہ مدارس کے بعض فوائد سے انکار نہیں مگر ان مدارس کی بے ربطی اور نصاب کی ناہمواریوں نے جن عیوب کو پیدا کیا ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس لیے میں اربابِ مدارس سے پورے دردِ دل کے ساتھ اپیل کرنا چاہتا ہوں کہ موجودہ نظامِ تعلیم پر ہمدردانہ غور فرمائیں۔ خصوصاً:

- مدرسہ تعلیم الاسلام، اوڈانوالہ۔
- جامعہ محمدیہ، اوکاڑہ۔
- مدرسہ دار الحدیث محمدیہ، ملتان۔
- مدرسہ جامعہ اسلامیہ، گوجرانوالہ۔
- دار العلوم تقویۃ الاسلام غزنویہ، لاہور۔

❀ مدرسہ دارالقرآن والحدیث، لائل پور۔

❀ مدارسِ دینیہ تاندلیانوالہ۔ وغیرہ

ان مدارس کے مہتممین اور اکابر مدرسین سے گزارش ہے کہ امت کی حالت اور جماعت کی غربت پر رحم فرمائیں، اور بچوں کے مستقبل پر غور فرمانے کے لیے باہم سر جوڑ کر اصلاحِ حال کی کوشش کریں۔

سماجی برائیوں کا سدِّ باب:

سماجی برائیوں پر غور کرنے کے لیے جو کمیشن ۱۹۶۱ء میں مقرر ہوا تھا اس نے نہایت ہی تحقیق، تفتیش اور جانفشانی سے چار سال بعد اپنی تحقیقاتی رپورٹ حکومت کی خدمتِ عالیہ میں پیش کر دی ہے کہ یہ برائیاں درحقیقت برائیاں ہیں۔ اور الحمدللہ کہ حکومت نے بھی ان برائیوں کو برائیاں تسلیم کر لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ بورانیت بادنجان، بادنجان بورانی [1]

لیکن رپورٹ کرنے اور تسلیم کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا جب تک کہ ان برائیوں کے محرک اسباب کی عمومیت، عریاں تصاویر، فحش رسائل، فحش مضامین اور فحش اشتہارات وغیرہ بند نہ کیے جائیں۔ پھر ان سب کی اصلی جڑ سینما ہے جہاں چوری، ڈکیتی، زنا، شراب، اغوا اور عاشقی معشوقی وغیرہ کے جملہ اسباق عملاً پڑھائے جاتے ہیں۔ جب تک یہ محرکات بند نہ ہوں وعظ و پند کچھ فائدہ دے سکتا ہے نہ حکومت کا قانون آڑے آ سکتا ہے اور نہ عصمت فروشی، منشیات کا استعمال، رشوت ستانی اور شادی بیاہ وغیرہ میں اسراف وتبذیر اور افسروں کی بدکرداری اور اسی قسم کی دوسری برائیاں جب تک سرکاری اور نیم سرکاری حلقوں میں ختم نہ ہوں گی، ان کا انسداد نہیں ہو سکتا، کیوں کہ رشوت کے باعث اب روپے کی ریل پیل زیادہ تر اسی حلقے میں ہے۔ حرام کی کمائی ہی درحقیقت ان برائیوں کی جڑ ہوتی ہے۔ جب سرکاری اور نیم سرکاری افسران و اہلکار ان برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں تو بمجوائے "اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ" پرجا بھی راجا کے پیچھے پیچھے چلنے لگتی ہے۔

---

[1] تیس سال بعد یہ حقیقت خاقانی پر ثابت ہوئی کہ یہ بورانیت بینگن ہے اور بینگن بورانی۔

مسیحی مشنریوں کے زہریلے اثرات:

پاکستان کے تقریباً سبھی جرائد حکومت کو متنبہ کر چکے ہیں کہ اس اسلامی ملک میں جو اب تک لاکھوں غیر عیسائیوں کو عیسائی بنایا گیا ہے، اس کے نتائج صرف اسلام کے لیے ہی خطرناک نہیں ہیں بلکہ کسی وقت اکثریت و اقلیت کے انتخاب اور تقسیم کا سوال بھی پیدا ہوسکتا ہے جو اس اسلامی مملکت کے لیے مہلک نتائج کا حامل ہوگا۔ یہ صرف قیاس ہی نہیں، عالمی مشنری کونسل مذہب کی اشاعت و تشہیر کی آزادی سے فائدہ اٹھا کر جو نو آزاد ممالک میں اپنے مشنری بھیج رہی ہے ان کا مقصد ہی ان ممالک میں سیاسی اثر و رسوخ پیدا کرنا ہے۔ ورنہ دنیا جانتی ہے کہ یورپ اور امریکہ کو جب خود ہی مذہب سے کوئی دور کا تعلق بھی نہیں رہا تو ان کے خیال کے مطابق موہومہ جنت و دوزخ کے لیے دنیا کی ہمدردی کی مروڑ ان کے پیٹ میں کیوں پیدا ہونے لگی۔

تجربے نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے اسکول، ہسپتال، مشنری اور تمام خیراتی ادارے درحقیقت مذہبی نہیں بلکہ سیاسی حیثیت رکھتے ہیں۔ گذشتہ سال مدھیہ پردیش (بھارت) میں حکومتِ ہند نے غیر ملکی مشنری اداروں کی سرگرمیوں کی تحقیقات کرنے کے لیے جو کمیشن مقرر کیا تھا اس نے اپنی رپورٹ تیار کر لی ہے، مگر ہند سرکار نے امریکہ کی ناراضی کے خوف سے اس کو ابھی تک شائع نہیں کیا۔

اب جبکہ ہم پر امریکہ کا کوئی دباؤ نہیں رہا تو حکومت کو چاہیے کہ غیر ملکی مشنری پلپگی چوہوں کو جلد از جلد ملک سے نکال دے کہ یہ اسلام اور پاکستان کے لیے سخت خطرناک ہیں!

قرآن خوانی کی گرانٹ نامنظور:

محکمہ تعلیم نے گذشتہ سال پرائمری اور ہائی اسکولوں میں قرآن ناظرہ کی تدریس کے انتظامات کے لیے ایک خصوصی سکیم نافذ کی تھی کہ ہر ضلع میں دو انسپکٹر اور ایک انسپکٹرس کا تقرر کیا تھا۔ جو اساتذہ بچوں کو قرآن کریم ناظرہ پڑھا سکتے ہوں، ان کے لیے مندرجہ بالا خصوصی اسکیم کے تحت دو انسپکٹر اور ایک انسپکٹرس ہر ضلع میں مقرر کیے گئے تھے کہ ناظرہ قرآن سے بھی ناخواندہ اساتذہ کی تعلیم کا انتظام یہ انسپکٹر کریں۔ تحقیقات پر معلوم ہوا کہ پرائمری اسکولوں کے صرف نو فی صد اساتذہ قرآن ناظرہ پڑھا سکتے ہیں اور اکانوے فی صد بالکل بے بہرہ ہیں۔ یہ عوام کا حال نہیں ہے بلکہ ہماری اسلامی

جمہوریہ پاکستان جو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی حکومت ہے، اس کے پرائمری اسکولوں کے اساتذہ کا حال ہے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اس افسوسناک اطلاع پر چاہیے تو یہ تھا کہ ہماری یہ اسلامی حکومت اپنی گذشتہ غفلت پر اظہارِ ندامت کر کے ہر ضلع میں دو صد انسپکٹر اور ایک صد انسپکٹرس کا انتظام اساتذہ کو قرآن پڑھانے کا کرتی، مگر ہوا یہ کہ محکمۂ تعلیم کی طرف سے اس سال ان تین انسپکٹروں کو بھی قرآن خوانی کے انتظام سے الگ کر دیا گیا ہے کہ محکمۂ خزانہ نے تعلیمی بجٹ میں قرآن خوانی ریفریشر کورس کے لیے مطالبۂ زر کو تسلیم نہیں کیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ دیگر غیر دینی تعلیمات اور موسیقی میں باجا وغیرہ کے لیے تو کروڑوں روپیہ منظور کیا جا سکتا ہے مگر قرآنی تعلیم کے لیے خزانے کے بجٹ میں کچھ نہیں ہے۔ اسی لیے کہا جاتا تھا: پاکستان کا مطلب ہے: لا إله إلا الله؟[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۶/ اگست ۱۹۶۵ء)

دینی جماعتوں کے اتحاد کے لیے
مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کا مسلسل طریقِ کار

تمام دینی جماعتوں کے راہنماؤں سے دردمندانہ اپیل

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے انتخابی بورڈ کی کارروائی جو ''الاعتصام'' کے اگست کے شمارے میں شائع ہوچکی ہے، اس میں انتخابی بورڈ نے ایک بیان اخبارات کے لیے بغرضِ اشاعت مرتب کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ نظامِ اسلام پارٹی اور جماعتِ اسلامی نے آنے والے انتخابات میں جماعت اہلِ حدیث کو اشتراکِ عمل کی جو دعوت دی ہے انتخابی بورڈ نے ان دونوں جماعتوں کی دعوت پر ہمدردانہ غور کیا اور اپنی قدیم اور مسلسل پالیسی کے ماتحت یہ فیصلہ کیا کہ دین پسند جماعتوں کا آپس میں مل کر کام کرنا اس نازک دور میں نہایت ضروری ہے۔ اور مزید تفصیلات کے طے کرنے کے لیے صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کو مجاز گردانا گیا، وہ ان جماعتوں کے سربراہوں سے گفتگو کریں تاکہ انتخابی بورڈ آخری فیصلہ کر سکے۔

اس فیصلے کے شائع ہونے کے بعد ہمارے بعض کرم فرماؤں نے کچھ اس انداز میں تنقید کی گویا جماعت اہلِ حدیث کا یہ اقدام اسلامی تعلیمات یا اسلامی مقتضیات کے خلاف ہے، یا جماعت اہلِ حدیث کے شایانِ شان نہیں۔

ایسے تمام دوستوں کی واقفیت نیز تمام قارئین ''الاعتصام'' کے لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ ہم اس بارے میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی اس پالیسی کو جو مسلسل ۱۹۵۲ء سے چلی آرہی ہے، کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کر دیں تاکہ یہ حقیقت سب پر آشکارا ہوجائے کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث تمام لادینی طاقتوں کے مقابلے میں دینی رجحان رکھنے والی جماعتوں کے متحدہ محاذ کے لیے ساعی و کوشاں رہی ہے اور بغیر کسی امتیاز اور خصوصیت کے تمام دینی جماعتوں کو مشترک مفادِ اسلامی کے لیے دعوتِ اتحاد دیتی رہی ہے۔

اسلامی دستور کے لیے:

سب سے پہلے اسلامی دستور کے مطالبے کے لیے متحدہ محاذ پیش کرنے کی جب ضرورت محسوس ہوئی تو مرکزی جمعیت نے اس آواز پر لبیک کہا اور کراچی کے اجتماع میں جو ۱۹۵۲ء کے اوائل میں ہوا، اپنے نمائندوں کے ذریعے سے شرکت کی۔ اس اجتماع میں جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت اہلِ حدیث، جماعتِ اسلامی؛ غرض دیوبندی، اہلِ حدیث، بریلوی، شیعہ اور سنیوں کے تمام فرقوں کے مقتدر علماء نے شرکت کی اور فخر کے ساتھ یہ بات کہی جاتی رہی کہ لادینی جماعتوں کے مقابلے میں مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے علماء نے جس اتحادِ عمل اور وحدتِ فکر کا ثبوت پیش کیا ہے وہ تاریخِ اسلام کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔

تحفظِ ختمِ نبوت:

تحریک تحفظِ ختمِ نبوت جو قادیانی فتنے کے استیصال کے لیے ۱۹۵۲ء میں چلائی گئی تھی، اس میں بھی جمعیت علمائے اسلام، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت اہلِ حدیث، جماعتِ اسلامی، ادارۂ تحفظ حقوقِ شیعہ اور مجلسِ احرارِ اسلام کے مقتدر راہنماؤں نے شرکت کی۔ اس تحریک کو کامیابی کے مراحل تک پہنچانے میں مسلمانوں کے ہر مکتبِ فکر کے راہنماؤں نے شرکت کی۔ اور کبھی یہ سوال ملک کے کسی گوشے سے یا کسی دینی حلقے کی طرف سے بھی نہیں اٹھایا گیا کہ مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت میں فلاں عقیدے کا نمائندہ کیوں ہے، یا اختلافِ عقائد کی وجہ سے فلاں فلاں بزرگ کو اس میں شامل نہیں کرنا چاہیے۔

لائل پور کانفرنس:

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی سالانہ کانفرنس لائل پور میں جو سب سے اہم قرار داد منظور کی گئی تھی اور ملک کے اخبارات نے جس کا خیر مقدم کیا تھا وہ یہی تھا کہ اسلام پسند عناصر کا متحدہ محاذ قائم کیا جائے۔ یہ قرار داد بڑی مفصل تھی جو "الاعتصام" کے ۸/ اپریل ۱۹۵۵ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے۔ اس قرار داد میں پاکستان کے سیاسی، معاشی اور اخلاقی حالات کے تذکرے کے بعد یہ کہا گیا ہے:

> "ان حالات کے پیشِ نظر یہ اجلاس اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اصلاحِ احوال کے لیے یہ ضروری ہے کہ پاکستان کے تمام اسلامی عناصر اور دین کو اپنی سرگرمیوں کا محور قرار دینے

والی جماعتیں ایک ایسے پروگرام پر جمع ہوں جو ان کو اسلام کے بقا و تحفظ اور پاکستان کی سالمیت اور اسلامی ریاست بنانے کے مقصد میں کامیابی تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکے۔“

مرکزی جمعیت کے دفتر میں اجتماع:

لائل پور کانفرنس کی اس قرار داد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مرکزی جمعیت کی طرف سے مختلف دینی جماعتوں کے معزز نمائندوں کا اجتماع ۱۰/اپریل ۱۹۵۵ء کو طلب کیا گیا۔ اس اجتماع میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے اکابر کے علاوہ جمعیت علمائے اسلام کل پاکستان کے اکابر مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد متین صاحب خطیب، مولانا مطیع الحق صاحب، علامہ علاؤ الدین صاحب صدیقی، مولانا عبدالعلیم صاحب قاسمی، جماعتِ اسلامی پاکستان کے قیم میاں محمد طفیل صاحب، مولانا ملک نصر اللہ خاں عزیز، نعیم صدیقی صاحب اور میاں عبدالباری صاحب لیڈر اپوزیشن پارٹی پنجاب اسمبلی نے شرکت کی۔ مولانا ابو الحسنات صاحب صدر جمعیت علمائے پاکستان کو بھی دعوت دی گئی تھی لیکن وہ چکوال تشریف لے گئے اس لیے شریکِ اجتماع نہ ہو سکے۔

اس اجتماع میں مولانا سید محمد داود غزنوی صدر مرکزی جمعیت نے لائل پور کانفرنس کی قرار داد (جس کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے تمام مکاتبِ فکر کے راہنماؤں سے اپیل کی کہ اسلام کے اجتماعی مفاد کے تحفظ کی خاطر اپنے اختلافات کو ایک دائرے میں محدود کر کے لادینیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور الحاد و زندقہ کے بے پناہ طوفان کے مقابلے کے لیے ایک مضبوط متحدہ محاذ پیش کریں۔ حاضرین نے اس مقصد سے اتفاق کیا اور اپنے اپنے حلقۂ اثر میں اس کے لیے کام کرنے کا عہد کیا۔

راہنماؤں کا اعلان:

اس کے بعد دینی جماعتوں کے راہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان اپریل ۱۹۵۵ء میں تمام اخبارات میں شائع کیا، جس پر مولانا ابو الحسنات صدر مرکزی جمعیت علمائے پاکستان، مولانا مفتی محمد حسن صاحب صدر جمعیت علمائے اسلام کل پاکستان، مولانا سید داود غزنوی صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، مولانا امین احسن اصلاحی امیر جماعتِ اسلامی پاکستان اور دوسرے راہنماؤں کے دستخط تھے۔

اس مشترکہ اپیل میں تمام جماعتوں سے یہی استدعا کی گئی تھی کہ جو حالات اس وقت برسرِ اقتدار حکمران طبقے نے پیدا کر رکھے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ علم و اہلِ دین کے خلاف عوام میں نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر کے دلوں سے شعائرِ اسلامی کی عظمت ختم کر کے ان کی سبکی اور توہین کے لیے ذہنوں کو تیار کیا جا رہا ہے، اور مختلف دینی جماعتوں کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کر کے اسلام کی مجموعی قوت کو ختم کر کے لادینیت کے راستے پر یہ طبقہ ڈال دینا چاہتا ہے۔

مذکورہ بالا دینی جماعتوں کے اکابر نے اس اپیل میں کہا ہے کہ ہم پوری دل سوزی کے ساتھ تمام لوگوں سے استدعا کرتے ہیں کہ اپنی تمام توجہات اختلافی مسائل سے ہٹا کر اسلام کی بنیادوں کی مدافعت اور ان کے استحکام پر صرف کریں، اور اس بات کا عزمِ صمیم کر لیں کہ کم از کم اس وقت تک جب تک اِباحت پسندی اور بے دینی و الحاد کے اس طوفان کا زور ٹوٹ کر فضا معمول پر نہ آ جائے وہ اپنی توجہات فروعی اور اختلافی مسائل پر صرف کرنے کے بجائے اس حملے کی مدافعت پر صرف کریں جو دین کی بنیادوں پر کیا جا رہا ہے۔

مرکزی جمعیت کی سالانہ کانفرنس گوجرانوالہ اور سرگودھا کانفرنس کی قراردادوں میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس لیے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث اپنے مسلسل اور مربوط طریقِ کار کی بنا پر تمام دینی جماعتوں کے ساتھ اتحادِ عمل کے لیے تیار ہے۔ وہ دیوبندیوں کی جمعیت علمائے اسلام ہو یا بریلویوں کی جمعیت علمائے پاکستان، وہ جماعتِ اسلامی ہو یا مجلسِ احرارِ اسلام، سب کے ساتھ اشتراکِ عمل کر کے اباحت پسندوں اور لادینی طاقتوں کے مقابلے میں صف آرا ہونے کو تیار ہے۔ اپنے اس ناقابلِ شکست یقین کے اظہار میں ہم کوئی تامل محسوس نہیں کرتے:

> ”اگر یہ دینی جماعتیں آپس میں برسرِ پیکار رہیں تو اس کا فائدہ اس طبقے کو پہنچے گا جو عرصے سے اس ملک کو لادینی ریاست بنانا چاہتا ہے، جو اہلِ علم اور اہلِ دین کے خلاف عوام میں نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر کے ان کو مذہب سے متنفر کر رہا ہے، اور جو مختلف دینی جماعتوں کو ایک دوسرے سے دست و گریباں کر کے اسلام کی مجموعی قوت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔“

رمضان المبارک سے پہلے:

گذشتہ رمضان المبارک سے پہلے بعض مخلص مسلمانانِ لاہور نے موچی دروازے کے اندر

تمام دینی جماعتوں کے راہنماؤں کا اجتماع طلب کیا۔ اس اجتماع میں حضرت مولانا احمد علی صاحب صدر جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان، مولانا ابوالحسنات صاحب صدر جمعیت علمائے پاکستان، مولانا سید داود صاحب غزنوی صدر جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان اور جماعتِ اسلامی پاکستان کے قیم میاں محمد طفیل صاحب اور دوسرے سربرآوردہ حضرات تشریف فرما تھے۔ داعی حضرات نے تمام دینی جماعتوں کے راہنماؤں سے اپیل کی کہ انتخابات قریب آرہے ہیں۔ اگر دینی جماعتوں نے باہمی اشتراکِ عمل سے کام نہ لیا تو نتیجہ ظاہر ہے، جو طاقتیں اس وقت ہم پر مسلط ہیں ان کی گرفت اور مضبوط ہوجائے گی اور دینی اقدار کی جو مٹی پلید ہو رہی ہے وہ اپنے انتہائی نقطے کو پہنچ جائے گی۔

اس اپیل کے جواب میں سب سے پہلے مولانا احمد علی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میں اس کے لیے بالکل تیار ہوں۔ دوسری جماعتوں کے راہنماؤں نے بھی حضرت مولانا کی تائید فرمائی۔ صرف مولانا ابوالحسنات صاحب نے فرمایا کہ میں اپنی جماعت سے مشورہ کر کے بتا سکوں گا۔

بہرحال ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت مولانا احمد علی صاحب جیسا بزرگ جو جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان کے صدرِ محترم ہیں اور جن کی سرپرستی میں عزیز معاصر ''ترجمانِ اسلام'' شائع ہو رہا ہے، سب سے پہلے انتخابات کے سلسلے میں متحدہ اسلامی محاذ کی تجویز پر لبیک کہتے ہیں، وہ اسلامی متحدہ محاذ جس میں جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جماعتِ اسلامی اور جماعت اہلِ حدیث کے اکابر کی شرکت کی تجویز تھی۔

متحدہ اسلامی محاذ کے سلسلے میں واقعات کا یہ تسلسل اس لیے ہمیں بیان کرنا پڑا ہے کہ آج تک جب کبھی بھی مختلف دینی جماعتوں کے اشتراکِ عمل کا مسئلہ پیش ہوا یا اس پر عمل ہوا، سوائے مرزائی جماعت کے کبھی کسی جماعت کے متعلق یہ سوال نہیں اٹھایا گیا کہ فلاں جماعت کو شریک نہ کیا جائے اور فلاں جماعت کو شریک کیا جائے۔

شیعہ سنی اتحاد کے لیے اجتماع:

موجودہ حکومتِ مغربی پاکستان نے جب شیعہ سنی اتحاد کے لیے اپیل کی تو تمام جماعتوں کے سربراہوں اور مقتدر راہنماؤں نے اس پر دستخط کیے اور جب حکومت نے ایک کمیٹی کی تشکیل کی تو سب ہی جماعتوں کے سربراہوں نے اس میں شرکت کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ چنانچہ کمیٹی میں مولانا ابوالحسنات صاحب، مولانا احمد علی صاحب، مولانا مودودی صاحب، مولانا داود غزنوی صاحب اور دوسرے

بزرگ شانہ بشانہ بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اپنے عمل سے یہ ثابت کر رہے ہوتے ہیں کہ ہم اپنے عقائد کے اختلافات اپنی جگہ رکھتے ہوئے مشترک اور عام اسلامی مفاد کے لیے ایک جگہ جمع ہو کر اور ایک جماعت میں منسلک ہو کر کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

یہ کیا غضب ہے؟

یہ کس قدر حیرت اور استعجاب کی بات ہے کہ جس وقت حکومت ایک ایسی تجویز اسلامی فرقوں کے اتحاد کے لیے پیش کرتی ہے جس سے ری پبلکن پارٹی کی حکومت محمود، قابلِ ستائش اور مضبوط ہو اس وقت نہ جمعیت علمائے اسلام کے اکابر کو جماعتِ اسلامی کی شرکت پر اعتراض ہوتا ہے نہ بریلوی حضرات کو اہلِ حدیث اور دیوبندیوں کی شرکت پر اعتراض ہوتا ہے، اور جس وقت برسرِ اقتدار لا دینی عناصر کو شکست دینے کے لیے دینی جماعتوں کے اتحادِ عمل کی تجویز سامنے آتی ہے تو پھر ہمارے اخبارات کے صفحات اور ہمارے جلسوں کے سٹیج اور ہمارے مقررین کی سحر بیانی اس کے لیے وقف ہو جائے کہ فلاں جماعت کے ساتھ اتحادِ عمل نہیں ہوسکتا اور فلاں جماعت کے ساتھ ہم ایک جگہ بیٹھنا برداشت نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خفیہ ہاتھ کام کر رہا ہے جسے یہ منظور نہیں کہ دینی جماعتیں ایک متحدہ محاذ بنا کر لادینی طاقتوں کے مقابلے میں صف آرا ہوں۔ اس کا محبوب مشغلہ یہی ہے کہ دینی جماعتوں میں تصادم ہو اور اس تصادم سے ان کی طاقت بٹ جائے اور تصادم سے وہ خود فائدہ اٹھائے۔

دردمندانہ اپیل:

آخر میں ہم تمام دینی جماعتوں کے سربراہوں بالخصوص حضرت مولانا احمد علی صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے اس پر غور فرمائیں کہ اگر دینی جماعتوں میں یہ تصادم رہا تو یقیناً تمام دینی جماعتیں شکست کھا جائیں گی اور اس کا فائدہ لادینی جماعتوں کو ہوگا، اور یہی لا دینی عناصر پھر پوری قوت کے ساتھ حکومت کے مناصب اور عہدوں پر قابض اور مسلط ہوں گے۔ اس وقت یہ اسلامی تعلیمات کے مسخ کرنے اور دینی اقدار کے پامال کرنے اور علماء کے خلاف نفرت و حقارت پیدا کر کے ان کی زندگی کو ناکارہ بنانے میں جو جو آفتیں ڈھائیں گے اس کے تصور سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ابھی وقت ہے کہ ہم صورتِ حال کا صحیح جائزہ لیں اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے لا دینی

عناصر کو تقویت اور علماء کی تحقیر و تذلیل ہو۔ کیا آپ ایک منٹ کے لیے بھی یہ تصور کر سکتے ہیں کہ اگر دین پسند جماعتوں میں تصادم ہوا تو مسلمانوں کا وہ طبقہ جو مذہب سے پہلے ہی نا آشنا ہے یا علماء کے مذہبی جھگڑوں سے متنفر ہے وہ دونوں متصادم مذہبی گروہوں پر لعنت نہ بھیجے گا اور ری پبلکن پارٹی میں شرکت کو اور کچھ نہیں تو دنیوی مفاد کے لیے ترجیح نہ دے گا؟

بتایئے! آپ حضرات اپنے اس طرزِ عمل سے کیا ری پبلکن کی بالواسطہ امداد نہیں کریں گے؟[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۲ر ستمبر ۱۹۵۸ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اہلِ حدیث کے سیاسی موقف کا تعین

کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کا چوتھا سالانہ عظیم الشان اجلاس زیرِ صدارت علامہ خلیل بن محمد یمنی، ۱۲، ۱۳، ۱۴ر اکتوبر کو باغِ جناح گوجرانوالہ میں بڑے تزک و احتشام سے منعقد ہوا۔ مغربی پاکستان کے طول و عرض سے، پشاور سے لاہور اور لاہور سے کراچی تک کے نمائندے ہزاروں کی تعداد میں شرکت کے لیے گوجرانوالہ پہنچے ہوئے تھے۔ کانفرنس کا اجلاس بہت بڑے وسیع پنڈال میں منعقد ہوا۔ پچیس ہزار کے قریب آدمی سما سکتے تھے، لیکن شرکائے کانفرنس کی کثرت نے منتظمین کو مجبور کر دیا کہ قناتیں ہٹا دی جائیں اور شامیانوں سے باہر بھی لوگ بیٹھ کر کانفرنس میں علماء کی تقاریر اور اہم تجاویز سن سکیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ چالیس ہزار کے قریب اہلِ اشتیاق باہر سے کانفرنس میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ کانفرنس میں علمائے کرام کی مختلف موضوع پر فاضلانہ تقریروں کے علاوہ حسبِ ذیل قرار دادیں بھی منظور کی گئیں۔

جماعت اہلِ حدیث کا سیاسی موقف:

ا۔ کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ جماعت اہلِ حدیث اس ملک میں ایسے آئین کے نفاذ کی متمنی اور ساعی ہے جو کتاب و سنت پر مبنی ہو اور کسی ایسی جماعت (پارٹی) کے ساتھ تعاون نہیں کرسکتی جو کھلم کھلا لادینی ریاست اس ملک کو بنانا چاہتی ہو، یا اسلام کا نام غلط استعمال کر کے درپردہ لادینی ریاست قائم کرنے کی کوشش کر رہی ہو، اور ہر ایسی جماعت سے تعاون کرسکتی ہے جو اس موقف کی مؤید ہو۔

ب۔ جماعت اہلِ حدیث اس ملک کے انتخابی اداروں میں ایسے افراد کو منتخب کرانے کی کوشش کرے گی جو ملک میں صحیح اسلامی معاشرہ قائم کرنے اور لادینی رجحانات ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ج۔ جماعت اہلِ حدیث اس ملک کے لیے جمہوری نظامِ حکومت پسند کرتی ہے۔ اس لیے وہ کسی ایسے

نظام کی تائید نہیں کرے گی جو جمہوری اصول کے خلاف اور مستبدانہ یا آمرانہ طریقِ حکومت پر مبنی ہو۔

د۔ جماعت اہلِ حدیث اس ملک کے لیے کوئی ایسا اقتصادی اور معاشی نظام پسند نہیں کرتی جو اشترا کی اصول پر مبنی ہو، یا سرمایہ داری کی بنیادوں پر استوار ہو، بلکہ خالص اسلامی اصولِ عدل و مساوات پر مبنی ہو جس میں غریب کے حقوق کی بدرجہ اتم حفاظت ہو اور دولت مند طبقے کو کسی حالت میں غریب کے حقوق کی پامالی اور استحصال کا موقع نہ مل سکے۔

ہ۔ جماعت اہلِ حدیث کی زندگی کے اہم مقاصد میں سے ایک مقصد ہے پاکستان کے استحکام اور سالمیت کے لیے کوشش کرنا اور ہر ایسی کوشش کی مخالفت کرنا جس سے پاکستان کے استحکام اور سالمیت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو۔

و۔ اس سیاسی موقف کی حفاظت و استحکام کے لیے ضروری ہے کہ جماعت اہلِ حدیث میں یہ شعور اور احساس پیدا کیا جائے کہ وہ ملک کی آبادی کا ایک اہم حصہ ہے۔ مغربی پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں ان کی آبادی موجود ہے اور یہ کہ اس ملک میں ان کے مذہبی، سیاسی اور معاشی حقوق ہیں، اور وہ حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اپنے ووٹ کی طاقت محفوظ نہیں کر لیتی اور ہر ہر فرد کے دل میں یہ عقیدہ مضبوطی کے ساتھ نہیں قائم کر دیتی کہ وہ اپنے ووٹ کی طاقت جماعت کے فیصلے کے ماتحت استعمال کرے۔

ز۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ تمام ماتحت جماعتوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ ووٹروں کی فہرستوں کی تیاری کے وقت اپنی اپنی جگہ جماعت کی تمام بالغ آبادی (مرد و عورت) کے ووٹ بڑی مستعدی اور ہوشیاری سے بنوائیں اور کسی قسم کی سستی اور کسل کا شکار نہ ہوں۔

ح۔ یہ کانفرنس تمام جماعت کو متنبہ کرتی ہے کہ اگر اس نے اپنے اس فرض کو نہ پہچانا اور اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی اور غفلت برتی تو اس ملک میں اپنا صحیح مقام حاصل کرنے میں ناکام رہے گی اور اس کے نتیجے میں اسے ذلت اور تکالیف و مصائب کا شکار ہونا ہوگا، جسے کوئی بھی قابلِ برداشت نہیں سمجھتا۔

قومی اسمبلی کے فیصلہ طریقِ انتخاب پر ناپسندیدگی کا اظہار:

کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس پاکستان کی قومی اسمبلی کے اس فیصلے کو

ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے جو اس نے طریقِ انتخاب کے سلسلے میں کیا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں مشرقی پاکستان میں مخلوط انتخاب اور مغربی پاکستان میں جداگانہ انتخاب کا فیصلہ نہ صرف یہ کہ مضحکہ خیز ہے بلکہ افسوس ناک ہے، کیوں کہ یہ فیصلہ ایک طرف دستورِ پاکستان کے خلاف ہے، دوسری طرف پاکستان کے بنیادی نظریے اور ملک کی وحدت وسالمیت اور استحکام کے خلاف ہے۔ اس لیے یہ اجتماع قومی اسمبلی کے اس فیصلے کے خلاف پر زور احتجاج کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ اس فیصلے کو واپس لیا جائے اور جمہور کے بڑھتے ہوئے اضطراب کو دور کیا جائے۔ اگر قومی اسمبلی نے اس فیصلے کو نہ بدلا اور اپنی تجویز پر مصر رہی تو اس کے جس قدر افسوس ناک نتائج ہوں گے اس کی ذمے داری قومی اسمبلی کے اراکین پر عائد ہوگی۔

نوٹ:

اس قرارداد کو مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح نے پیش کیا۔ حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف نے اس پر یہ آئینی اعتراض پیش کیا کہ یہ قرارداد مجلسِ شوریٰ میں پیش نہیں ہوسکتی۔ مولانا محمد حنیف صاحب ندوی نے اس کی تائید کی۔

مولانا سید داود غزنوی صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث جو اس وقت کانفرنس کے اجلاس کی صدارت کر رہے تھے، انھوں نے اس آئینی اعتراض کے متعلق اپنا رولنگ یہ دیا کہ حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف نے جو آئینی اعتراض پیش کیا ہے وہ ایک حد تک صحیح ہے۔ بعض جماعتوں کے قواعد میں اس کی تصریح موجود ہے لیکن ہمارے قواعد اس بارے میں خاموش ہیں۔ اس لیے اگر کوئی رکن مرکزی مجلسِ شوریٰ میں قرارداد پیش کرنا چاہے تو میں اسے روک نہیں سکتا۔

صدرِ محترم کی رائے میں جن جماعتوں میں یہ قانون موجود ہے کہ براہِ راست کانفرنس میں قرارداد پیش نہ ہو اس میں یہ بھی مذکور ہوتا ہے کہ اگر قرارداد پیش ہونے کے بعد گر جائے تو کوئی رکن یہ نوٹس دے سکتا ہے کہ میں اس قرارداد کو کانفرنس کے کھلے اجلاس میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی صورت میں وہ قرارداد کانفرنس کے کھلے اجلاس میں پیش ہوجاتی ہے اور کانفرنس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا ہے، اس لیے یہ قرارداد کانفرنس میں پیش ہو کر جب پاس ہوگئی اور اراکینِ مجلسِ شوریٰ نے سوائے دو تین اراکین کے اس کے حق میں رائے دی تو یہ کہنا صحیح ہے کہ جماعت اہلِ حدیث کی کانفرنس نے اسے منظور کیا۔

آئین کو اسلامی بنانے کے لیے بورڈ میں اہلِ حدیث کی نمائندگی:

دستورِ پاکستان کے فیصلے کے مطابق دستورِ پاکستان کے منظور ہو جانے کے بعد ایک سال کے اندر صدر جمہوریہ پاکستان ایک بورڈ کی تشکیل کرے گا جو ملک کے موجودہ قوانین کی کتاب و سنت کی روشنی میں اصلاح کرے گا۔

کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس اس سلسلے میں یہ اعلان ضروری سمجھتا ہے کہ اس بورڈ میں جماعت اہلِ حدیث کی نمائندگی نہایت ضروری ہے، تاکہ محدثینِ کرام کے نقطۂ نگاہ کی نمائندگی ہو سکے۔ اگر صدر جمہوریہ پاکستان نے اس بورڈ کی تشکیل میں جماعت اہلِ حدیث کو جس کے حامی لاکھوں کی تعداد میں پاکستان میں موجود ہیں، نظر انداز کر دیا تو جماعت اہلِ حدیث اس بورڈ کے فیصلوں کو، اگر وہ مسلک اہلِ حدیث کے خلاف ہوئے، قبول کرنے کے لیے کسی حالت میں تیار نہ ہو گی، اگرچہ اسے کتنے ہی مصائب اس راہ میں برداشت کرنے پڑیں۔

جماعت اہلِ حدیث کی مساجد پر دھاندلی سے قبضہ کرنے والوں کی مذمت:

کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس اس صورت حال پر انتہائی تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ کئی مقامات پر جماعت اہلِ حدیث کی مساجد پر بریلوی حضرات اپنی کثرت کے بل بوتے پر غیر قانونی طور پر دھاندلی کے ذریعے سے قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مقامی پولیس افسران کی غیر قانونی سرگرمیوں کی بعض جگہ کھلی ہوئی حمایت کرتے ہیں اور بعض جگہ در پردہ دھاندلی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

یہ اجلاس حکومت مغربی پاکستان سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ جمہوریہ اسلامی پاکستان کے دستور کے مطابق ہر فرقے کے مذہبی حقوق کی حفاظت کرنے کی ذمے داری جو اس پر عائد ہوتی ہے، اسے دیانت داری کے ساتھ پورا کرے اور کسی فرقے کو صرف اس لیے کہ وہ کسی جگہ اقلیت میں ہے وہاں کی اکثریت کو اجازت نہ دے کہ وہ دھاندلی کے ساتھ اقلیت کے فرقے کی مساجد پر قبضہ کرے۔

اگر حکومت مغربی پاکستان نے اس بارے میں اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی اور اس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تو اس کی تمام تر ذمے داری حکومت پر عائد ہو گی۔

سنی علماء پر حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی مذمت:

کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کا یہ اجلاس اس متشددانہ سلوک کے خلاف پرزور صدائے احتجاج بلند کرتا ہے جو حکومت مغربی پاکستان نے سنی علماء پر مختلف قسم کی پابندیاں عائد کر کے ان کی آزادیِ تقریر، آزادیِ نقل و حرکت اور آزادیِ اجتماع کو چھین رکھا ہے۔

اس کانفرنس کی رائے میں سنی علماء کے ساتھ یہ سلوک نہ صرف غیر منصفانہ اور مستبدانہ ہے بلکہ ایک فرقے کے علماء کے ساتھ غیر مساوی سلوک کے مترادف ہے۔ اس لیے یہ کانفرنس حکومت سے پرزور مطالبہ کرتی ہے کہ سنی علماء کے ساتھ اس غیر مساوی اور متشددانہ سلوک کو بہت جلد ترک کر کے آزادیِ تقریر، آزادیِ اجتماع اور آزادیِ نقل و حرکت کا موقع بہم پہنچائے۔

دینی مدارس کے لیے مرکزی نظام کی ضرورت:

کل مغربی پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کے اس اجلاس کی یہ قطعی رائے ہے کہ تمام وہ دینی مدارس جو اس ملک کے طول و عرض میں جماعت اہلِ حدیث کے زیرِ اہتمام قائم ہیں، کہیں بھی اپنے نتائج کے لحاظ سے تسلی بخش اور جماعت کے دینی، تبلیغی اور تعلیمی مقاصد کے لیے کفیل نہیں ہو سکتے، جب تک وہ ایک نصابِ تعلیم کے مطابق ایک مرکزی نظام کے تحت منسلک ہو کر خدمت نہیں سرانجام دیتے۔

اس لیے یہ اجتماع تمام دینی مدارس کے منتظمین اور مدرسین سے استدعا کرتا ہے کہ اس بارے میں وہ انفرادی مساعی کو ترک کر کے اپنی تعلیم گاہوں کا تعلیمی نظام جلد سے جلد جماعتی نظام کے تحت لے آئیں اور مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے ساتھ اس بارے میں صدقِ دل سے تعاون کریں۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، لاہور [1]

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۱۹/اکتوبر ۵۶ء)

عائلی قوانین اور جمعیتِ اہلِ حدیث

عائلی سفارشات جمہور کی مخالفت کی وجہ سے اپنی نیند سو گئیں۔ اس وقت کی حکومت انھیں نافذ نہ کر سکی۔ فوجی انقلاب اور آرڈی نینس کے سائے میں بعض ترمیمات کے ساتھ ان کو پھر زندگی ملی۔ ہمارے ملک کی آزاد منش مستورات بلکہ مکشوفات نے صدرِ مملکت سے مل کر دین پسند طبقے اور ملک کے شرفاء کی خواہشات کے علی الرغم ملک میں انھیں نافذ کرایا اور جب تک مارشل لاء ملک پر محیط رہا، ان قوانین پر بادلِ ناخواستہ عمل ہوتا رہا۔ مارشل لاء ہٹ جانے کے بعد عائلی قوانین کا رائے عامہ سے پھر تصادم ہوا اور ملک کی سیاسی اور اقتدار کی حریف جماعتوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور یہ ان کا حق تھا، چنانچہ صوبائی اسمبلی نے ان کے واپس لینے کی سفارش کر دی اور اب بھی شاید کسی بڑے آدمی کے سہارے یہ قوانین اپنی زندگی کے دن گزار رہے ہیں، اس سہارے کی تلاش میں بھی ہماری ان بہنوں کی مساعی کا خاصا دخل ہے جن کی اصطلاح میں آزادی اور آوارگی دو مترادف اور ہم معنی لفظ ہیں۔

صنفِ نازک کے مصائب:

جہاں ان قوانین کے طریقِ نفاذ پر ہمیں جائز اعتراض ہے، وہاں عورتوں کے مصائب اور روز مرہ کے پیش آمدہ حوادث سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقتاً ہماری گھریلو زندگی میں خرابیاں ہیں۔ آوارہ مزاج اور بد کردار عورتوں کے ساتھ شریف اور پاکباز عورتیں بھی ان ناہموار حوادث کا شکار ہو رہی ہیں، ان کی دادرسی نہ کرنے کا یہ معنی ہو گا کہ گندم کے ساتھ گھن بھی پستا رہے۔ اقتدار کی حریف جماعتیں جس انداز سے تصادم کر رہی ہیں، اس سے خطرہ ہے کہ مفید اور ضروری چیزیں بھی انتقام کی نذر ہو جائیں، اور اگر ایسا ہوا تو یہ ایک سانحہ ہو گا۔

آج سے کئی سال پہلے ۱۹۳۹ء میں کاظمی بل اُس وقت کی بعض خرابیوں کی اصلاح کے لیے علماء کے مشورے سے پاس ہوا تھا، اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے ”الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة“ لکھی، اس کی بعض جزئیات میں انھوں نے فقہ شافعی، مالکی اور حنبلی سے استفادہ

فرمایا، کیونکہ فقہ حنفی ان حالات میں معاشرے کی وقتی ضرورت کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی۔

انصاف پسند علماء نے ہمیشہ امت کے مصائب کو درد مندی کی نگاہ سے دیکھا اور اگر ضرورت محسوس ہوئی تو تقلید کی پابندیوں کو توڑ کر انھوں نے وقت کی ضرورت کا ساتھ دیا۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ کی یہ کوشش اور کاظمی بل ارتداد کی کثرت کو روکنے کا ایک بنیادی اور اساسی ذریعہ تھے، اس بل کے پاس ہونے سے ملک میں ارتداد کی تعداد نفی کے برابر ہو گئی، اس وقت کی انگریزی حکومت نے بھی اسے منظور کر لیا اور یوں صلح و آشتی اور علماء کی دور اندیشی سے یہ مسئلہ ایک حد تک خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ کاظمی بل میں قاضی کے مسلمان ہونے کی شرط نہیں قبول کی گئی تھی، جس پر بعض اہلِ علم مصر تھے۔

پیشِ نظر قوانین میں بھی اقتدار سے ٹکرانے کے بجائے مناسب یہ ہے کہ اربابِ اقتدار اور ملک کے بہی خواہ معاشرے کی اصلاح اور عائلی ضرورتوں اور نقائص کے متعلق سر جوڑ کر بیٹھیں اور ان قوانین پر نظرِ ثانی کریں، مفید چیزیں لے لی جائیں اور خلافِ شریعت قوانین نظر انداز کر دیے جائیں۔

اہلِ حدیث اور ان کا مزاج:

جماعتِ اہلِ حدیث چونکہ اقتدار کی حریف نہیں۔ انگریزی اقتدار کے سوا ہم نے کسی اقتدار کے ساتھ بطورِ حریف تصادم نہیں کیا، البتہ تاریخ بتاتی ہے کہ اہلِ حدیث ہر زمانے میں ہر اقتدار کے نقاد ضرور رہے ہیں۔ اس راہ میں انھوں نے بڑی سے بڑی اذیت برداشت کر لی، لیکن تنقید سے دست بردار نہیں ہوئے۔ ائمہ حدیث نے یہ فرض اس وقت بھی ادا کیا جب اقتدار کی زمام کافی حد تک امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے ہاتھ میں تھی اور اس وقت بھی ادا کیا جب اقتدار پر قبضہ مامون اور واثق کا تھا، لیکن یہ اقتدار کے حریف کبھی نہیں بنے، بلکہ شاہی درباروں سے کہیں دور بسیرا کیا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ

مسائل پر غور کرتے وقت بھی اہلِ حدیث کا مزاج یہ ہے کہ نہ وہ اندھا دھند کسی چیز کو قبول کرتے ہیں نہ مسترد۔ مناسب یہی ہے کہ مسائلِ شرعیہ پر غور کرتے ہوئے سیاسی مصالح سے بالا ہو کر ادلۂ شرعیہ اور مصالحِ اُمت کی روشنی میں غور کیا جائے۔ انھوں نے جب ائمۂ اسلام کی تقلید کو اپنا معمول قرار نہیں دیا تو سیاسی رقابت کو ذہن میں کیوں جگہ دی جائے؟

قاضی حفیظ اللہ کا مضمون میں نے دیکھا ہے، وہ شاید کسی اخبار سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ مودودی صاحب کی خواہش تھی کہ مولانا غزنوی رحمہ اللہ کے خلاف اہلِ حدیث حضرات لکھیں۔ ہمیں اچھی

طرح معلوم ہے کہ قاضی احمد اللہ صاحب کے بعد یہ خاندان جماعتِ اسلامی سے از بس متاثر ہے اور مسلکِ اہلِ حدیث سے بہت ہٹ چکا ہے۔

منکرینِ سنت:

جماعتِ اسلامی کے اخبارات نے طعن کے طور پر فرمایا ہے کہ عائلی قوانین کی حمایت منکرینِ سنت پرویزی کر رہے ہیں یا اہلِ حدیث۔ یہ طعن انصاف پسندی پر مبنی نہیں۔ منکرینِ سنت قریباً ان قوانین کی پوری کھیپ کو مانتے ہیں، جبکہ اہلِ حدیث نے ان میں سے صرف چند اشیاء کو پسند کیا ہے اور وہ بھی من وعن نہیں، ان میں بھی ہنوز ترمیم کی ضرورت ہے۔ یہی مسلکِ اہلِ حدیث کا مزاج ہے۔ وہ فرعی مسائل میں وہی چیزیں قبول کرتے ہیں جو سنت کے مطابق ہوں اور اَوفق بالمصالح۔

جمعیتِ اہلِ حدیث کی قرار داد:

اس ضمن میں جو مضمون مولانا غزنوی کے قلم سے شائع ہوا ہے وہ جمعیت کی ایک قرار داد کا نتیجہ ہے۔ قرار داد میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ علماء کا ایک بورڈ عائلی قوانین پر غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس قرار داد پر بعض معزز رفقاء نے قانونی بحث کی ہے اور ظاہر فرمایا ہے کہ اس قرار داد کی قانونی نوک پلک درست نہیں۔ جہاں تک میرا خیال ہے، اگر یہ درست ہے تو اس پر بحث عاملہ یا شوریٰ میں ہونی چاہیے، اخبار کے صفحات اس کے لیے موزوں مقام نہیں۔ اچھی اچھی مجالس میں دیکھا گیا ہے، انتہائی کوشش کے باوجود قانونی خامیاں رہ جاتی ہیں، اس کا اصل علاج رفقاء کا اعتماد ہے، اس باہمی اعتماد ہی کی بنا پر جماعتی نظم ونسق کا سفر اپنی آخری حدود تک جاری رہ سکتا ہے۔ بورڈ کی میٹنگ کئی گھنٹے ہوتی رہی اور پیشِ نظر مسئلے کے مختلف پہلو تھے جن پر غور کیا گیا اور اصحابِ فکر نے اپنے افکار سے مستفید فرمایا۔

جہاں تک میرا حافظہ میری مدد کرتا ہے، بورڈ اس امر پر متفق تھا کہ ہماری راہ ان جماعتوں سے مختلف ہونی چاہیے جو حکومت کے ساتھ اقتدار کی حریف ہیں۔ ہمارے غور کا انداز سیاسی نہیں بلکہ علمی ہونا چاہیے۔ رجسٹریشن کے متعلق قریباً سب کا اتفاق تھا کہ اس میں کوئی خطرہ ہو تو اس کی ممکن اصلاح کے بعد رجسٹریشن کو قبول کر لینا چاہیے۔ تعددِ ازواج پر پابندی کے متعلق آرا مختلف تھیں۔ بعض احباب معاشرے کی بے اعتدالیوں کو دیکھتے ہوئے اس حق میں تھے کہ پابندی عائد ہو جائے اور عورت کی مظلومت کا تھوڑا بہت جو علاج ہو سکے، ہو جانا چاہیے۔ زیادہ تر یہی رجحان تھا، لیکن بعض حضرات

زیادہ دور اندیشی سے کام لے رہے تھے، ان کا خیال تھا کہ موجودہ برسرِ اقتدار طبقے پر دین کے معاملے میں اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ان کے توسط سے کوئی پابندی عائد نہیں ہونی چاہیے۔ اربابِ اقتدار اسے حسبِ عادت غلط استعمال کریں گے، اس کے علاوہ یہ طبقہ اسلام اور اس کی حدود سے قطعی نا آشنا ہے اور مطلق جاہل۔ طلاق کے اثر کے لیے نوے دن کی قید لگا کر ان حضرات نے مضحکہ خیز لاعلمی کا ثبوت دیا ہے، اس لیے ایسے اربابِ اقتدار کو دین کے متعلق کوئی اختیار تفویض نہیں ہونا چاہیے۔ یہ خطرہ کافی حد تک ہے بھی صحیح، لیکن خطرہ کہاں نہیں؟ سیاسیات، معاشیات، معاشرتی امور میں اربابِ اقتدار کی لاعلمی، بے اعتنائی خرابی کا موجب ہو رہی ہے۔ جب اقتدار ہے تو وہ اچھا یا برا اپنا کام کرے گا اور موجود حالات میں بہ مجبوری اقتدار کا واسطہ لینا ہی پڑے گا، اس لیے جو ملتا ہے لے لینا چاہیے اور باقی کے لیے کوشش جاری رہنی چاہیے۔

غرض بورڈ کے ممبر تعددِ ازواج کی خرابیوں پر متفق تھے، اس کی اصلاح کے لیے اگر کچھ قیود عائد کی جائیں تو وہ اس کو بھی مانتے تھے، یعنی بیماری بھی نظر میں تھی اور اس کے علاج کی ضرورت بھی محسوس ہو رہی تھی۔ اختلاف اس میں تھا کہ طبیب کون ہو؟ موجودہ اقتدار کی معالجانہ حیثیت سب کے نزدیک مشتبہ یا مشکوک ہے، بلکہ یہ لوگ یقینی طور پر اس کے اہل نہیں، لیکن بورڈ کی اکثریت کی رائے یہ تھی کہ جب دوسرا بہتر طبیب موجود نہیں تو جو موجود ہے، اس سے بقدرِ ضرورت فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔

قرار داد کن راہوں سے آئی؟ اس کی آئینی حیثیت کیا ہے؟ اس پر بحث کی جا سکتی ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس قرار داد کی روشنی میں بورڈ بنا، پھر دفتر کی دعوت پر یہ سب حضرات جمع ہوئے اور طویل غور وفکر کے بعد بورڈ کی اکثریت تعددِ ازواج پر پابندی کے حق میں تھی۔ مسائل کے متعلق ووٹنگ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اگر کوئی مسئلہ بالاتفاق طے ہو جائے تو اس کے متعلق بھی دیانتداری سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں کسی کو پابند کرنا درست نہیں، اس لیے اس پر ووٹ نہ ہوئے، لیکن بورڈ کی اکثریت پابندی کے حق میں تھی اور چونکہ ابھی کچھ مباحث باقی تھے، اس لیے ان پر بحث آئندہ میٹنگ تک ملتوی کر دی گئی۔ بعد ازاں مولانا غزنوی علیل ہو گئے اور بورڈ کی میٹنگ نہ بلائی جا سکی۔ مولانا نے اچھا کیا، اپنی طرف سے بیان دے دیا، اس کے بعد بہتر تھا کہ بیان بازی کا سلسلہ شروع نہ ہوتا۔

مولانا عطاء اللہ صاحب:

عائلی قوانین کے متعلق مولانا عطاء اللہ صاحب نے یہ پوزیشن اختیار فرمائی کہ عائلی قوانین کو

بعض دوسری جماعتوں کی طرح کلیتاً مسترد کر دیا جائے اور اس سے کوئی چیز قبول نہ کی جائے۔ مولانا موجودہ اربابِ اقتدار سے بالکل مایوس تھے، وہ ان کی اصلاحات کو جزوی طور پر بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ خطرہ یقیناً ہر دین پسند ذہن میں پایا جاتا ہے۔ ہماری رائے تھی کہ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ" پر عمل کیا جائے۔ اس میں کسی پر کوئی ملامت نہیں کی جا سکتی۔ ہر آدمی کے سوچنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، وہ اسی طرح سوچتا ہے۔ ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَاَهْدٰى سَبِيْلًا﴾ [بني إسرائيل: ٨٤]

مولانا ایک اور سبب سے بھی مجبور تھے، جس کا تذکرہ انھوں نے اپنے بیان میں فرمایا ہے۔ عائلی قوانین کے نفاذ کے بعد مولانا مودودی صاحب نے مختلف علماء کی ایک میٹنگ بلائی، تاکہ اجتماعی طور پر سوچا جائے۔ مولانا غزنوی سفر سے آئے تھے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے نہ جا سکے، انھوں نے مولانا عطاء اللہ صاحب کو بھیج دیا۔ اب یہاں دونوں حضرات کو مغالطہ ہوا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب یہ سمجھے کہ میری حیثیت نمایندے کی ہے، اس لیے انھوں نے وہاں دستخط فرماتے ہوئے صدر جمعیت اہلِ حدیث لاہور ارقام فرمایا۔ حضرت الامیر کا خیال ہے کہ مولانا کو حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ دل کا حال تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، لیکن بظاہر یہ اجتہادی غلطی ہے جس کا سبب ایک دوسرے پر اعتماد ہے۔ نہ مولانا نے مولوی عطاء اللہ صاحب کے حدودِ عمل کا تذکرہ فرمایا نہ مولانا عطاء اللہ صاحب نے اپنے موقف کی وضاحت فرمائی۔

میری ناقص رائے یہ ہے کہ صورتِ حال کچھ بھی ہو، مولانا عطاء اللہ صاحب نے جیسے فرمایا ہے کہ معاملہ پالیسی کا ہے۔ اگر یہ درست ہے تو دستخط کرنے سے پہلے نہ صرف حضرت الامیر سے استصواب ضروری تھا، بلکہ دوسرے رفقاء سے مشورہ بھی ضروری تھا۔ غیر مشروط تصدیق ہمارے جماعتی مزاج کے خلاف ہے۔ ہم موجوہ نظامِ حکومت کے نقاد ہیں، سیاسی حریف نہیں۔ ہمارا موقف سیاسی سے زیادہ دینی ہے۔ ہماری سیاست بحمد اللہ دین کے تابع ہے۔ دستخط کرنے کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب یہی راہ اختیار فرما سکتے تھے جو انھوں نے اختیار فرمائی، اس لیے کہ وہ رفقاء سے پہلے اپنا موقف متعین فرما چکے تھے، تاہم یہ ایسا موقف تھا جس پر باقی ساتھی ان کا ساتھ نہ دے سکے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب کے لہجے میں تکدر اور ناراضی کی بو نہ ہوتی تو ان چند حروف کے لکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

تعجب ہے ایک طرف تو مولانا عطاء اللہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ عائلی قوانین کے متعلق

جمعیت اہلِ حدیث نے کوئی پالیسی طے نہیں کی، دوسری طرف اس کی تنسیخ کے مسودے پر غیر مشروط دستخط کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی اپنا سرکاری عہدہ (یعنی صدر جمعیت اہلِ حدیث شہر لاہور) تحریر فرماتے ہیں۔

اس کے برعکس مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی کا طرزِ عمل ملاحظہ ہو کہ باوجودیکہ بورڈ کی اکثریت ان سے متفق تھی، لیکن انھوں نے اپنے نام سے مضمون شائع کیا اور اپنی سرکاری حیثیت استعمال نہیں فرمائی۔

صحیح طریقِ کار:

اب بھی مناسب یہ ہے کہ حکومت ان قوانین میں یا تو ترمیم کر دے یا انھیں من وعن واپس لے لے اور مستند علماء کو جمع کر کے معاملہ ان کے سپرد کر دے، اور چند وکلاء یا معاملہ فہم حضرات کو ان کے ساتھ کر دے اور ان کی سفارشات افہام وتفہیم کے بعد قبول کر لی جائیں۔ ایسے معاملات میں خود پسندی اور استکبار نہ حکومت کے لیے مفید ہے، نہ علماء اور اصحابِ فکر کے لیے۔

اصل مسئلہ:

رہا اصل مسئلہ تو اس پر بہر حال غور کرنا ہوگا، اس راہ میں عدل کو قائم رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے تفسیر سورت بقرہ (ص: ۵۰۷) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد، جو کتابیات کے ساتھ نکاح سے روکنے کے متعلق ہے، قریباً تین اسانید سے ذکر فرمایا ہے اور ان میں سے ایک سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تفسیری اور اخباری اسانید ائمۂ حدیث کے پائے کی نہیں ہو سکتیں۔ اسانید کی نوعیت کچھ بھی ہو، واقعہ ہوا ہے۔ حضرت حذیفہ اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما نے بھی کسی کتابیہ سے نکاح کیا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں بزرگوں کے متعلق اطلاع ملی، آپ رضی اللہ عنہ سخت ناراض ہوئے اور حکم دیا کہ یہ عورتیں ان سے علاحدہ کر دی جائیں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ اگر یہ عادت چل نکلی تو مسلمان لڑکیوں کے لیے دقت پیدا ہو جائے گی۔ حافظ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وَإِنَّمَا كَرِهَ لِطَلْحَةَ وَحُذَيْفَةَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ نِكَاحَ الْيَهُوْدِيَّةِ وَالنَّصْرَانِيَّةِ حَذَرًا مِنْ أَنْ يَّقْتَدِيَ بِهِمَا النَّاسُ فِيْ ذٰلِكَ فَيَزْهَدُوْا فِي الْمُسْلِمَاتِ أَوْ لِغَيْرِ ذٰلِكَ مِنَ الْمَعَانِيْ فَأَمَرَهُمَا بِتَخْلِيَتِهِمَا" (تفسیر ابن جریر: ۲/ ۲۲۲)

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے کتابیہ کے ساتھ نکاح سے اس لیے روکا تھا کہ مسلمان ان کی اقتداء میں اگر کتابیات کے ساتھ نکاح شروع کر دیں تو مسلمان عورتوں سے بے رغبتی ہو جائے گی، یا کسی دوسرے سبب سے آپ نے انھیں روکا اور کتابیات کو الگ کرنے کا حکم دیا۔''

اس کے بعد حضرت شقیق رحمہ اللہ سے باسند نقل فرمایا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہودیہ سے نکاح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علاحدگی کا حکم دے دیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا یہ نکاح حرام ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حرام نہیں، میں چاہتا ہوں کہ تم ان کے بجائے مسلمان عورتوں سے نکاح کرو۔

اس کے بعد ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"هٰذَا الْخَبَرُ، وَإِنْ كَانَ فِيْ إِسْنَادِهِ مَا فِيْهِ، فَالْقَوْلُ لِإِجْمَاعِ الْجَمِيْعِ عَلٰى صِحَّةِ الْقَوْلِ بِهِ أَوْلٰى مِنْ خَبَرِ عَبْدِ الْحَمِيْدِ بْنِ بَهْرَام" (تفسير ابن جرير: ٢/ ٢٣٢)

''اس حدیث کی سند میں گو ضعف ہے، لیکن اجماع اس پر ہے کہ کتابیات سے نکاح درست ہے، لیکن یہ نہیں ہونا چاہیے کہ کتابیات کو مسلمان عورتوں پر ترجیح دی جائے۔''

اسناد کے مباحث اپنی جگہ، لیکن یہ واقعہ ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہو جو بعض روایات میں مذکور ہے یا اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو، بہر کیف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حلال سمجھتے ہوئے اس میں مداخلت فرمائی اور اس سے روکا۔

سوید بن غفلہ، ابو حنظلہ مکی اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی لڑکی کے ساتھ نکاح کا ارادہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس کی اجازت نہیں۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری لختِ جگر ہے، اس کی ایذاء میری ایذاء ہے۔
(مستدرك حاكم: ٣/ ١٥٨)

بعض روایات میں اس طرح آیا ہے: «لَا أُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ» (میں حلال کو حرام نہیں کرتا) لیکن اللہ کے رسول کی لڑکی اللہ کے رسول کے دشمن کی لڑکی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی، اس حدیث سے دوسرے نکاح میں رکاوٹ سمجھ میں آتی ہے۔ حلال بھی سمجھا، لیکن اجازت مرحمت نہیں فرمائی۔ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور معاملہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا ہے۔ خواہش مند حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، مگر اجازت نہیں ملی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر دوسری شادی کا خیال نہیں فرمایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد کئی نکاح کیے اور اولاد بھی ہوئی۔

حکومت کے اختیارات:

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کسی جائز اور مباح امر کو بعض مقاصد یا مصالح کی بنا پر حکومت روک سکتی ہے یا نہیں؟ یہ دراصل آئینی یا نظریاتی بحث ہے۔ آئینی جماعتیں ان نظریات پر بحث کر سکتی ہیں، لیکن عملاً اس چیز کا کوئی اثر نہیں۔ بااختیار لوگ اپنا کام کرتے ہیں اور نظریات پر بحث ہوتی رہتی ہے۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ موجودہ اربابِ اقتدار واقعی اس کے اہل نہیں کہ ان پر دین کے معاملے میں اعتماد کیا جائے، لیکن مسئلے کی صورت میں یہی مناسب ہے کہ معاشرے کی بے اعتدالیوں کو ختم کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ اصلاحات کو بروئے کار لایا جائے، تاکہ اس مظلوم طبقے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ انصاف ہو سکے۔ بنابریں ہمارے خیال میں حکومت کی بے اعتدالیوں پر تنقید کے ساتھ ساتھ ''یکے بگیر دو دیگرے را دعویٰ کن''[1] کے مطابق عمل مفید رہے گا۔[2]

---

[1] ایک کو پکڑ لے اور دوسرے کے خلاف دعویٰ کر۔

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۰؍ ستمبر ۱۹۶۳ء)

بنیادی حقوق کی کمیٹی کے متعلق

جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کی قرار داد

جمعیت اہلِ حدیث پاکستان، بنیادی حقوق کی کمیٹی اور بنیادی اصول کی کمیٹی کی ان رپورٹوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جو اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں، اپنی اس رائے کا اظہار کرتی ہے کہ ان کمیٹیوں نے پاکستان کے دستور کی ترتیب کے لیے جو سفارشات کی ہیں، وہ ان وعدوں، اعلانوں اور فیصلوں پر پوری نہیں اُترتیں جو اس وقت تک قومی راہنماؤں اور حکومتِ پاکستان کے وزراء اور ترجمانوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً ملک و ملت کے ساتھ کیے گئے ہیں۔ علی الخصوص ان میں اس قرار دادِ مقاصد کو بڑی حد تک بالائے طاق رکھا گیا ہے جو دستور ساز اسمبلی نے ۱۲/ مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور کی تھی، مثلاً:

1. بنیادی اصولوں کی کمیٹی نے اس امر کی کوئی صراحت نہیں کی کہ ریاستِ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہو گی۔
2. قرار دادِ مقاصد کو پاکستان کے آیندہ دستور میں اساسی حیثیت دینے کی سفارش نہیں کی گئی ہے، بلکہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ ریاست کی بنیادی پالیسی کے لیے قرار دادِ مقاصد مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی راہنمائی کرے گی، بشرطیکہ وہ دستور کے متعین کردہ بنیادی حقوق کے لیے مضرت رساں نہ ہو۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ کمیٹی کے نزدیک اسلام کے اصول اور پاکستان کے بنیادی حقوق دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں میں تصادم کی صورت میں قرار دادِ مقاصد کو نظر انداز کیا جائے گا اور قرار دادِ مقاصد کے تقاضے مضر بھی ہو سکتے ہیں۔
3. کمیٹی کی سفارشوں میں اس امر کا کوئی نشان نہیں ملتا کہ پاکستان کی ریاست کے دستور اور قانون کے لیے کتاب و سنت معیارِ رد و قبول ہوں گے۔
4. کمیٹی نے صدرِ ریاست، مرکزی وزراء، صوبائی گورنروں اور صوبائی وزراء اور مرکزی اور

صوبائی مجالس کے ارکان کو وہ حقوق اور اختیارات دیے ہیں جو مساوات، حریت، عدل، جمہوریت کے خلاف اور اسلامی روح کے منافی ہے اور مرکزی حکومت کو جو غیر معمولی اختیارات دیے گئے ہیں، ان سے ریاستِ پاکستان کے فسطائی بن جانے اور صوبائی خودمختاری کے ختم ہوجانے کا قطعی امکان ہے۔

5 ایک طرف اربابِ اختیار و حکومت کو اتنے وسیع اختیارات اور حقوق دیے ہیں جس کی مثال اسلامی حکومت تو درکنار کسی غیر اسلامی جمہوری حکومت میں بھی نہیں ملتی، اور دوسری طرف عام شہریوں کے حقوق کو نہایت بُری طرح سلب کرنے کی کوشش کی گئی ہے جسے اسلامی آئین میں کسی وقت میں بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا، لہٰذا جمعیت اہلِ حدیث پاکستان حکومتِ پاکستان کو آگاہ کرتی ہے کہ پاکستانی عوام کسی ایسے دستور کو قبول نہیں کریں گے جسے علمائے اسلام اور ماہرینِ قانونِ اسلامی کی مکمل تائید و تصدیق حاصل نہ ہو۔

6 اسلامی تعلیمات میں شوریٰ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اراکینِ حکومت کو یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ شوریٰ کی روح کو نظر انداز کریں، لیکن موجود سفارشات میں شوریٰ کی اہمیت کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

7 نیز دستور میں اس امر کی وضاحت ہونا چاہیے کہ ملاحدہ و مرتدین کے شہری حقوق کی نوعیت کیا ہو گی؟ کیا انھیں تبلیغ و اشاعت کی اجازت ہو گی اور انھیں موقع دیا جائے گا کہ اسلامی معاشرے میں بے دینی پھیلاتے رہیں، یا ان کی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندیاں عائد کی جائیں گی؟

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۰/ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

پنجاب کے انتخابات کے متعلق

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی اہم قرارداد

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کا ایک اہم اجلاس مورخہ ۲۸ر جنوری ۵۱ء کو گوجرانوالہ میں منعقد ہوا اور پیش آیند انتخابات کے سلسلے میں مندرجہ ذیل تصریحات پر مشتمل قرارداد پاس ہوئی۔ اُمید ہے کہ تمام اہلِ حدیث عموماً اور ملحقہ جمعیتیں خصوصاً اس کی روشنی میں اپنے اقدام کا فیصلہ کریں گی اور اپنے حلقہ ہائے اثر میں ان کی تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھیں گی:

1. جمعیت اہلِ حدیث کسی خاص سیاسی دھڑے کی موافقت یا مخالفت کی حامی نہیں ہے، اس کے سامنے صرف یہ اصول ہے کہ ہمارا نمایندہ ایسا شخص ہونا چاہیے جو دستوری و آئینی سوجھ بوجھ کے ساتھ ساتھ نیک اور صالح بھی ہو۔
2. جمعیت موجودہ سیاسی قیادت کو قطعی نااہل سمجھتی ہے اور یہ رائے رکھتی ہے کہ اس کے سوچنے کا جو انداز ہے اس سے ملک میں دینی نظام کے قیام اور قراردادِ مقاصد کی تکمیل کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔
3. جمعیت دستوری سفارشات کو اسلامی مقاصد کے قطعی منافی سمجھتی ہے اور ان کے مرتبین کی صلاحیتوں سے قطعی اُمید نہیں رکھتی کہ وہ کسی بہتر دینی دستور کی ترتیب میں کامیاب ہوسکیں گے، إلا أن يشاء الله، اس لیے جمعیت کی یہ قدرتی خواہش ہے کہ اس قیادت کو آئینی و دستوری طریقوں سے بدلنا چاہیے۔
4. جمعیت کی نظر میں دیانت داری و سیرت وعمل کی پاکیزگی بے حد ضروری ہے۔ اس لیے اس کی قطعی رائے ہے کہ برائے نام اہلِ حدیث نمایندے کے مقابلے میں، جس کی عملی زندگی تسلی بخش نہ ہو، اس غیر اہلِ حدیث نمایندے کو ترجیح دی جائے گی جو صالح اور متدین ہو۔

5 جو لوگ بلیک مارکیٹ اور لوٹ مار وغیرہ ایسی بے اعتدالیوں کے مرتکب ہو چکے ہیں، ان کا تعلق چاہے کسی پارٹی سے ہو، جمعیت انھیں اپنے تعاون کا بہر حال مستحق نہیں سمجھتی۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۲؍فروری ۱۹۵۱ء)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شوریٰ اور عاملہ کے فرائض

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی تاسیس کے وقت آئینی طور پر فیصلہ کیا گیا تھا کہ جماعت کا نظام شورائی ہوگا۔ نظام کی تشکیل اس طرح ہوئی تھی کہ اصل قوتِ حاکمہ مجلسِ شوریٰ ہوگی۔ عاملہ اور کابینہ نظام کو شوریٰ کی ہدایت کے ماتحت چلائے گی۔ آیت: ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ اور آیت: ﴿ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ﴾ کا یہی مفاد ہے۔ چنانچہ ۱۹۴۸ء سے جمعیت کا نظام اسی نہج پر چلتا رہا۔ شوریٰ کے فیصلوں کو پورا نظام عملی صورت میں نافذ کرتا رہا۔ وقتی معاملات کے لیے کابینہ کی تشکیل عمل میں آئی۔ ناظمین طے شدہ پروگرام کو اپنی صوابدید کے مطابق چلاتے رہے۔ جب کسی اہم مسئلے میں تبدیلی کی ضرورت ہوئی، اسے شوریٰ میں پیش کر کے منظوری حاصل کی، چنانچہ صدر کے بجائے امیر کا لفظ شوریٰ ہی کے فیصلے کی روشنی میں طے کیا گیا۔

حرفِ شکایت:

شوریٰ اور عاملہ کے اجلاس اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ ان دونوں مجالس میں جن خطوط پر معاملات طے ہوتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے محترم اراکین بڑے اہم معاملات اور جوہری مباحث کو وقتی طور پر سوچتے ہیں، اس لیے وہ دور رس فیصلے نہیں کر سکتے، نہ اجلاس کے علاوہ جماعت کی بہتری کے لیے سوچنے کی کوشش ہی فرماتے ہیں۔ جماعت کے مالیات، تبلیغ، نشر و اشاعت کے لیے مفید تجاوز پر اراکینِ شوریٰ کو ہمیشہ سوچتے رہنا چاہیے اور افکار کی بابت دفتر یا ذمہ دار حضرات کو اطلاع دیتے رہنا چاہیے، تاکہ ان سے مفید نتائج اخذ کیے جاسکیں۔ شوریٰ کے اجلاس سے پہلے ایسی تجاویز دفتر میں آنی چاہییں جن پر اجلاس میں غور کیا جاسکے۔

افواہیں:

ہر جماعت میں دور اندیش رفقاء بھی موجود ہوتے ہیں اور سادہ دل حضرات بھی جو ہر افواہ

سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ مرجف اور شرارت پسند غلط افواہیں پھیلا کر جماعت میں تفریق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ساتھیوں میں بددلی پھیلے اور نظام میں ابتری رونما ہوجائے۔ اس لیے افواہوں پر توجہ ہی نہیں دینی چاہیے۔ بوقتِ ضرورت ذمہ دار رفقاء کی طرف توجہ دینا چاہیے، تاکہ معاملے کی حقیقت ظاہر ہوجائے، بدگمانی کی راہیں بند ہوں۔

گذشتہ ایام میں یہ افواہ پھیلی کہ مرکزی جمعیت کا نظام غیر شرعی ہے۔ بہت سے سادہ لوح اور نیک دل حضرات اس افواہ سے متاثر ہوئے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ بحمد اللہ سیکڑوں اہلِ علم اس نظام سے وابستہ ہیں جو دینی امور میں کافی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ وہ لوگ دین کا شعور رکھتے ہوئے کیسے لا دینی نظام سے وابستہ ہو گئے؟ آل انڈیا اہلِ حدیث کا نظام قریباً پون صدی سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جماعت کے مقتدر اہلِ علم اس میں شامل ہو کر دینی خدمت سرانجام دیتے رہے۔ کبھی اس کے خلاف ایک حرف ان کی زبان سے نہیں نکلا، بلکہ یہ شورائی نظام انھوں نے پوری تحقیق کے بعد خود مرتب فرمایا۔

حال ہی میں ہندوستان کے مقتدر اہلِ علم نے آل انڈیا اہلِ حدیث کے نظام پر نظرِ ثانی فرما کر از سرِ نو اسے شورائی لائنوں پر ترتیب دے کر شائع کیا۔ علمائے حجاز کے مستند عالم شیخ عبدالقادر شیبۃ الحمد (پروفیسر جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ) کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں شامل ہوئے۔ مرکزی جمعیت کے سالانہ اجلاس سیالکوٹ میں شیخ عطیہ محمد سالم (پروفیسر مدینہ یونیورسٹی) شامل ہوئے۔ ان حضرات کو غیر شرعی نظام میں شامل ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ ایسی افواہیں محض تخریبی اذہان کی پیداوار ہیں۔ مخلص رفقاء کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے، تاکہ مرجف حضرات جماعت میں خلفشار نہ پیدا کرسکیں۔

مرکزی جمعیت کے اراکین متدین ہیں اور سنت سے مخلصانہ محبت رکھتے ہیں۔ نظامِ جماعت کے ساتھ ان کا کوئی ذاتی مفاد متعلق نہیں۔ نظام میں اگر کوئی تبدیلی ہوجائے تو بھی ان کو خدمت کے وہی مواقع میسر آسکتے ہیں جو اب میسر ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ خواہ مخواہ غیر شرعی نظام پر اصرار کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مرکزی نظام فی الواقع شریعت کی ہدایات کے مطابق ہے۔ جن حضرات کو شبہہ ہے انھیں خود تحقیق کرنا چاہیے، اہلِ علم سے دریافت کرنا چاہیے۔ جہاں تک حقیقتِ حال کا تعلق ہے وہ شرعی نظام کی تعریف کو خود غلط سمجھ رہے ہیں!

دستور میں ترمیم:

دستور خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوتا۔ اربابِ حل وعقد اسے شرعی ہدایات اور راہنما اصولوں کی روشنی میں مرتب فرماتے ہیں۔ اور تجربے کے بعد اس میں ترمیم کی راہیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں تاکہ وہ ضرورت و وقت کے لحاظ سے کارآمد ہو سکے۔ مرکزی جمعیت کا دستور ۱۹۵۵ء میں شوریٰ نے پاس کیا اور شائع ہوا۔ قریباً تیرہ سال تک اس پر عمل ہوتا رہا۔ بوقتِ ضرورت اس میں ترامیم ہوتی رہیں۔ اب تجربے کے بعد ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں دستوری ترامیم کی جائیں۔ عاملہ نے اس کے لیے دو کمیٹیاں ترتیب دیں۔ ایک کمیٹی جو دستوری ترامیم کرے، دوسری کمیٹی جو شرعی نقائص پر غور کرے۔ ہم پورے یقین کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ موجودہ دستور شریعت کے خلاف نہیں، تاہم ہم نے ایک کمیٹی اس کی شرعی حیثیت پر غور کرنے کے لیے بھی بنائی ہے۔ اراکین کو دستور کی کاپیاں ان میں کاغذ لگوا کر بھیج دیں، پھر ان تمام حضرات کو مکرر یاد دہانی کرائی گئی۔ اب عنقریب شوریٰ کا اجلاس ہونے والا ہے۔ امید ہے تمام ذمہ دار حضرات دستوری شرعی ترامیم فرما کر دستور کی تکمیل میں ہماری مدد کریں گے۔ گو دستور میں ترمیم کی راہ ہمیشہ کھلی ہے تاہم اس کے بعد نہ اعتراض کا حق ہوگا نہ اِرجاف سے کوئی فائدہ۔ ان دونوں کمیٹیوں کے علاوہ بھی اراکین شوریٰ کے اجلاس میں تیار ہو کر آئیں گے تاکہ وہ صحیح نتائج پر پہنچ سکے۔

جماعت کی مالی حالت:

مجلسِ شوریٰ کا جہاں یہ حق ہے کہ وہ اراکین سے ان کی کارکردگی کے متعلق محاسبہ کرے، طریقِ کار پر بحث کرے، اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ کارکن رفقاء کی اقتصادی حالت کی اصلاح اور ترقی کے متعلق پورا سال اپنی مساعی کو جاری رکھے۔ جماعت کے مالی استحکام کے لیے اپنے اردگرد اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے اقتصادی حالت کو مضبوط سے مضبوط تر رکھے۔ مجھے افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ چند مخلص رفقاء کے سوا اکثر اراکینِ شوریٰ اس فرض سے غافل پائے گئے۔ شوریٰ کے اجلاس میں عموماً غیر ضروری مباحث کو گھسیٹ کر لے آتے ہیں۔

جماعت کی مالی مشکلات کیا ہیں، اسے وہ فرضِ کفایہ ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ اگر اراکینِ شوریٰ اپنی

اس ذمے داری کو صحیح طور پر پورا سال محسوس فرمائیں تو جماعت کی مالی ساکھ کبھی کمزور نہیں ہوسکتی۔ لاکھوں کی تعداد میں جماعت اطرافِ ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے خزانے میں کروڑوں روپیہ جمع رہنا چاہیے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کام کے بہت سے شعبے اس بے اعتنائی اور بے توجہی کی وجہ سے تاحال تشنہ ہیں۔ جماعت کے پاس کوئی پریس نہیں۔ ادارہ نشر و اشاعت اس وجہ سے کوئی اہم کام نہیں انجام دے سکا۔ حدیث کے تراجم، قرآن عزیز کا ترجمہ اور سلفی انداز کے حواشی بازار میں ناپید ہیں۔ غرض اس سلسلے میں ہم کوئی اہم خدمت انجام نہیں دے سکے۔ اخبار چل رہا ہے، لیکن اس کی حالت تسلی بخش نہیں۔ اخبار جماعت کی ایڈ پر چل رہا ہے۔ اگر یہ ایڈ بند ہوجائے تو اخبار کا چلنا قطعی ناممکن ہے۔

ضرورت ہے کہ ماہوار علمی رسائل جاری کیے جائیں۔ وقتی مسائل پر علمی طور پر قلم اٹھایا جائے۔ الحاد و زندقہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا ہے۔ ان کے پاس مادی وسائل کی فراوانی ہے۔ سادہ دلی سے حکومت تک ان کی پشت پناہی کر رہی ہے۔ ہمارے اراکینِ شوریٰ کا فرض ہے کہ وہ شوریٰ کے اجلاس میں مالی استحکام کی تجاویز لائیں۔ اپنے اثر و رسوخ سے خطیر رقوم ہمراہ لائیں۔ خود اور اپنے رفقاء میں بھی اس کے متعلق تحریک کریں۔ ورنہ صرف خشک بحث اور اعتراضات اور نقطہ چینی سے کوئی مسئلہ حسبِ ضرورت حل نہیں ہوتا۔

والسلام

محمد اسماعیل، گوجرانوالہ[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۶/ جنوری ۱۹۶۸ء)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے قواعد میں ترمیم واضافہ

عہدے داروں کے فرائض کی تقسیم

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے کام کی وسعت اور نظامِ جماعت کو بہتر طریق پر چلانے کے پیشِ نظر صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث نے مجلس کے گذشتہ اجلاس ۱۵ر جنوری میں یہ فرمایا:

① اخبار ''الاعتصام'' اور ادارہ ''اشاعۃ السنۃ'' کے کام کی نگرانی اور اس کے جملہ انتظامات کو بہتر طریق پر سرانجام دینے کے لیے ایک اور سیکرٹری کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہا ہوں، اس لیے مرکزی جمعیت کے عہدہ داروں میں ایک اور عہدے ''ناظمِ نشر واشاعت'' کا اضافہ ہونا چاہیے۔

② مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے کام کے پھیلاؤ اور نظامِ جماعت کے مزید استحکام کے لیے معین ناظم کی شدید ضرورت محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے لیے میں نے مولانا معین الدین لکھوی اور مولانا عبدالخالق جامعی کی خدمات حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر ان ہر دو حضرات نے اپنی مقامی مصروفیتوں کی بنا پر لاہور کی اقامت سے معذوری ظاہر کی۔ مولانا ابوحفص عثمانی سے بھی میں نے عرض کیا تھا، مگر انھوں نے بھی معذوری ظاہر کی تھی۔ اب میں پھر ان سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ جماعت کی خدمت کو ذاتی آرام پر ترجیح دیتے ہوئے اس عہدے کو قبول فرمائیں۔

③ موجودہ قواعد کے رو سے مجلسِ عاملہ ہی کے اختیار میں ہے کہ وہ ملازمین کا تقرر، تعطل، تنزل اور برطرفی کرے۔ اس دفعہ کو مشکلات کے تجربے کی بنا پر مجلسِ عاملہ کے اختیارات میں سے حذف کرنا اور سیکرٹریز کے اختیارات میں شامل کرنا ضروری ہے۔

اراکینِ مجلسِ عاملہ نے صدرِ محترم کے ارشادات کی روشنی میں فیصلہ کیا:

فیصلہ 1 سیکرٹریز کی تعداد میں ایک سیکرٹری کا اضافہ کیا جائے۔ اس کا نام ''ناظمِ نشر و اشاعت'' ہو گا۔ اخبار ''الاعتصام'' اور ادارہ ''اشاعۃ السنۃ'' و دیگر نشریاتِ جماعت ''ناظمِ نشر و اشاعت'' سے متعلق ہوں گی۔ اس عہدے کے لیے حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف کا اسمِ گرامی پیش کیا گیا۔ حاجی صاحب موصوف نے جماعت کے فیصلے کو بخوشی قبول فرمایا۔ جَزَاهُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

2 تمام ناظم حضرات اپنے اپنے شعبوں کے ذمے دار افسرِ اعلیٰ ہوں گے اور اپنے اپنے شعبوں کے ملازمین کے تقرر، تعطل اور معزولی کے مجاز ہوں گے۔

3 مالی معاملات میں مجلسِ عاملہ کے منظور کردہ بجٹ اور عام معاملات میں مجلسِ عاملہ کی طے کردہ پالیسی کے پابند ہوں گے اور اپنے شعبوں سے متعلقہ معاملات میں صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے سامنے جواب دہ ہوں گے، اس کے علاوہ انتظامی نقطۂ نگاہ سے صدرِ محترم نے یہ فیصلہ کیا کہ تینوں ناظم (ناظمِ اعلیٰ، ناظمِ مالیات، ناظمِ نشر و اشاعت) اور خود صدر جمعیت مرکزیہ کی ایک مجلس ہو گی، جس میں مجلسِ عاملہ کے دو اجلاسوں کے درمیانی عرصے میں پیش آنے والے اہم معاملات کے متعلق یہ مجلس فیصلہ کیا کرے گی۔

معزز اراکین سے استدعا:

تمام معزز اراکین و اعوان و انصارِ جماعت سے استدعا ہے کہ مرکزی دفتر کے انتظامات کو احسن طریق پر چلانے کے سلسلے میں آپ اس قدر تو ضرور امداد فرمائیں کہ خط کتابت اور استفسار کے وقت مختلف شعبہ جات کے نگرانِ اعلیٰ اور افسرِ مجاز کو مخاطب فرمایا کریں، مثلاً:

1 تمام مالی معاملات، حساب و کتاب، رسیدوں کی وصولی یا عدمِ وصولی کے متعلق ناظمِ مالیات میاں عبدالمجید صاحب کے نام سے خط کتابت کریں۔

2 اخبار ''الاعتصام'' اور ادارہ ''اشاعۃ السنۃ'' سے متعلق کوئی شکایت یا مشورہ یا استفسار ہو تو حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف کے نام سے خط کتابت کریں۔

3 مرکزی دفتر کے متعلق کوئی شکایت یا مشورہ یا استفسار ہو یا ضلعی، شہری اور ابتدائی جمعیتوں کے نظم و نسق کے متعلق کوئی مسئلہ ہو تو اس کے لیے ناظمِ اعلیٰ کے نام سے خط کتابت کریں۔

اس وقت صدرِ محترم سے ہر قسم کے معاملات کے متعلق معزز اراکین خط کتابت کر کے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان کی علالت اور ضعف و اضمحلال کی وجہ سے معزز اراکین اور تمام اعوان و انصارِ جماعت سے استدعا کروں گا کہ ازراہِ عنایت مندرجہ بالا گزارشات کو پیشِ نظر رکھیں اور ہر شعبے کے انچارج افسر، یعنی ناظمِ شعبہ سے خط کتابت فرمائیں۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۷؍ جنوری ۱۹۵۶ء)

ہمارا سالانہ قومی اجتماع اور ہمارے فرائض

متحدہ ہندوستان میں اہلِ حدیث مسلک رکھنے والے لوگوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔ ہزاروں متبحر اور جید علماء تھے۔ سیکڑوں مدارس تھے، لیکن نظم ونسق کے اعتبار سے بے حسی جمود کی حد کو پہنچی ہوئی تھی۔ بعض حساس طبائع نے نظمِ جماعت کے لیے اگر کوئی کوشش کی بھی تو ایسی رکاوٹیں درمیان میں حائل ہوگئیں کہ یہ کوششیں اخلاص اور ہمدردی کی پوری پونجی کے باوجود کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ اس دوران میں ملک تقسیم ہوگیا۔ خون کی ایک گہری اور طویل لکیر نے برصغیر کو دو حصوں میں بانٹ دیا۔ نقشۂ عالم پر پاکستان کا وجود ابھر آیا۔ اسلامیانِ ہند کی کثیر تعداد ستلج اور واہگہ کی سرحدیں عبور کر کے پاکستان کے دارالامن میں داخل ہوگئی جس میں اہلِ حدیث کے علاقے کے علاقے بھی شامل تھے۔ ان کے علاوہ بحمد اللہ پاکستان میں پہلے سے اہلِ حدیث کی معقول آبادی تھی۔

تقسیم کے نتیجے میں ہندوستان سے آئے ہوئے اور پاکستان میں پہلے سے سکونت پذیر اہلِ حدیث کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی، مگر انتشار اور بدنظمی کی سی کیفیت وہی رہی جو تقسیم سے قبل تھی، لیکن یہ کیفیت بہت جلد ختم ہوگئی۔ بعض مخلص اور دردمند حضرات کی بے لوث مساعی سے انتشار اور بدنظمی اتحاد اور تنظیم سے بدل گئی۔ یعنی جولائی ۱۹۴۸ء میں لاہور میں مغربی پاکستان کی جماعت کے مقتدر علماء اور معزز ارکان کا اجتماع بلایا گیا جس میں ''جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان'' کے نام سے نظمِ جماعت کی بنیاد رکھی گئی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ حَمْدًا كَثِيْرًا.

ابتداء میں وسائل کی کمی اور ذرائع کی قلت کے سبب ہم اپنے کام کی رفتار کو اگرچہ زیادہ وسیع نہ کر سکے مگر اس پر قانع کبھی نہیں ہوئے اور اپنی بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہے۔

اواخر مئی ۱۹۴۹ء میں ہماری پہلی کانفرنس لاہور میں ہوئی جس سے ہمارے حوصلے پہلے سے بڑھ گئے۔ ولولے جاگ اُٹھے۔ جذبات بیدار ہو گئے۔ قوتِ احساس میں اضافہ ہوا اور ہمیں اپنی صلاحیتوں کے جانچنے اور طریقِ کار کی سمتوں کو متعین کرنے کا موقع ملا۔ اور اس کے ساتھ ہم نے

محسوس کیا کہ اس زمانے میں یہ نہایت ضروری ہے کہ اپنا ایک جماعتی اخبار ہو۔ چنانچہ ''الاعتصام'' کا اجراء عمل میں لایا گیا۔ ''الاعتصام'' نے جماعت میں نئی بنیادوں پر کام شروع کیا۔ جماعت میں نئی روح پیدا کرنے کی کوشش کی اور جماعت میں جدید طرزِ صحافت کی بنیاد رکھی۔ اس کے ذریعے سے ہماری آواز دیہات، قصبات اور بلاد میں پہنچی۔

اگست ۱۹۵۲ء میں ہم نے اپنی تنظیمی مہم کو مؤثر اور ہمہ گیر بنانے کی غرض سے رکن سازی کا آغاز کیا اور تھوڑے عرصے میں ہماری رکنیت ساٹھ ہزار کے لگ بھگ پہنچ گئی۔ اور کوئی پانچ سو کے قریب مقامات پر جمعیتیں قائم ہوگئیں۔ اسی اثنا میں ہم نے فیصلہ کیا کہ مارچ ۱۹۵۳ء میں سالانہ کانفرنس لائل پور میں منعقد کی جائے مگر فروری میں تحفظِ ختمِ نبوت کی طوفان خیز تحریک سے ملک کی پرسکون فضا بے حد متلاطم ہوگئی۔ ہمارے علماء اور با اثر حضرات جیل میں چلے گئے اور پروگرام وہیں کا وہیں رہ گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب جذبات میں اعتدال اور فضا میں سکون پیدا ہوا اور اکابر جماعت قید خانوں سے باہر آئے تو ہم نے دوبارہ فیصلہ کیا کہ مارچ ۱۹۵۴ء میں سالانہ کانفرنس لائل پور میں کی جائے مگر راستے میں قانون کی سنگین دیوار کھڑی کر دی گئی اور ضلع بھر میں دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ نے ہماری تمناؤں کا خون کر دیا۔ ہم نے لائل پور کے بجائے اپریل ۱۹۵۴ء میں اپنی سالانہ کانفرنس ملتان میں کی۔ بحمد اللہ ملتان کانفرنس بڑی کامیاب کانفرنس رہی اور ملک کی تمام جماعتوں اور افراد نے مرکز سے کلی تعاون کا مظاہرہ کیا۔

ملتان کانفرنس کے بعد ہم نے جو اہم کام کیے ان میں ''ادارہ اشاعۃ السنۃ'' کی تاسیس ایک ایسا کام ہے جو آج تک جماعت کی تاریخ میں جماعتی لحاظ سے کبھی نہیں ہو سکا تھا۔ اس ادارے کے اہتمام میں چند ایک کتابیں شائع ہوچکی ہیں اور کچھ مزید کتابیں ان شاء اللہ لائل پور کانفرنس کے موقعے پر ہم آپ کی خدمت میں پیش کرسکیں گے۔

تنظیم برائے تنظیم نہ کوئی کام ہے اور نہ اس کو ہم نے کوئی حیثیت دی ہے۔ اصل چیز وہ ہے جو تنظیم کے ذریعے سے ہم کرنا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ ہماری جماعت مضبوط ہو، اس کی بنیاد اور اساس مستحکم ہو اور ہر اعتبار سے اس میں مرکزیت کا جذبہ موجزن ہو۔ اس کے افراد اپنی اپنی جگہ اتنے مضبوط اور پختہ ذہن ہوں اور ان میں جماعتی زندگی کا عملی احساس اس درجہ راسخ ہو کہ ان کی نظریں مرکز کی طرف لگی رہیں اور کوئی کام مرکز کی ہدایت اور مشورے کے بغیر انجام نہ دیں۔

یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اتنی بڑی جماعت کے اکثر افراد کا حال قریب قریب شتر بے مہار کا سا ہے۔ ان کو جو جماعت جب چاہے استعمال کر لیتی ہے۔ یہ اس کی سیاسی چالبازیوں کے پھندوں میں نہایت آسانی کے ساتھ پھنس جاتے ہیں اور مرکز سے استصواب کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ یہ چیز ہمارے جماعتی پندار کے سراسر منافی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا جس طرح ایک علمی اور مسلکی مقام ہے اسی طرح ہمارا سیاسی موقف بھی متعین ہو اور کوئی سیاسی و نیم سیاسی جماعت ہمارے افراد کو استعمال نہ کر سکے۔ یہ چیز پیدا کرنا بڑا ضروری ہے لیکن یہ اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب ہم میں مرکزیت ہو۔ ہم ہر ہر معاملے میں اس کی طرف رجوع کریں۔ اپنے سیاسی وعملی معاملات میں اس سے استصواب کریں اور ہماری رائے وہی ہو جسے مرکز پسند کرے۔ ہر ہر فرد اور ہر ہر جماعت کی مرضی اور اس کی آواز مرکز کے تابع ہو، حتی کہ ان کی زکاۃ، ان کے عشر اور ان کے عطیات کی تقسیم بھی اس طریق سے ہو کہ ان میں مقامی اور مرکزی بیت المال کے حصص متعین ہوں۔

اسی طرح ہمارے تبلیغی اجتماعات ہوں اور یہی کیفیت ہمارے دینی مدارس میں کارفرما ہو۔ ان کے نصاب میں اور طریقِ تعلیم میں پوری پوری وحدت اور یکسانی ہو۔ مغربی پاکستان کے اِس سرے سے لے کر اُس سرے تک سبھی مدارس نظم ونسق کی سلک میں منسلک ہوں اور ان کی زمامِ اختیار مرکز کے ہاتھ میں ہو۔ اسی طرح ہمارے مجوزہ دار العلوم کے بارے میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس کی حیثیت ایک جماعتی یونیورسٹی کی ہو اور جماعت کے تمام دینی مدارس اس سے ملحق ومنسلک ہوں۔ وہ ایک نوع کا نگران ادارہ ہو۔ اس کے اساتذہ اور تلامذہ کا علمی اور ذہنی معیار اتنا بلند ہو کہ ہم ان پر فخر کر سکیں۔ ان سے ہر قسم کے تعلیمی، تبلیغی اور تدریسی کام لے سکیں اور ان کے علم وفضل سے جماعت مستفید ہو۔

علاوہ ازیں ادارہ اشاعۃ السنہ کے ذریعے سے قرآن مجید اور علمِ حدیث کی خدمت کرنا ہمارا اولین مقصد ہے۔ تین ترجموں والا نایاب قرآن مجید احسن الفوائد کے حاشیے کے ساتھ شائع کرنا، (جس کی ایک منزل شائع ہوچکی ہے،) حدیث کی درسی کتابیں اور ان کے بہترین تراجم شائع کرنا، مشکاۃ شریف غزنوی فوائد کے حاشیے کے ساتھ شائع کرنا، یہ سب چیزیں ہمارے پروگرام میں شامل ہیں اور بحمد اللہ اس کے لیے ہم قدم اٹھا چکے ہیں۔ ضرورت آپ کے مخلصانہ تعاون اور ہمدردانہ وابستگی کی ہے۔ پھر اضلاع میں مبلغین کا تقرر ہمارے لیے ایک ضروری مسئلہ ہے جس کو ہم نے لائل پور کانفرنس کے بعد زیرِ عمل لانا ہے۔

اپنی تبلیغی سرگرمیوں کو مؤثر بنانے کا ایک طریقہ ہمارے پروگرام میں یہ ہے کہ مغربی پاکستان کے چند معروف مرکزی شہروں میں ہاسٹل کھولے جائیں اور اس قسم کا اہتمام کیا جائے کہ جماعت کے جو طالب علم سکولوں اور کالجوں میں زیرِ تعلیم ہیں ہم ان کی تربیت کرسکیں۔ ان سے ہمارا اتنا گہرا رابطہ ہو کہ تعلیم کے بعد بھی ان سے ہمارے مراسم قائم رہیں اور کسی صورت ہمارا ان کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے، تاکہ ہماری نئی نسل جو سکولوں اور کالجوں میں تعلیم پا رہی ہے، ہم سے آشنا اور جماعت سے منسلک رہے۔ علاوہ اس کے ''الاعتصام'' کی ترتیب و تہذیب میں نمایاں تبدیلی اور ضخامت میں اضافے کا معاملہ بڑا ضروری ہے۔

یہ سب امور ایسے ہیں جن کا تعلق لائل پور کانفرنس کے ساتھ وابستہ ہے اور ان پر جو اخراجات اٹھیں گے وہ آپ سے مخفی نہیں۔ ان تمام مصارف کے لیے ابتدائی رقم کی فراہمی کتنی ضروری ہے، یہ آپ جانتے ہیں اور ان امور کی اہمیت کو بھی آپ خوب سمجھتے ہیں، لہٰذا آپ کا فرض ہے کہ آپ ہمارے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں تاکہ کام کی رفتار میں پیسے کا مسئلہ حائل نہ ہو۔[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۴/ جنوری ۱۹۵۵ء)

اپنی باتیں

جماعتی تگ و دو کی مختصر رُوداد

جماعت اہلِ حدیث کی تعداد بحمد للہ اس وقت لاکھوں سے بھی زیادہ ہے۔ اتنی بڑی جماعت میں فرقوں کی طرح نظم عملاً مشکل ہے۔ کثیر التعداد جماعتوں میں حاکمانہ نظم اور قانونی ربط و انقیاد تو پایا جاتا ہے لیکن اخلاقی روابط اور تعلقات کی جو کیفیت چھوٹے گروہوں اور فرقوں میں پائی جاتی ہے اور جو عصبیتیں ان ٹکڑوں اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں محسوس ہوتی ہیں، اکثریتیں ان سے بمشکل متاثر ہوتی ہیں۔

تاہم نظم ایسی چیز نہیں جس کے فائدے کو نظر انداز کیا جا سکے، اس لیے صاحبِ صدر حضرت مولانا سید محمد داود صاحب ۔زیدت برکاتھم۔ اور جماعت کے دوسرے محترم رفقاء کا عرصے سے خیال تھا کہ دوستوں کے جمود کو توڑنے کے لیے ذاتی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ مختلف مقامات کے دوستوں سے وہیں جا کر ملاقات کی جائے، ان کی مشکلات کو سمجھا جائے اور کام کی راہ نکالی جائے۔

قادیانی اور رافضی جراثیم نے جس طرح حکومتِ پاکستان کے اداروں میں اپنے لیے جگہ پیدا کی ہے اور حکومت کے زیرِ سایہ جس طرح وہ اپنے اثرات پھیلا رہے ہیں، ہماری روایات ہمیشہ اس کے خلاف رہی ہیں، اس لیے ہم نے حکومت کی چاپلوسی نہ کی ہے نہ ان شاء اللہ کریں گے، لیکن اپنے بچاؤ اور حکومت کے لیے نصیحتاً اور خیر سگالی کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ نظم سے کام کیا جائے اور جماعت کو ان زہریلے اثرات سے بچانے کی کوشش کی جائے جو بدعی تحریکات سے وطن کو جہنمستان بنانے میں مشغول ہیں۔

اس لیے راقم الحروف اور برادر محترم مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف اور مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح خطیب جامع اہلِ حدیث مغلپورہ لاہور ۱۷ مارچ ۱۹۵۰ء کو اس کام کے لیے نکلے اور بحمد اللہ جماعت کو حرکت و عمل کے لیے مستعد اور منتظر پایا۔ عوام کا جذبۂ ایمان بہت حد تک صحیح ہے۔ ساری مصیبت ضعفِ قیادت کی پیدا کردہ ہے۔ نوجوان اور متحرک خون کراہیت کے باوجود بعض وقتی اور سیاسی تحریکات میں صرف اس لیے شامل ہوتے ہیں کہ ہماری قیادت جامد ہے۔ وہ مناظرات اور

ہنگامی اکھاڑوں ہی کو وقت کا بہترین کام تصور کیے بیٹھے ہیں اور کتاب و سنت کے صحیح مقاصد کو سلجھے ہوئے انداز میں پیش کرنے میں جھجک محسوس کرتے ہیں۔

منڈی میاں چنوں:

۱۷/ مارچ ۱۹۵۰ء بروز جمعۃ المبارک ہم منڈی چنوں ضلع ملتان قریباً دو بجے شب پہنچے۔ یہ جلسے کا آخری دن تھا۔ وسیع مسجد اہلِ حدیث یہاں زیرِ تعمیر ہے۔ اپنے رفقاء میں عزیزم مولانا محمد داود ارشد یہاں کام کر رہے ہیں۔[1] ایک دینی مدرسہ بھی زیرِ تجویز ہے۔ یہاں ہیڈ ماسٹر صاحب بڑے مخلص اہلِ حدیث ہیں۔ مہاجرین کی خاصی تعداد خود منڈی اور اس کے مضافات میں اقامت پذیر ہے۔ منڈی میاں چنوں کا حلقہ اپنے پورے ماحول کو متاثر کر سکتا ہے اور توحید و سنت کی اشاعت اور ہمارے سیاسی مقاصد کی اشاعت کا بہترین ذریعہ بن سکتا ہے۔ نمازِ جمعہ میں نے پڑھائی اور اپنے مقاصد کو واضح کیا۔ دوسرے دن صبح احباب اور کام کرنے والوں کی ایک میٹنگ بلائی گئی۔ جمعیت کا مرکز سے الحاق کیا گیا اور موجودہ علماء نے تعاون کے ساتھ اپنے گرد و پیش میں تنظیم اور اشاعتِ توحید کا وعدہ فرمایا۔

جلال پور پیر والا:

یہاں سے رات روانہ ہو کر ۱۸/ مارچ ۱۹۵۰ء کو دو بجے شب ایکسپریس سے لودھراں اسٹیشن پر بسر کی۔ صبح بذریعہ کار جلال پور پہنچے۔ یہ قصبہ لودھراں سے تقریباً تیس میل ہے۔ سڑک کچی اور خراب ہے۔ کار تقریباً ڈھائی گھنٹے میں پہنچی۔ ظہر کے بعد اظہارِ خیالات کا موقع ملا۔ ہم سے پہلے مولانا شرف الدین صاحب دہلوی پہنچ چکے تھے۔ مولانا ایسے نیک دل بزرگ سے مل کر بے حد مسرت ہوئی۔ كَثَّرَ اللّٰهُ أَمْثَالَهُ فَإِنَّهُ أُسْوَةٌ فِي حُبِّ السُّنَّةِ.

عصر کے بعد مجلسِ شوریٰ بلائی گئی۔ جمعیت کا مرکز کے ساتھ الحاق کا فیصلہ ہوا۔ اس علاقے میں روافض کا بہت زور ہے۔ ہمارے رفقاء میں مولانا سلطان محمود صاحب نہایت مخلص، فاضل اور درد مند نوجوان ہیں۔ ایک مدرسہ ہے جس میں مولانا کے ساتھی اور رفقاء ہیں جو درس و تدریس کا کام کرتے ہیں۔ یہ مدرسہ، جماعت اور مولانا سلطان محمود اس علاقے میں مغتنمات سے ہیں۔ یہ علاقہ شرک و بدعت کے لحاظ سے زمانۂ جاہلیت کی یادگار ہے۔ یہاں خدائے لایزال کے بجائے حسین اور دستگیر پر زیادہ اعتماد ہے، مگر شکر ہے کہ اہلِ توحید بھی غافل نہیں۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيَهُمْ!

[1] مولانا داود ارشد صاحب، حضرت سلفی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے بروز سوموار ۹ مئی ۱۹۶۶ء کو وفات پائی۔

ملتان اور خانیوال:

صبح ۱۹؍ مارچ ۱۹۵۰ء کو یہاں سے بذریعہ لاری شجاع آباد پہنچے۔ یہاں تک مولانا عبدالعزیز اور حضرت مولانا شرف الدین دہلوی کی رفاقت بڑی پرکیف رہی۔ شجاع آباد سے ٹرین پر سوار ہوکر خانیوال پہنچے۔ یہاں کی مسجد اہلِ حدیث کا سنگِ بنیاد حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کے مبارک ہاتھوں سے رکھا گیا تھا۔ مسجد اب قریباً مکمل ہوچکی ہے۔ ہمارے محترم دوست خان عبدالعظیم خان مہاجر فیروز پوری بڑے با اصول، پختہ کار اور بیدار مغز اہلِ حدیث ہیں۔ یہاں مجلسِ شوریٰ میں جمعیت کا مرکز کے ساتھ الحاق کا فیصلہ ہوا۔ خاں صاحب محترم نے مرکز کی اعانت کا وعدہ فرمایا۔ رات یہاں بسر کی۔ صبح یہاں سے بذریعہ بس سروس ملتان پہنچے۔ محلّہ وزیر آباد میں حضرت مولانا عبدالتواب کے درِ دولت پر پہنچے۔ مولانا عطاء اللہ صاحب اپنی عادت سے نہ چوکے۔ کافی کتابیں خرید لیں۔ مجھے بھی زیرِ بار کیا۔

آہ! مولانا عبدالتواب کے انتقال نے ہمارے لیے پورے ملتان کو ویرانہ بنا دیا۔ ع

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند[1]

مولانا واقعی ولی اللہ تھے اور سلف کی یادگار!

منڈی وہاڑی:

یہاں بذریعہ لاری ۱۹؍ مارچ ۱۹۵۰ء کو تین بجے پہنچے۔ بورا منڈی جانے والی لاری کا وقت پانچ بجے دن کے قریب تھا۔ مولانا عطاء اللہ صاحب سامان کے پاس ٹھہرے۔ میں اور حافظ اسماعیل صاحب بازار گئے۔ خیال نہ تھا کہ یہاں بھی کوئی جماعت کا آدمی ہوگا۔ بازار میں داخل ہوتے ہی مولوی غلام رسول صاحب ہشیار پوری اور میاں احمد دین صاحب کی دکان پر نظر پڑی۔ مولوی غلام رسول صاحب جماعت کے مخلص کارکن ہیں۔ ہشیار پور میں انھوں نے بہت کام کیا۔ ان سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی مسجد اہلِ حدیث تعمیر ہوچکی ہے۔ باقاعدہ جماعت بھی موجود ہے جس کے صدر شیخ حاجی محمد علی ہیں اور ناظم میاں احمد دین صاحب ہیں۔ خطیب مولوی محمد عیسیٰ صاحب ہیں۔ نمازِ مغرب اس کچی از بس سادہ مسجد میں ادا کی۔ اس کے بعد مولانا عطاء اللہ صاحب نے نظمِ جماعت کی اہمیت کے متعلق خطاب فرمایا۔ جماعت نے مرکز سے الحاق کا فیصلہ کیا۔

---

[1] وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور وہ ساقی نہ رہا۔

بورا منڈی:

ہم بعد مغرب احباب سے رخصت ہو کر بس سٹینڈ پر پہنچے۔ بورا منڈی کو لاری آٹھ بجے چل کر تقریباً نو بجے پہنچی۔ وہاں جلسے کے متعلق اعلان ہو چکا تھا۔ ہم سیدھے جلسہ گاہ میں پہنچے جہاں انتظار کے بعد اکثر لوگ جا چکے تھے۔ آسمان ابر آلود تھا اور تقاطر ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا اور خنکی بڑھ رہی تھی، لیکن احباب نے فیصلہ فرمایا کہ جلسہ ملتوی نہ کیا جائے۔ چنانچہ تلاوتِ قرآن کے بعد میں نے مختصر سی تقریر کی۔ توحید اور اتباعِ سنت کا ذکر کیا۔ حاضری کافی ہوگئی۔ اس وقت بوندیں پڑ رہی تھیں لیکن حاضرین اطمینان سے سن رہے تھے۔ اس کے بعد اسماعیل صاحب نے مؤثر اور برجستہ تقریر فرمائی جو اسی موضوع پر تھی۔ جلسہ رات گیارہ بجے ختم ہوا۔ عزیزی مولوی محمد افضل صاحب کے مکان پر قیام تھا۔ کھانا کھا کر باتیں ہوتی رہیں۔ قریباً رات ایک بجے آرام کیا۔ نمازِ فجر کے بعد مسجد اہلِ حدیث میں درس ہوا جو حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے۔ یہاں مولوی محمد افضل کا خاندان اور مولانا عبدالعزیز صاحب سابق منسٹر ریاست فرید کوٹ تشریف فرما ہیں۔ صبح انتخاب ہوا۔ مولوی محمد افضل صدر مقرر ہوئے اور مولوی محمد اکبر صاحب ناظم، مولانا عبدالشکور صاحب نے خطابتِ جمعہ قبول فرمائی۔ جماعت کا الحاق کیا گیا۔ یہاں سے ناشتے کے بعد بس سٹینڈ پر پہنچے۔

منڈی عارف والا:

بس پر سوار ہو کر منڈی عارف والا پہنچے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۵۰ء کو قریباً دس بجے لاری عارف والا پہنچی۔ کوٹ کپورا کے یہاں کافی دوست موجود ہیں۔ اوڈ قوم کی کافی تعداد ہے جو عموماً بدوی اور سادہ زندگی کے عادی ہیں، اور پختہ اہلِ حدیث ہیں۔ یہاں اہلِ حدیث کی دو مسجدیں ہیں۔ صدر انجمن صوفی محمد ابراہیم صاحب ہیں اور ناظم حاجی شیخ محمد سرمد صاحب ہیں۔ دوپہر یہاں گزاری۔ قریباً تین بجے وفد پاک پٹن پہنچا۔ خیال تھا کہ یہاں سے فارغ ہو کر رات کسی دوسری جگہ بسر کریں گے، لیکن مولانا عبدالرحمان صاحب ہیڈ ماسٹر امتحانات میں مشغول تھے، اس لیے رات یہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ پاک پٹن جہالت اور مشرکانہ رسوم کے لحاظ سے سارے علاقے میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہیں بہشتی دروازہ ہے جو غالباً سیدھا دوزخ میں کھلتا ہے۔ یہاں شیخ فرید کا مزار ہے اور بہت سی قبریں ہیں۔ مجھے اور میرے رفقاء کو ان بدعی اور مشرکانہ رسوم سے طبعی نفرت ہے۔ حضرت شیخ فریدالدین کی

عقیدت کی وجہ سے ان کے مزار پر دعا کے لیے حاضر ہوئے۔ دعا کی گئی ورنہ یہاں سیاہ دِلی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ خدا کے نام پر دکانداری، جہلاء کو دھوکا دے کر عوام سے تحصیلِ زر، جھوٹ بولنے اور جھوٹی آرزوؤں پر جینے کے سوا اور کچھ نہیں۔

شام کو مولانا عبدالرحمان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ خطیبِ جماعت مولانا محمد عباس صاحب بھی ملے۔ مولانا کو حدیث کے متعلق عجیب استحضار ہے۔ نہایت سادہ مزاج اور مخلص بزرگ ہیں۔ مولانا عبدالرحمان صاحب کی مساعی کی وجہ سے یہاں بڑی عمدہ اور وسیع مسجد بن چکی ہے جو بس سٹینڈ کے بالکل قریب ہے۔ صبح نماز اور درس کے بعد انتخاب ہوا اور الحاق کا فیصلہ کیا گیا۔ مولانا محمد عباس صدر چنے گئے اور مولانا عبدالرحمان صاحب ناظم۔

منٹگمری:

۲۱/ مارچ ۱۹۵۰ء صبح کو چل کر دوپہر کے قریب وفد منٹگمری [ساہیوال] پہنچا۔ حافظ عبدالحق صاحب مالک حافظ کلاتھ ہاؤس ہمارے پہنچنے سے پہلے بھاگ چکے تھے۔ غالبًا لائل پور کسی شادی پر گئے تھے۔ مولانا عبداللہ صاحب اوڈ، مولوی عبدالمنان صاحب اور مولانا عبداللہ صاحب فیروز پوری سے ملاقات ہوئی۔ نظمِ جماعت کے متعلق گفتگو ہوئی۔ یہ سب حضرات نظمِ جماعت کے لیے بے تاب تھے۔ سب کی نظر مولانا عبدالجلیل پر تھی۔ مولانا یہاں بہت بارسوخ ہیں۔ بڑی مسجد اہلِ حدیث کے خطیب ہیں۔ میرے ذاتی مراسم مولانا سے بہت دیرینہ ہیں۔ میرے تاثرات مولانا کے متعلق بہت اچھے ہیں۔ میری دانست میں مولانا مخلص اہلِ حدیث ہیں۔ مطالعہ کافی وسیع ہے۔ مولانا سے نظمِ جماعت کے متعلق دیر تک تذکرہ ہوتا رہا۔ مولانا عبداللہ صاحب اوڈ، مولوی عبدالمنان صاحب، مولوی عبدالرحمان صاحب، مولانا عطاء اللہ صاحب اور دیگر ارکانِ وفد موجود تھے۔ مولانا پر کافی اعتماد ہے۔ دیر تک گفتگو کے باوجود میں مولانا کے مقصد کو نہ سمجھ سکا۔ مولانا کے ارشادات کافی بے ربط تھے جن میں کوئی تسلسل نہ تھا۔ مولانا کے ملفوظات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ باتیں ناہموار اور الجھے ہوئے دماغ سے نکل رہی ہیں۔ مجھے مولانا کے علم اور خلوص پر اعتماد تھا اور ہے، اس لیے میں مولانا کے ان ارشادات کی کوئی صحیح توجیہ نہیں کر سکا، تاہم مولانا نے آخر میں فرمایا کہ جو نظام بنے گا میں اس کے ساتھ تعاون کروں گا۔ یہ ساری گفتگو دوستانہ تھی۔ مولانا بڑی خوش طبعی اور خوش مذاقی سے گفتگو فرماتے رہے۔

مولانا سے جدا ہو کر ہم مولانا عبدالجبار سے ملے۔ یہ سادہ مزاج اور پرانی وضع کے بزرگ ہیں اور راسخ العقیدہ مسلمان۔ یہ سب لوگ خواہشمند تھے کہ مولانا عبدالجلیل صاحب ان کی راہنمائی فرمائیں۔ ان کو مولانا عبدالجلیل صاحب سے دوستانہ شکوے بھی تھے، اس لیے یہاں جماعت کا کوئی ڈھانچا نہ بن سکا۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب اپنے خیالات پر دوبارہ غور فرمائیں اور پھر ہم کسی وقت حاضر ہوں گے۔

امید ہے کہ تمام احباب انہاک سے کام کریں گے اور چند ہفتوں میں جماعت کو ایک سلک میں پرو دیں گے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۷/اپریل ۱۹۵۰ء)

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے ادارۂ مبلغین کا قیام

حضراتِ مبلغین اور ضلعی اور شہری جمعیتوں سے گزارش

۱۹۴۸ء میں جب مرکزی جمعیت اہلِ حدیث نے مغربی پاکستان میں کام شروع کیا تو تبلیغ کا شعبہ بھی اس کے ساتھ ہی شامل رہا اور اکثر جلسے جمعیت ہی کے زیرِ اہتمام منعقد ہوتے رہے۔ تواریخ دفتر کی طرف سے دی جاتی رہیں، تاہم بعض کوتاہیاں ہوتی رہیں اور ضرورت محسوس ہوتی رہی کہ شعبۂ تبلیغ کو زیادہ سے زیادہ منظم اور باقاعدہ بنایا جائے۔ عوام اور حضرات مبلغین دونوں کی خواہش تھی کہ کام زیادہ باقاعدگی سے ہو۔ اس کے متعلق ایک دو دفعہ مبلغ حضرات جمع ہوئے اور غیر رسمی گفتگو بھی ہوئی، لیکن اس راہ میں بعض مشکلات حائل تھیں جن کا حل تلاش کرنا ضروری تھا، ورنہ خطرہ تھا کہ اس شعبے میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔ بالآخر یہ ذمے داری مولانا عبدالمجید سوہدروی مرحوم نے اپنے ذمے لی، لیکن وہ بھی کثرتِ کار اور مسلسل علالت کی وجہ سے کوئی قطعی اور آخری فیصلہ نہ فرما سکے۔

پچھلے دنوں اسی مقصد کے لیے ایک اجتماع لائل پور میں ہوا، جس کی صدارت کے فرائض مولانا محی الدین صاحب لکھوی نے انجام دیے۔ اس میں مشہور مبلغین کے ساتھ مولانا محمد صدیق لائل پوری، حافظ محمد شریف سیالکوٹی، مولوی عبداللہ دال بازار گوجرانوالہ، مولوی محمد حسین شیخوپورہ اور مولانا فضل حق وغیرہ اساطینِ تبلیغ موجود تھے۔ ان سب نے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے امیر حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی سے درخواست فرمائی کہ وہ دو ماہ کے اندر اندر شعبۂ تبلیغ کے نظام کی تشکیل فرمائیں۔ اس درخواست پر مولانا فضل الحق اور مولانا محی الدین لکھوی کے دستخط مرقوم تھے۔

اس درخواست کے بعد بھی بعض انتشار پسند حضرات نے انتشار پھیلانے کی کوشش کی اور بعض مقامات پر معمولی قسم کے اجتماع ہوئے جن کی تفصیل معلوم نہیں ہوسکی، حالاں کہ دو ماہ کے اندر ان اجتماعات کے لیے کوئی وجۂ جواز نہ تھی۔

امیر مرکزی جمعیت حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی نے علالت کے باوجود اس معاملے میں اصالتاً دل چسپی لی اور اس شعبے کی تشکیل اور اس کے مبادی طے کرنے کا کام مولانا محی الدین لکھوی کے سپرد فرمایا۔ مولانا محی الدین صاحب نے ۳؍ اگست ۱۹۶۳ء کو بروز ہفتہ منڈی پتوکی میں ایک نمایندہ اجتماع بلایا، جس میں مغربی پاکستان کے اہلِ علم کی خاصی حاضری تھی۔ ہر نقطۂ نظر کے اہلِ علم نے دل کھول کر گفتگو کی۔

مولانا حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا صدیق صاحب سرگودھا اور مولانا حافظ اسماعیل ذبیح نے حصہ لیا۔ بالآخر اس اجتماع کے سربراہ اور امیر مولانا محی الدین صاحب قرار پائے۔ مبلغین کے لیے تربیتی کورس طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ اجتماع دعا کے ساتھ بخیر وخوبی ختم ہوا اور آیندہ کے لیے حافظ محمد ابراہیم کمیر پوری اس شعبے کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

اب شہری اور ضلعی جمعیتوں کا فرض ہے کہ جلسوں اور تقریروں کے لیے اس نظام سے رابطہ پیدا کریں۔ ضلعی اور شہری ورکروں کے اجتماعات بلا کر یا کانفرنسیں منعقد کر کے اس نظام کو مضبوط بنائیں۔ شعبۂ تبلیغ کو زیادہ فعال بنائیں اور مرکزی نظام کو زیادہ سے زیادہ مضبوط اور اس کے ساتھ وابستگی کا اظہار کریں۔[1]

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

شیش محل روڈ، لاہور

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۳؍ اگست ۱۹۶۳ء)

اعلان متعلقہ اجتماعات

من جانب دفتر جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، گوجرانوالہ

① جلسوں پر بلا ضرورت مصارف نہ کیے جائیں، بلکہ ایک علاقے کے احباب مل کر کسی مناسب موقعے پر جلسہ رکھ دیں۔ اگر قریبی مقامات پر متعدد جگہ جلسہ کرنا ضروری ہو تو ایک ایک دن کے لیے مختلف مقامات میں جلسہ رکھ لیا جائے۔

② جلسوں کے حسابات پوری دیانت داری سے مرتب ہونے چاہییں۔ تبلیغی جلسوں کو کاروبار کی صورت قطعاً نہ دی جائے۔

③ اپنے علاقے کی ضروریات کے لحاظ سے بعض مضامین کی طرف خاص توجہ رکھنا ضروری ہے۔ مقامی منتظم اس کی اطلاع دفتر کو دیں، تاکہ یہ مضامین مناسب مقررین کے سپرد کیے جائیں۔

④ جلسوں کی تواریخ میں تصادم کی وجہ سے علماء، منتظمین اور سامعین کو دقت ہوتی ہے۔ طبائع پر اس کا اثر اچھا نہیں ہوتا۔ اس لیے مندرجہ اجتماعات کا اعلان دفتر کی طرف سے کیا جاتا ہے:

- جمعیت اہلِ حدیث میاں چنوں: ۷، ۸، ۹/ مارچ ۱۹۵۲ء
- جمعیت اہلِ حدیث خانیوال: ۲۱، ۲۲، ۲۳/ مارچ ۱۹۵۲ء

مشتہرہ تواریخ کا فیصلہ، ناظمِ اعلیٰ جمعیت نے متعلقہ جمعیتوں کے منتظمین کے مشورے کے بعد کیا۔ آیندہ جو صاحب کوئی اجتماع مقرر کرنا چاہیں، دفتر کی طرف رجوع کریں، ورنہ بدنظمی کی ذمے داری ان پر ہوگی۔

⑤ بہتر ہوگا کہ اپنے علاقے کے قریبی علماء کو دعوت دی جائے اور انھیں بولنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دیا جائے اور آمد و رفت کے مصارف سے بچنے کی کوشش کی جائے۔

⑥ کھانے اور دوسرے اہتمامات میں زیادہ تکلف سے پرہیز کی جائے۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان [1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۲/ فروری ۱۹۵۲ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے تبلیغی جلسے

آج سے چند سال پہلے جماعت اہلِ حدیث کی تبلیغی کوششیں تین نہج میں منقسم تھیں:

1- کتبِ سنت کی اشاعت:

چنانچہ لاہور میں مطبع احمدی مرحوم فقیر اللہ صاحب تاجر کتب، امرتسر میں حضرت مولانا عبدالغفور صاحب رحمہ اللہ اور مولانا عبدالاول صاحب غزنوی رحمہ اللہ نے بڑا مفید لٹریچر شائع کیا۔ دہلی میں مطبع انصاری نے عجیب عجیب علمی جواہر سے پبلک کو روشناس کرایا۔ بنارس میں سعید المطابع نے اچھی کتب کی اشاعت کی۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب مغفور نے تو علم کے دریا بہا دیے۔ مطبع نظامی نے بڑے نایاب علمی موتی اطرافِ عالم میں بکھیر کر دنیا کی تشنہ کامی کے لیے تسکین کا سامان کیا۔ مولانا ثناء اللہ مرحوم کا دفترِ علم و تحقیق کا ابلتا ہوا چشمہ تھا۔

عرصے سے یہ طریق متروک ہے۔ اس کے باوجود اچھی اچھی اشتہاری جماعتوں سے جماعت اہلِ حدیث کا لٹریچر مفید بھی ہے اور زیادہ بھی۔ تاہم اس وقت اشاعتِ کتب کی طرف توجہ کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ کاروباری مشاغل دنیا میں اس طرح بڑھ رہے ہیں کہ مستقبل قریب میں کئی کئی دن تقریروں کے لیے وقت نکالنا مشکل ہوگا اور اس قسم کے عام خطاب بہت گراں پڑیں گے۔

2- مدارس:

دوسرا طریق دروس اور مدارس کا تھا۔ یہ ٹھوس علمی مشغلہ تھا جس سے بے حد مفید نتائج پیدا ہوئے۔ حضرت میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ کے بعد پنجاب میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام امرتسر، مدرسہ نصرۃ الاسلام وزیر آباد اور لکھوکے نے بے حد مفید کام کیا۔ حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، حضرت الاستاذ حافظ عبدالمنان صاحب مغفور ایسی جامع شخصیتوں نے بڑے بڑے علماء پیدا کیے۔ ان مدارس

کے طلبہ بیرونی ممالک میں بھی دور دور تک پھیل گئے۔ اس وقت بھی مغربی پاکستان میں مدارس کی خاصی تعداد موجود ہے مگر اب یہ دکانوں کی صورت اختیار کر گئے ہیں۔ بعض مقامات پر تعلیم سے زیادہ ان مدارس کو چندے کی فراہمی کے لیے صرف ذریعہ تصور کیا جاتا ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ مدارس زیادہ سے زیادہ مربوط اور منظّم ہوں۔ ان کے نصاب میں وحدت پیدا کی جائے۔ طلبہ اور اساتذہ کے لیے ایسے قواعد مرتب ہوں جن سے دینی تعلیم میں آبرومندی کی شان پیدا ہو۔ طلبہ اور اساتذہ کے اخلاق گداگری اور طمع کی نذر نہ ہو جائیں۔ بعض مہتممینِ مدارس نظم کی پابندیوں سے گھبراتے ہیں۔ اساتذہ اور طلبہ اگر اس تعمیری عمل کے لیے مخلصانہ طور پر آمادہ ہو جائیں تو یہ مشکل کام حل ہو سکتا ہے اور اس کے نتائج ایک بہترین تعلیمی مستقبل کی کفایت کر سکتے ہیں۔ جمعیت اہلِ حدیث کا مرکزی دفتر اس معاملے میں ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔

3- جلسے:

تیسرا طریق مجالس اور خطابِ عام کا تھا۔ اس خطابی طریق نے اصلاحِ عقائد میں ایک انقلابی انداز پیدا کر دیا۔ بدعی رسوم کی اصلاح میں خطابِ عام سے بے حد فائدہ ہوا۔ عورتوں کی حاضری کی وجہ سے ان مجالس سے گھریلو اصلاح میں بہت زیادہ مدد ملی۔ مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ کو ان مجالس کی تشکیل اور تنظیم میں امامت کا مقام حاصل تھا۔ حضرت مولانا کی تقریر عموماً ان تبلیغی اور اصلاحی مجالس کی جان ہوتی تھی۔ ان کا دلکش اندازِ بیان اور اس میں ظرافت کی آمیزش تو سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔

ضرورت ہے کہ ان مجالس کو اور منظّم کیا جائے اور کوشش کی جائے کہ یہ مجالس بزنس اور پیشے کی کی صورت نہ اختیار کر جائیں۔ تقاریر موضوع کی پابندی کے ساتھ مقامی اور وقتی ضرورت کے مطابق ہوں۔ نہ جلسہ کرنے والوں کا مقصد عوام کی خوشنودی اور چندے کی فراہمی ہو، نہ علماء ہی پیشگیاں وصول کریں اور وعدہ خلافیوں سے اپنی آبرومندی کو نقصان پہنچائیں۔

جلسوں کی تواریخ کا اقرار نظام اور مشورے سے ہو۔ اہلِ علم ہر وقت پہنچیں اور اپنے فرائض کا احساس فرمائیں۔ تقاریر میں خوش مذاقی ہو، پھکڑ پن نہ ہو۔ مذاق کو عامیانہ انداز سے پوری طرح محفوظ رکھا جائے۔

جمعیت مغربی پاکستان نے اس معاملے میں امسال تھوڑی سی منظّم کوشش کی جس کے نتائج کافی مفید ثابت ہوئے۔ اسے اگر تھوڑا اور منضبط کیا جائے تو نتائج اور بھی شاندار ہو سکتے ہیں۔ مقامی احباب کو اپنی مقامی ضرورتوں کے مطابق کچھ مضامین کے انتخاب کا حق ہونا چاہیے، تاکہ مقامی لوگ ان مجالس سے مستفید ہوسکیں اور مقامی غلطیوں کی اصلاح ہو سکے۔

منڈی میاں چنوں:

یہاں مولوی داود صاحب ارشد ہوشمندی سے کام کر رہے ہیں۔ ایک سادہ مگر وسیع مسجد تیار کی گئی ہے۔ یہاں پہلے اہلِ توحید کے صرف ایک یا دو گھر تھے۔ اب بحمد اللہ خاصی تعداد موجود ہے۔ اچھے ہوشمند، مستعد کارکن یہاں موجود ہیں جو خلوص سے کام کرتے ہیں۔ یہاں مختصر سا دینی مدرسہ ہے اور دارالحفاظ، جہاں بچوں کو حفظ اور ناظرہ دونوں طرح قرآنِ عزیز پڑھایا جاتا ہے۔

دیہات میں بھی جماعت موجود ہے۔ مولانا مقامی جماعت سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور باہمی ربط اور الحاق سے کام کرتے ہیں۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولوی داود صاحب نے اس دفعہ مجلسِ شوریٰ نہ رکھی، اس لیے امسال نظم کے متعلق یہاں کوئی مشورہ نہ ہو سکا۔ امید ہے کہ مولوی داود اس کمی کو اپنے دوروں سے پورا کر دیں گے۔ یہاں امسال جلسہ مؤرخہ ۷، ۸، ۹/ مارچ ۵۳ھ کو ہوا تھا۔ یہ جلسہ پُر رونق تھا۔ حاضرین علماء میں سے مولوی معین الدین صاحب لکھوی، مولوی یحییٰ صاحب حافظ آبادی، برادر محترم حافظ اسماعیل اور حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بقیۃ السلف مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی بھی موجود تھے۔ حافظ صاحب محترم نے بڑا طویل درس بوقتِ صبح دیا۔ حافظ صاحب محترم کا وجود اس وقت مغتنم ہے۔ خدا تعالیٰ ان کے فیوض کو دائم وقائم رکھے۔

خانیوال:

یہاں پہلے محترم حکیم جمال الدین اور میاں محمد عمر صاحب جماعت کے مخلص کارکن تھے۔ ایک مختصر سی سادہ مسجد موجود تھی۔ مہاجرین کی آمد سے جماعت کی تعداد کافی ہو گئی۔ محترم حکیم عبدالعظیم خاں صاحب فیروز پوری پرانے تجربہ کار مخلص کارکن ہیں۔ یہاں مخلص اور جوشیلے احباب سے مل کر خوشی ہوئی۔

صدرِ محترم حضرت مولانا محمد داود صاحب غزنوی یہاں آغازِ اجلاس ہی میں پہنچ گئے تھے۔ احباب سے ذاتی طور پر مل کر نظمِ جماعت کے متعلق محترم نے بہت کام کیا۔ ایک مجلسِ شوریٰ بلائی جس

کے صدر حضرت مولانا ہی تھے۔ اطراف سے احباب کافی تعداد میں آئے ہوئے موجود تھے۔ علاقے میں ہر کام کے لیے احباب نے نام دیے اور رضا کارانہ طور پر کام کرنے کا وعدہ کیا۔

تجویز ہوا کہ جماعت یہاں پرائمری تعلیم کے لیے ایک سکول کھولے، اس میں دینی تعلیم کو لازمی رکھے اور بچوں میں دینی دلچسپیاں پیدا کی جائیں۔

امید ہے کہ محترم میاں محمد حسین صاحب بی۔ اے، ناظم انجمن اہلِ حدیث تشکیل کے متعلق جلدی اطلاع دیں گے، اپنے گرد و پیش میں نظمِ جماعت کا کام بڑے انہاک سے کریں گے اور اپنے کام سے جمعیت مرکزی کے دفتر کو مطلع فرماتے رہیں گے۔

خانیوال میں یہ جلسہ ۲۱، ۲۲، ۲۳/ مارچ ۵۲ء کو ہوا تھا۔

جمعیتِ ملتان شہر:

ملتان میں جماعت کا وجود بہت پرانا ہے۔ یہاں کی جماعت بحمد اللہ کافی دولت مند ہے۔ حاجی کریم بخش صاحب، حاجی خدا بخش اور اسماعیل صاحب جماعت کے ساتھ کافی مالی ہمدردی فرماتے رہتے ہیں۔

ایک بہترین دینی مدرسہ قائم کیا ہوا ہے جس کی کفالت جماعت کے ذمے ہے۔ احبابِ خیر اس میں حصہ لیتے ہیں۔ مولانا ملک عبدالعزیز صاحب مدرسے کے مہتمم ہیں۔ ضلع ملتان کی جماعت اہلِ حدیث اور اکثر پرائمری جماعتیں مرکزی جماعت سے ملحق ہیں۔ ملتان جس طرح ایک مرکزی مقام ہے، مقامی جماعت بھی بحمد اللہ کافی کام کر رہی ہے۔ شیخ عبدالرشید صدیقی کا نام قابلِ ذکر ہے۔

یہاں اطراف و جوانب کے احباب سے مجلسِ شوریٰ بلائی گئی۔ اس کی صدارت کے فرائض بھی صدرِ محترم حضرت مولانا غزنوی نے فرمائے۔ مولانا حافظ محمد اسماعیل روپڑی اور مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی نے شوریٰ میں نظمِ جماعت کے متعلق مفید مشورے عنایت فرمائے۔

اس ضلع میں جماعت بحمد اللہ کافی حد تک منظّم ہے۔ مولانا عبدالعزیز صاحب سوہدروی اور مولانا ابوحفص اور مولانا عبدالغفار حاضرین میں سے خاص کر قابلِ ذکر ہیں اور یہ لوگ بحمد اللہ جماعت کے سرگرم کارکن ہیں۔

ملتان میں جلسہ مؤرخہ ۴، ۵، ۶/ اپریل ۵۲ھ کو ہوا۔ مختلف عنوانات پر مفید تقاریر ہوئیں۔ بڑی اہم تجاویز پاس ہوئیں جن کا متن عنقریب شائع کیا جائے گا۔

کہروڑ پکا:

کہروڑ ضلع ملتان میں قصور لائن پر واقع ہے۔ یہاں پہلے کوئی بزرگ مولانا معین الدین تھے۔ ان کے علم وفضل کی وجہ سے اہلِ حدیث کا نام زندہ ہے۔ ان کی اولاد دنیوی طور پر کافی صاحبِ ثروت ہے، لیکن دینی مشغلہ نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ انھیں توفیق دے کہ وہ اپنے باپ کی جگہ سنبھال سکیں۔

اب تحصیل فاضلکا سے مہاجر آ کر آباد ہوئے ہیں اور ایک نئی مسجد تعمیر ہوئی ہے۔ کام کرنے کے لیے نوجوان مستعد ہیں۔ مولوی مطیع اللہ صاحب خطیب ہیں۔ قصبہ کافی بارونق ہے۔

یہاں مورخہ ۸، ۹/ اپریل کو جلسہ ہوا تھا۔ مولانا عبداللہ صاحب ثانی، مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی اور بہت سے علماء تشریف لائے تھے۔

یہاں اطراف میں جماعت بہت کم ہے بلکہ بالکل ناپید ہے۔ کہروڑ پکا کے دوست اگر خلوص اور توجہ سے کام کریں تو یہاں ان کے لیے بہت سا موقع ہے۔ اطراف و جوانب میں توحید وسنت کی آواز کو بلند کرنا چاہیے۔

خود کہروڑ پکا میں شیعہ اور بریلویوں کا کافی چرچا ہے۔ اہلِ سنت کا فرض ہے کہ ان بدعی خیالات کی اصلاح وعظ ونصیحت اور اچھے اخلاق سے کریں۔ کہروڑ پکا میں عجلت کی وجہ سے کوئی مجلسِ شوریٰ نہ ہو سکی۔ محترم مولانا عبداللہ ثانی نے مقامی احباب کو نظم اور الحاقِ جماعت کے متعلق فرمایا اور سمجھایا، جسے سرکردہ احباب نے قبول فرمایا۔

جمعیت اہلِ حدیث قصور:

۱۱، ۱۲/ اپریل ۵۲ء کو جمعیت اہلِ حدیث قصور کا اجلاس تھا جس میں حضرت مولانا داود غزنوی اور جامع العلوم حضرت مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی مدعو تھے۔ نمازِ جمعہ محترم حافظ صاحب نے پڑھائی۔ عزیز محترم معین الدین صاحب لکھوی نے رات مسئلۂ توحید پر مبسوط تقریر فرمائی۔ مولانا محی الدین صاحب لکھوی، ایم۔ ایل۔ اے بھی اس اجلاس میں شریک تھے۔ اجلاس بریلوی حضرات کی مخالفت کے باوجود بے حد پُر رونق تھا۔

صبح مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ صدرِ محترم حضرت مولانا غزنوی شوریٰ کے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی اجلاسِ شوریٰ میں موجود تھے اور معاملات پر سیر حاصل بحث ہوئی۔

دوسرا مسئلہ جماعت کی تنظیم کا تھا جس کے طریق اور اس کی مشکلات کے متعلق مختلف احباب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس گفتگو سے عوام کی بے قراری کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ جذبہ ظاہر کرتا تھا کہ باہمی تعلق میں نظم و ضبط کی از بس ضرورت ہے اور عوام اس کے خواہشمند ہیں۔

محترم حاجی نواب الدین صاحب آف بھوئے آصل نے ایک بڑے اہم معاملے کی طرف توجہ دلائی۔ انھوں نے فرمایا کہ توحید و سنت کی اشاعت کے سلسلے میں اس علاقے میں تین خاندان اثر انداز ہیں: غزنوی خاندان، لکھوی خاندان، روپڑی خاندان۔ آیا یہ تینوں خاندان اس تنظیم سے متفق ہیں؟

یہ سوال گو بے موقع تھا تاہم صدرِ شوریٰ مولانا معین الدین صاحب نے اس پر گفتگو کی اجازت دی اور مجلس میں مختلف حضرات نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔

صدرِ شوریٰ مولانا معین الدین صاحب نے فرمایا: ہم اس جمعیت اہلِ حدیث سے پوری طرح متفق ہیں۔ مدرسہ بھی جمعیت کی ہدایات ہی کے ماتحت ہے اور جمعیت اہلِ حدیث اوکاڑہ سب سے پہلی جمعیت ہے جس نے مرکز سے الحاق کیا۔ محترم مولانا حافظ عبداللہ روپڑی بھی تشریف فرما تھے۔ محترم حافظ عبدالقادر صاحب نے فرمایا کہ ہم جمعیت کے ساتھ متفق ہیں۔ ہمیں بعض اوقات نظر انداز کرنے کے باوجود ہم ہمیشہ جمعیت کے ساتھ رہے اور آیندہ بھی جو حکم ہو، ہم اس کی تعمیل کے لیے حاضر ہیں۔

اس پوری گفتگو میں محبت اور خلوص کا جذبہ کام کر رہا تھا۔ شکر ہے کہ مجلس پوری کامیابی سے ختم ہوئی اور حاضرین بہت مطمئن اور محظوظ ہوئے۔

حاضرینِ مجلس میں ہمارے نوجوان علماء سے مولوی حافظ یحییٰ میر محمد اور مولانا عنایت اللہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب، مولوی محمد رفیق صاحب اور دوسرے قابلِ احترام دوست موجود تھے۔ سب نے اپنے اپنے علاقے میں کام کا وعدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو نیکی اور خلوص کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

جمعیت اہلِ حدیث گوجرہ (لائل پور)

۱۴، ۱۵ر اپریل کو یہاں جلسہ ہوا تھا۔ اس شہر میں اہلِ حدیث کی تعداد صفر تھی۔ اب انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد لدھیانہ کے اطراف سے کچھ اہلِ توحید یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں جو غربت اور افلاس کے باوجود اخلاص کی نعمت سے سرشار ہیں۔ اسی محبت میں انھوں نے جلسے کی تواریخ مقرر فرمائیں۔ انتظام کی ابتداء اور ناتجربہ کاری کے خطرے سے میں ۱۳ر اپریل ۱۹۵۴ء کی دوپہر کو گوجرہ پہنچ گیا۔ برادر عزیز

مولوی عبدالحمید صاحب مدرس نے جلسے میں مناسب حصہ لیا۔ ان کے خلوص اور انہاک سے جلسے کی رونق دوبالا ہو گئی۔ مولوی احمد دین صاحب گکھڑوی، مولانا عبداللہ صاحب ثانی، مولوی علی محمد صاحب صمصام اور بہت سے دوسرے دوست ۱۴/ اپریل دوپہر کو پہنچ گئے۔ حکیم صاحب محترم کا وجود اس ماحول میں برکتِ محض ہے۔ محترم کی موجودگی سے نوجوان کارکنوں کو بہت مدد ملی۔

جلسے کی حاضری سے معلوم ہوا کہ اطراف میں اہلِ توحید کی کافی تعداد موجود ہے جن سے ربط کی ضرورت ہے۔ یہاں کوئی مجلسِ شوریٰ نہ ہوسکی، نہ اطراف کے بزرگوں سے تعارف ہوسکا۔

جمعیت اہلِ حدیث لائل پور کا فرض ہے کہ وہ ضلع میں کام کو پھیلائے۔ مگر افسوس کہ جمعیتِ لائل پور نے نہ تو تاحال مرکز سے تعلق اور ربط قائم کیا ہے نہ وہ اپنے اختلافات پر قابو ہی پاسکی ہے۔ امید ہے کہ جمعیت لائل پور جلد از جلد کام کو ہاتھ میں لے گی، ورنہ مرکز کو دوسرے ذرائع سے ضلع کا کام اپنے ہاتھ میں لینا پڑے گا۔

ضلع لائل پور میں جماعت لاکھوں کی تعداد میں موجود ہے۔ مقامی جماعت کی سستی کی وجہ سے ضلعے میں کوئی کام نہیں ہوسکا۔ ضلعے میں اور بھی بہت سے ایسے مقامات ہیں جو مرکزی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں، لیکن میں چاہتا ہوں کہ جمعیت اپنے فرائض کا احساس کرے اور ضلعے میں جماعت کو منظّم کرے۔

تاندلیانوالہ اور اوڈانوالہ میں ایسے مردانِ کار موجود ہیں جو ضلعے میں بہتر کام کر سکتے ہیں۔ اَور بھی بہت سے مقامات پر جلسے ہوئے، لیکن قلتِ وقت کے سبب میں وہاں نہیں پہنچ سکا۔ وہاں کے احباب رپورٹ بھیج کر شکریے کا موقع دیں۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۳، ۲۵/ اپریل، ۱۹۵۲ء)

جماعت اہلِ حدیث صوبہ سرحد

حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ صاحب مرحوم کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے اسے پاٹنا بظاہر ناممکن ہے، لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ محترم مرحوم کے بعد جماعت کے متعلق عام تعارف کسی کو بھی نہیں۔ اس وقت جماعت میں جس قدر بزرگ پاکستان یا ہندوستان میں موجود ہیں ان میں کسی کی شناسائی پورے دونوں منطقوں میں نہیں۔ تمام بزرگوں کے تعارفی دائرے مخصوص حلقوں تک محدود ہیں۔

مرحوم کی واقفیت پورے ہندوستان اور پاکستان کے منطقے میں تھی۔ پھر یہ شناسائی افراد و اشخاص تک ہی محدود نہ تھی بلکہ افراد کی ذاتی صلاحیتوں تک سے مولانا کی مردم شناس طبیعت آگاہ تھی۔

جماعت کے ایک ایک فرد، اس کی جائے قیام، جماعتی صلاحیت کار اور طبیعت کے رجحان تک سے موصوف آگاہ تھے۔ اپنے ساتھیوں میں مجھے خیال تھا کہ میری واقفیت زیادہ ہے، لیکن تجربے سے معلوم ہوا کہ جماعت کا حلقہ بحمد اللہ تسلی بخش ہے۔ ملک کے دور افتادہ کونوں اور پہاڑیوں کی وادیوں میں جماعت اپنی سچائی اور دل پذیر اصولوں کی بدولت ترقی کر رہی ہے۔

جھنگڑہ:

مولوی محمد ادریس صاحب نے راولپنڈی سے جلسہ جھنگڑہ کے متعلق اطلاع دی۔ مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ اس گرد و پیش میں بھی اہلِ سنت والحدیث کی کوئی جمعیت ہوگی۔ مظفر آباد، مانسہرہ اور پرسچہ وغیرہ میں توحید و سنت کے اثرات کا کم و بیش علم تھا مگر حویلیاں کے ماحول سے مجھے بالکل لاعلمی تھی۔ وہاں پہنچ کر خوشی ہوئی کہ ایبٹ آباد روڈ پر سلطان پور کے پاس دامنِ کوہ میں یہ بستی آباد ہے۔ حویلیاں سٹیشن سے ڈھائی میل کے قریب یہ بستی ہوگی۔ موسم معتدل، پہاڑوں کی چوٹیاں سرسبز، پانی بافراط اور خوشگوار ہے۔ یہاں مولانا عبدالغنی صاحب کا وجود غنیمت ہے۔ مولانا خاموش اور مخلص بزرگ ہیں۔ آپ کی تعلیم و تربیت سے مولوی عبداللہ صاحب اور حکیم برق ایسے نوجوان اپنی قوتِ عمل اور بصیرت کے لحاظ سے جماعت کے مستقبل کے لیے نیک فال ہو سکتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان نوجوانوں کو توفیق دے

کہ وہ ذاتیات سے اونچے ہو کر جماعت کے مفاد کو مقدم رکھ سکیں۔بعض ذاتی مناقشات کی وجہ سے یہاں جماعت کے مفاد کو بے حد نقصان پہنچ رہا ہے، ورنہ اس علاقے میں کام کے لیے بہترین میدان ہے۔اگر یہاں نظم وضبط سے کام لیا جائے تو دینی مفاد کے علاوہ سیاسی اور معاشی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں۔

خاں مہدی زمان خاں صاحب:

اسی ماحول کے احباب سے خاں مہدی زمان خاں آف کھلا بٹ کو میں دیر سے جانتا تھا۔ خاں موصوف نہایت راسخ العقیدہ موحد ہیں اور علی وجہ البصیرت اس مسلک کے پابند ہیں۔ان کا سیاسی ذوق بھی دیانت کی پابندیوں سے آزاد نہیں۔عموماً پنجاب کا سفر فرماتے ہیں تو ضرور ملتے ہیں۔ خاں صاحب کو اگر ہزار داستاں بھی کہا جائے تو بجا ہے۔ وہ ہر موضوع پر سیر حاصل گفتگو فرماتے ہیں۔ خلافت، کانگریس اور احرار کے سیاسی کارناموں سے ان کا دماغ لبریز ہے۔ان تمام جماعتوں میں تھوڑا بہت کام بھی کیا ہے۔احراری طریقِ کار کے وہ برسوں مداح رہے ہیں اور اس میں کام کرتے رہے ہیں لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ جماعت کے نظم وضبط کی مساعی سے ان کا اعمالنامہ یقیناً خالی ہوگا، حالانکہ وہ اپنے وسیع اثر و رسوخ سے بہت کچھ کام کر سکتے ہیں۔ خاں صاحب معاف فرمائیں، یہ ایسی شکایت ہے جہاں معذرت سے کام نہیں چلے گا۔

سرحدی احباب نے بھی ان کی اس بے عملی کی بہت شکایت کی۔سرحد کے اہلِ توحید شاکی تھے کہ خاں صاحب الیکشن پر تو ہزاروں روپیہ صرف فرما سکتے ہیں لیکن جماعت کا خزانہ ہمیشہ ان کے تاریخی بخل کا شاکی رہا۔ وہ اپنے علاقے کے رؤساء میں شمار ہوتے ہیں،لیکن جماعت ان کے ایسے کارناموں سے یکسر محروم ہے۔

ہم بذریعہ الاعتصام خاں صاحب سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے صوبے میں پوری توجہ اور انہماک سے کام کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کی دینی اور دنیوی ضرورتوں کے لیے حالات ساز گار بنا دے گا اور انھیں اجرِ جزیل عطا فرمائے گا۔

مولانا محمد ادریس صاحب نتھیا گلی، شیخ عبدالرحمان صاحب شیشہ والے پشاور، ایم۔اے، صاحب زادہ صاحب ایل۔ایل۔پی صدر جمعیت اہلِ حدیث مردان اور احباب سرائے صالح و دیگر مخلصین جماعت وہری پور ہزارہ باہم مل کر اپنے حلقے کی جمعیت کو منظم کریں اور کام کو باہمی تعاون سے

مضبوط کریں۔ باطل پرست جماعتیں آپ کے سامنے ترقی کر رہی ہیں اور آپ صرف تماشائی کا فرض انجام دے رہے ہیں ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی ست [1]

جس قدر جلد ممکن ہو سکے خاں مہدی زمان خاں صاحب ان تمام احباب اور دوسرے بزرگوں کو جنھیں جماعت کے معاملات سے ہمدردی ہو اور جماعت کے لیے مفید ہو سکیں، بلائیں اور نتائج سے دفتر کو مطلع کریں۔ دفتر کی خدمات اس کے لیے حاضر ہیں۔

مولانا عبدالغنی صاحب جھنگڑہ علیل ہیں۔ احباب دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صحتِ عاجلہ عطا فرمائے۔ [2]

[1] پری نے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا اور دیو حسن نمائی میں مشغول تھا۔ عقل حیران تھی کہ یہ کیا تماشا ہے!
[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۸ر مئی ۱۹۵۱ء)

جمعیت اہلِ حدیث علاقہ گلیات

علاقہ گلیات ملحقہ کالا باغ میں اہلِ توحید کی تعداد ستر اسی ہزار کے پس و پیش ہو گی۔ یہ حضرات عملاً سب اہلِ حدیث ہیں۔ حضرت سید اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ کی تحریک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنی دیرینہ سادگی اور انگریز دشمنی پر اب تک قائم ہیں۔ بعض نقائص کے باوجود ان کی اکثریت صوم و صلاۃ کی پابند ہے۔ ان میں اکثر زمیندار اور محنتی ہیں۔ موجودہ لا دینی حضریت سے بہت کم مانوس ہیں۔

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی تنظیمی مساعی سے یہ لوگ بھی متاثر ہوئے۔ برادر محترم خان مہدی زمان خاں صاحب اور حافظ محمد اسماعیل صاحب کی مساعی سے ۱۴، ۱۵/ نومبر ۱۹۵۵ء کو کالا باغ میں جلسہ منعقد ہوا۔ راقم الحروف مع خان مہدی زمان خاں صاحب، مولوی عبداللہ صاحب خطیب جامع اہلِ حدیث راولپنڈی، الحاج مولانا محمد یحییٰ صاحب حافظ آبادی، حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح اور مولانا محمد ابراہیم صاحب خادم، ۱۳/ نومبر ۱۱ بجے کالا باغ پہنچے۔ مولانا محمد ادریس صاحب از تتریلہ، مولانا محمود صاحب خطیب جامع اہلِ حدیث کالا باغ استقبال کے لیے موجود تھے۔

اس اجتماع کا فیصلہ فوری طور پر دو چار دن میں ہوا۔ اس خلافِ امید اجتماع اور ملاقات سے علاقے کے احباب بے حد مسرور تھے۔ سر محمد اسلم خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے، سردار فتح محمد خاں صاحب، مولانا محمد ادریس صاحب اور محمد ایوب صاحب ایسے مخلص حضرات سے مل کر بے حد خوش ہوئے۔ تیرہ کو آرام کر کے چودہ کی صبح کو تقریباً ۹ بجے اجلاس شروع ہوا۔ علاقے کے حضرات دُور دراز کا سفر فرما کر سردی کے موسم میں وقت پر اپنے اپنے دیہات سے پہنچ گئے۔

۱۴/ کی صبح کو ٹھیک ۹ بجے اجلاس شروع ہوا۔ تلاوتِ قرآن اور نظم کے بعد مولانا عبداللہ صاحب نے تقریباً دو گھنٹے مختلف عملی خرابیوں کی نشاندہی فرمائی۔ اصلاحی نقطۂ نظر سے تقریر مفید اور بے حد مؤثر تھی۔

نمازِ ظہر کے بعد مولانا یحییٰ صاحب نے تقریر فرمائی۔ یہ تقریر مسلسل نمازِ عصر تک جاری رہی۔ اس تقریر کا لب و لہجہ بھی تعمیری اور اصلاحی تھا، اور تقریر از بس مؤثر تھی۔ حاضرین بہت متاثر تھے۔ اس

کے بعد موسم بہت سرد ہو گیا۔ اجلاس کل پر ملتوی کر دیا گیا۔

عشاء کے بعد قیام گاہ پر مختصر سی ورکرز میٹنگ رکھی گئی۔ علاقے سے امراء اور علماء دونوں موجود تھے۔ جماعت کے نظم کے متعلق دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ تمام احباب نے یقین دلایا کہ آئندہ علاقے میں کام تیزی سے ہو گا اور سب دوست مل کر تندہی اور تعاون سے کام کریں گے۔ اس دور افتادہ علاقے میں سردار فتح محمد خاں ایسے احباب کا وجود بسا غنیمت ہے۔

۱۵ر نومبر کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے جلسہ شروع ہو گیا۔ تلاوتِ قرآن اور نظم کے بعد حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح کی تقریر شروع ہوئی۔ حافظ صاحب نے مسئلۂ توحید کی وضاحت قرآنِ عزیز کی روشنی میں فرمائی۔ قبر پرستی اور بُت پرستی کے نقائص پر سیر حاصل بحث کی۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ سید شہید رحمہ اللہ کے شاگرد اس موضوع سے کس قدر متاثر ہوئے ہوں گے۔ عوام کے چہرے توحید کے اثر سے تمتمارہے تھے۔ نمازِ ظہر کے قریب اجلاس ختم ہوا اور مندرجہ ذیل تجاویز اس اجلاس میں پاس کی گئیں:

1. جماعت اہلِ حدیث علاقہ گلیات کا یہ نمائندہ اجلاس حکومت مغربی پاکستان سے گزارش کرتا ہے کہ حویلیاں اور کالا باغ کے درمیان سڑک براستہ سجکوٹ تعمیر کی جائے۔ اس سڑک سے متعدد فائدے ہوں گے:

ا۔ علاقہ گلیات کے دیہات کا تعلق شہروں اور منڈیوں سے ہو جائے گا۔ اس سے ان علاقوں کی معاشی حالت پر اچھا اثر پڑے گا اور حمل و نقل کے وسائل ارزاں اور سہولت ہو گی۔

ب۔ کشمیر کے موجودہ حالات، آنے والے خطرات اور ڈیفنس کے لیے یہ راستہ قریب اور بہت ہی مفید ثابت ہو گا۔

ج۔ پشاور اور آزاد کشمیر کی سرحد کے درمیان بھی یہ راستہ قریب ترین شاہراہ کا کام دے گا۔

ان فوائد کے پیشِ نظر ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ سڑک جلد از جلد تعمیر کرائی جائے۔

محرک: خان مہدی زمان خاں صاحب

مؤید: مولانا محمد ایوب صاحب

مؤید: سردار سمندر خاں صاحب

2. جماعت اہلِ حدیث علاقہ گلیات کا یہ نمائندہ اجلاس دستور کی ساخت میں غیر معمولی دیر کو تشویش

کی نظر سے دیکھتا ہے اور مزید تشویش اس امر سے محسوس کرتا ہے کہ موجودہ دستور یہ اس برائے نام اسلامی روح کو بھی ختم کر رہی ہے جو مرحوم دستور یہ نے قائم کر رکھی تھی۔

اس لیے ہم پوری وضاحت کے ساتھ کہہ دینا چاہتے ہیں کہ اسلامی دستور کے سوا کوئی دستور قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ اس راہ میں کوئی غلط قدم نہیں اُٹھایا جائے گا، ورنہ ملک میں بے چینی اور پریشانی یقینی ہوگی جو حکومت اور اس کے وقار کے لیے کسی طرح بھی مفید نہیں ہوگی۔

محرک: محمد اسماعیل، ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

مؤید: مولانا محمد ادریس صاحب

مؤید: مولانا محمد ایوب صاحب

3 جماعت اہلِ حدیث علاقہ گلیات کا یہ اہم اجلاس مقبوضہ کشمیر کے معاملے میں مزید انتظار کو پاکستان کے مفاد کے لیے بے حد مضر سمجھتا ہے اور یقین کرتا ہے کہ دیر سے مزید مشکلات پیدا ہوں گی۔

ہم پورے زور سے یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ کشمیر کے مسئلے کا دوٹوک فیصلہ ہونا چاہیے اور پنڈت نہرو کی نفاق آمیز پالیسی کو زیادہ دیر سے مہلت نہیں دینی چاہیے۔ اگر آئینی طور سے رائے شماری نہ ہو تو اسے قوت سے حاصل کیا جائے۔ اس خدمت کے لیے علاقہ کالا باغ کی جماعت اہلِ حدیث ہر خدمت کے لیے تیار ہے، جیسے کہ اس سے پہلے ہم نے جہادِ کشمیر کا حق ادا کیا تھا۔ اپنے پیشوا سید اسماعیل صاحب شہید رحمہ اللہ کی صدائے جہاد تا حال ہمارے کانوں میں ہے۔

محرک: خان مہدی زمان خاں صاحب

مؤید: مولانا محمد ایوب صاحب

4 جماعت اہلِ حدیث علاقہ گلیات، مغربی پاکستان کی وحدت کا خیر مقدم کرتا ہے اور اس کے اندر کسی تقسیم کو پسند نہیں کرتا۔

پختونستان کے نام سے جو تحریک چلائی جا رہی ہے ہم اسے قطعی ناپسند کرتے ہیں اور اسے پاکستان کی سالمیت کے لیے بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں، اس لیے ہم اس تحریک کے بانیوں کو اسلام کے نام پر پُرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ اُسے جلد از جلد بند کریں۔

محرک: خان مہدی زمان خاں صاحب

مؤید: مولوی ادریس خاں صاحب

آزاد کشمیر اور ضلع ہزارہ

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث نے جب سے تبلیغ اور تنظیم کا سلسلہ شروع کیا ہے، بحمداللہ ہر طرف جماعت میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ جماعت کا لاکھوں روپیہ تعلیم اور تبلیغ پر صرف ہو رہا تھا، لیکن نظم نہ ہونے کی وجہ سے وہ چنداں مفید نہیں ہو رہا تھا۔

جمعیت کی تنظیم اور ممبر سازی کا حلقہ آزاد کشمیر ہزارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ آزاد کشمیر کا کچھ حصہ جہلم سے ملحق ہے جس کی نگہداشت حضرت مولانا عبدالمجید صاحب خطیب جامع اہلِ حدیث جہلم فرماتے ہیں۔ مظفر آباد اور اس کے ملحقات کی نگرانی جمعیت اہلِ حدیث راولپنڈی کے سپرد ہے۔ ہماری جماعت کے مخلص اور خوش بیان عالم مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب ذبیح ان علاقوں میں توحید و سنت کی اشاعت کے ذمے دار ہیں۔

کالا باغ:

نتھیا گلی کا سرد علاقہ بھی راولپنڈی کے حلقے میں شامل ہے۔ گذشتہ سال کالا باغ کے دورے سے معلوم ہوا کہ ان اطراف میں جماعت اہلِ حدیث ہزاروں کی تعداد میں پھیلی ہوئی ہے۔ دور افتادہ اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے اس طرف علماء کی آمد و رفت بہت کم ہے۔ اس کے ساتھ ان اطراف کی آبادی بے حد مفلوک الحال ہے، اس لیے صدرِ محترم نے جماعت اہلِ حدیث راولپنڈی کو حکم دیا کہ وہ اس طرف تبلیغی دوروں کا انتظام کرے۔

مظفر آباد:

حافظ اسماعیل کی تجویز سے اس علاقے میں دو دوروں کا فیصلہ کیا گیا۔ پہلا دورہ مظفر آباد کا رکھا گیا۔ جمعیت اہلِ حدیث مظفر آباد کا دوسرا سالانہ اجلاس یکم دو جون ۱۹۵۷ء کو طے پایا۔ اس دورے میں راقم الحروف، مولانا محمد اسحاق قصوری، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب اور مولانا حافظ اسماعیل صاحب ذبیح کے ہمرکاب تھا۔ مظفر آباد میں مخلصین کی ایک مختصر جماعت ہے جس کی ابتداء غالباً محترم

شیخ عبدالغنی صاحب سیشن جج نے فرمائی۔ اس کے ناظم برادر محترم غلام نبی صاحب مشکور ہیں۔ ہم سب رفقاء یکم کی دوپہر کو مظفر آباد پہنچے۔ اجلاس رات نمازِ عشاء کے بعد شروع ہوا۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ شہر میں بریلوی حضرات کی شر پسندی کے باوجود اجلاس بے حد بارونق تھا۔ معززینِ شہر اور سرکاری ملازمین اجلاس میں شریک ہوئے۔ مسجد سامعین سے بھرپور تھی۔ کوچوں میں بھی لوگ بکثرت موجود تھے۔ مختلف مضامین پر تقاریر ہوئیں۔ اثر کا صحیح اندازہ تو مقامی حضرات ہی بتا سکتے ہیں جہاں تک میرا اندازہ ہے اس دفعہ شہر کی فضا گزشتہ سال سے بہت صاف تھی۔ توحید و سنت اور اثباتِ حدیث کے موضوعات پر تقاریر کافی مؤثر تھیں۔ تقاریر کا لہجہ بے حد نرم اور مناسب تھا۔

۳ر جون علی الصبح ہم احبابِ مظفر آباد سے رخصت ہوئے۔ گڑھی حبیب اللہ سے ہوتے ہوئے پورا قافلہ بالاکوٹ پہنچا۔ حضرت سید احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید کے مراقد اور جائے شہادت کو دیکھا، ان کے لیے دعا کی۔ وہ تمام میدان اور پہاڑ جہاں ان شہدائے حریت اور عشاقِ توحید نے حق کی راہ میں اپنے خون کا آخری قطرہ بہا کر اپنی ذمے داریوں کو پورا کیا اور عزیمت کی منازل کو طے فرما کر جنت الفردوس تک پہنچے کتنا درد انگیز ہے؟ یہ خاموش مرغزار آج بھی توحید کے مبارک ولولہ شورِ محشر در آغوش میں ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ ﴾ کی سریلی آواز میں آج بھی اربابِ بصیرت کے کانوں میں گونج رہی ہیں اور ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ کی ندائے عمل سے آج بھی وہاں ایک شور سنائی دیتا ہے۔

یہ سرزمین کس قدر جاذب ہے۔ شہادت کے خون کی خوشبو آج بھی وہاں مہک پیدا کر رہی ہے۔ مئی کوٹ اور بالاکوٹ آج بھی جنت کی شاہراہ محسوس ہوتے ہیں۔ اس وادی میں جو اثر محسوس ہوتا ہے نہ زبان اسے بیان کر سکتی ہے نہ قلم اسے لکھ سکتا ہے۔ یہاں پہنچ کر دل کے کوائف کی دنیا بالکل نرالی ہو جاتی ہے۔

ہم رفقاء نے ان مراقدِ مقدسہ پر حاضری دی۔ اپنے مسلک کے مطابق ان کے لیے دعائیں کیں، اور تعجب ہوا کہ اہلِ شرک کی ذہنیت عجیب و غریب ہے۔ جن بزرگوں کو سکھوں کے ساتھ مل کر ان لوگوں نے انھیں وہابی سمجھ کر شہید کرایا آج ان کی قبروں پر جھنڈے لگا کر ان کی ولایت کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں۔ آج سے ایک صدی قبل ان کا خون بیچا اور آج ان کی ہڈیاں فروخت کرنے کی کوشش ہو رہی ہے!!

بالاکوٹ میں مولانا محمد یونس، مولانا اسرائیل صاحب اور بعض دوسرے اہلِ توحید سے ملنے کا موقع ملا۔ مسرت ہوئی کہ شہید کی آواز میں اثر ہے۔

اس سارے سفر میں رفیق محترم مولانا خان مہدی زمان خاں صاحب کی راہنمائی اور رفاقت بے حد مفید ثابت ہوئی۔ ان کے ہمہ گیر تعارف سے ہمیں ہر جگہ سہولت نصیب ہوئی۔ یہاں سے چل کر رات سرائے صالح پہنچے۔ یہ بستی ہری پور ہزارہ کے بالکل قریب ہے۔ یہاں اہلِ توحید کا بہت پرانا اثر ہے، رات جلسہ ہوا۔ مولانا عبدالغنی شاہ کی تقریر بہت مؤثر ثابت ہوئی۔

صبح وہاں سے رخصت ہو کر کھلا بٹ پہنچے۔ مولانا خان مہدی زمان خاں صاحب کے ہاں تعزیت کی۔ خاں صاحب کی والدہ کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا۔ مرحومہ از بس متدین اور موحدہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اولاد کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ ان کے دو پوتے خان عبدالحمید خاں اور خاں عبدالعزیز خان ہونہار نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں توحید کے خادم بنائے۔ یہاں سے راولپنڈی ہوتے ہوئے پانچ دن کے بعد واپس پہنچے۔

اب دوسرا دورہ ان شاء اللہ ۲۲/ جون ۱۹۵۷ء کو ہوگا۔ کالا باغ اور ہری پور میں جلسے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی مساعی بار آور کرے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۸/ جون ۱۹۵۷ء)

اہلِ حدیث کانفرنس، سرگودھا

میرے تاثرات

کانفرنس کا کھلا اجلاس ۱۴، ۱۵، ۱۶/ مارچ کو تھا، لیکن شوریٰ کا اجلاس ۱۳/ مارچ نمازِ ظہر کے بعد شروع ہونا قرار پایا تھا۔ خیال تھا کہ شوریٰ کا ایجنڈا چودہ تک ختم ہوجائے گا اور چودہ کے کھلے اجلاس میں ہم اطمینان سے شریک ہوسکیں گے۔ سابق تجربہ یہ تھا کہ شوریٰ کی مشغولیت کھلے اجلاس پر اثر انداز ہوتی۔ ارکانِ شوریٰ کھلے اجلاسوں میں بعض وقت حاضر نہ ہو سکتے لیکن امسال بھی یہ تجربہ چنداں کامیاب نہ ہوسکا۔ شوریٰ کے ایجنڈے اور قرار دادوں پر بحث کسی قدر لمبی ہوگئی۔ ایجنڈا بمشکل ۱۵ کی صبح کو ختم ہوا۔

جماعت میں بیداری:

یہ خوشی کی بات ہے کہ اراکینِ شوریٰ اکثر ۱۳/ مارچ قبل دوپہر پہنچ گئے۔ ظہر کے بعد کورم سے کہیں زیادہ شوریٰ میں شریک ہوئے۔ شوریٰ کے اجلاس سرگودھا کمپنی باغ میں جناح ہال کی کھلی اور شاندار عمارت میں منعقد ہوئے۔ گیلری میں وزیٹر حضرات موجود تھے جن کے لیے الگ ٹکٹ جاری کیے گئے تھے۔ شکر ہے کہ امسال پولیس نے شوریٰ میں مداخلت کی کوشش نہ کی۔

عرصے سے عام مجالس میں مفت کھانے کا انتظام کرایا جاتا ہے۔ دو روپے میں چھے وقت کا کھانا مجلسِ استقبالیہ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ اراکینِ شوریٰ تین روپے ادا کرتے ہیں۔ اس میں علماء اور غیر علماء میں کوئی امتیاز نہیں۔ احباب خوشی سے استقبالیہ کی فیس ادا کر کے کھانا کھاتے ہیں۔ جماعت میں بیداری اور مفت خوری سے پرہیز اور اجتناب قابلِ مسرت ہے۔

اراکینِ استقبالیہ:

مولانا رضاء اللہ ثنائی، ملا عبدالعزیز، مولوی عبدالستار، مولوی عبدالغنی صاحب، میر عبدالرحیم صاحب

کی مخلصانہ مساعی سے انتظام ہر لحاظ سے قابلِ تعریف تھا۔ باغ کی مغربی دیوار کے ساتھ دور تک بیت الخلا کی قطار چلی گئی تھی جس میں پردے کا مکمل انتظام تھا۔ پانی کا انتظام نہایت معقول تھا۔ ایک پلاٹ میں چٹائیاں بچھا دی گئی تھیں۔ امامت کے فرائض مولانا محی الدین لکھوی اور حافظ محمد صاحب انجام دیتے رہے۔ وضو کے لیے نال لگا کر بہت اچھا انتظام کرایا تھا۔

ہال کی غربی دیوار کے ساتھ مکتبہ سلفیہ لاہور، سکول بک ڈپو گوجرانوالہ، اشاعۃ السنۃ لاہور کے علاوہ مکتبہ نعمانیہ گوجرانوالہ کے بک سٹال تھے جن میں جماعت کا قدیم اور جدید لٹریچر سلیقے سے فروخت ہو رہا تھا۔

تیسرے پلاٹ میں ہر ضلع کے لیے ٹینٹ لگا دیے گئے۔ اسٹیشن اور بسوں سے اترنے والے مہمان بلا تکلیف اپنی اپنی قیام گاہ میں پہنچ جاتے تھے۔ بسوں کے تمام اڈے کمپنی باغ کے سامنے تھے۔ راقم الحروف ناظمِ اعلیٰ کا خیمہ بھی وہیں تھا۔ مجھے بحمد اللہ کسی مہمان سے کوئی شکایت نہیں پہنچی۔

سندھ سے حکیم عبدالمجید شیداد پوری، کوہاٹ سے مولانا محمد عارف صاحب، ہزارہ سے خان مہدی زمان خان صاحب، کالا باغ آزاد کشمیر، سرحد پشاور سے مہمان پہنچ چکے تھے۔ سرگودھا ایسے دور افتادہ علاقے میں آدمیوں کا سمندر دکھائی دیتا تھا۔ اس کے باوجود کہ اس علاقے میں جماعت کے افراد کسی قدر کم ہیں، مولانا عبدالرحمان صاحب پنجابی دہلوی اور مولانا فقیر اللہ مرحوم مدراسی کا یہی وطنِ مالوف ہے۔ اور اہلِ حدیث اہلِ علم اس علاقے میں پیدا ہوئے، لیکن لا دینی ذہنیت کی وجہ سے تحریک زیادہ بار آور نہ ہو سکی۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مع خاندان یہاں تشریف لائے۔ ان کے علاوہ امرتسر اور ریاست فرید کوٹ وغیرہ سے اور بھی اہلِ توحید یہاں آ کر آباد ہو گئے۔ مولانا امرتسری مرحوم نے مسجد کی تعمیر کے لیے ابتداءً کوشش فرمائی۔ اس وقت ۱۹۔ بلاک میں ایک عظیم الشان مسجد تعمیر ہو چکی ہے جس کی ماہوار آمدنی بحمد اللہ ہزار بارہ سو کے پس و پیش ہے۔ مولانا محمد اسحاق صاحب قصوری یہاں آج کل خطیب ہیں جو نہایت محنتی عالم اور مخلص ہیں۔ سرگودھا کانفرنس مولانا اور ان کے مخلص ساتھیوں کی مرہون ہے۔ اب اللہ کے فضل سے یہاں مضبوط اور فعال جماعت موجود ہے جس کی تبلیغی کوششیں ضلع کے علاوہ جوہر آباد، میانوالی تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے مال و جان میں برکت فرمائے۔

مجلسِ شوریٰ:

۱۴ر مارچ دوپہر سے پہلے مندوبین قریباً پہنچ گئے تھے۔ ظہر کے وقت مجلسِ شوریٰ کا اجلاس شروع ہو گیا۔ ناظمِ اعلیٰ کی رپورٹ اور ناظمِ مالیات کی رپورٹ مع بجٹ اپنے وقت پر اراکینِ شوریٰ کے میزوں پر تقسیم کر دی گئیں۔ ناظمِ اعلیٰ کی رپورٹ میں بعض دوسرے کوائف کے علاوہ جماعت کی تبلیغی کوشش پر روشنی ڈالی گئی۔ ناظمِ مالیات نے حسابات کی تفصیل اور گوشوارہ سامنے رکھا اور آیندہ سال کا بجٹ منظوری کے لیے پیش کر دیا۔ باقی ایجنڈے پر بھی دلچسپ بحث ہوتی رہی۔ صاحبِ صدر مناسب اوقات میں ہاؤس کی راہنمائی کرتے رہے اور یہ قافلہ آگے بڑھتا رہا۔ کبھی نرمی کبھی گرمی، کبھی تلخی کبھی مذاق جو ایسی مجالس کی خصوصیت ہوتی ہے۔ اسی انداز سے مباحث کے مختلف حصے ہوتے رہے۔ مباحث میں احباب کا خلوص اور اس کا انداز بے حد دل کش تھا۔

دوسرا پہلو:

جہاں یہ کیفیت موجود تھی وہاں ایک چیز قابلِ تاسف تھی۔ مولانا محی الدین احمد قصوری ناظمِ تعلیمات کسی وجہ سے اجلاس میں شامل نہ ہو سکے، بلکہ اپنا استعفا بھیج دیا جو بادلِ ناخواستہ منظور کرنا پڑا۔ الحاج محمد اسحاق صاحب حنیف قلب کے عارضے سے مریض تھے۔ ایک ماہ سے زیادہ وہ میو ہسپتال میں رہے۔ اب گھر میں صاحبِ فراش ہیں۔ ڈاکٹر نے انھیں سفر کی اجازت نہ دی۔ امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد کے جنازے پر بذریعہ ہوائی جہاز وہ دہلی پہنچے تھے۔ اس سفر کا اثر ان کی صحت پر اچھا نہیں پڑا۔ میاں محمد عالم ناظمِ تعمیرات کی کار کا ایکسیڈینٹ ہوا۔ میاں صاحب تاحال میو ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ ان کا بازو دو جگہ سے اور ٹانگ دو جگہ سے ٹوٹ چکی ہے، اس لیے یہ حضرات اجلاس میں شامل ہو سکے نہ ہم ان کے افکار سے مستفید ہو سکے۔ احباب دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان حضرات کو صحتِ عاجلہ عطا فرمائے، تاکہ جماعت ان کے فیوض سے مستفید ہو سکے۔ اَللّٰھُمَّ اشْفِھِمْ بِشِفَائِكَ، وَدَاوِھِمْ بِدَوَائِكَ، وَاشْفِھِمْ شِفَاءً عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ.

ناظمِ تعلیمات کا استعفا منظور کیا گیا اور ان کی جگہ ڈرامائی انداز سے مجھے جکڑ دیا گیا، حالانکہ اتنے کام کے لیے نہ مجھے فرصت ہے نہ میں اس کے لیے تیار۔ احباب کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا گیا۔ امید ہے کہ اس کام کے لیے احباب سے کچھ نہ کچھ صاحب تیار ہو جائیں گے۔ میرے خیال

میں مولانا معین الدین لکھوی میونسپل کمشنر و مہتمم جامعہ محمدیہ اوکاڑہ، مولانا محمد اسحاق صاحب خطیب جامع سرگودھا، مولانا محمد صدیق صاحب خطیب جامع لائل پور، مولانا عبدالمجید صاحب مدیر جریدہ اہلِ حدیث مجھ سے کہیں زیادہ اس کے اہل ہیں۔ رَزَقَهُمُ اللّٰهُ التَّقْوىٰ وَالْإِخْلَاصَ.

۱۳/ مارچ شوریٰ کے اجلاس کانفرنس کی مجالس کے ساتھ چلتے رہے۔

کانفرنس کا کھلا اجلاس:

۱۴ کی شام کو مولانا اسحاق نے فرمایا: صاحبِ صدر کی طبیعت کمزور ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ خطبۂ جمعہ میں دوں، لیکن کانفرنس کے متعدد دوروں اور مختلف مجالس میں حاضری کی وجہ سے گلا خراب ہو چکا تھا۔ بدن میں بے حد کوفت تھی، اس لیے خطبۂ جمعہ باجازتِ صدر خطیب جامع لائل پور امین پور بازار نے دیا۔ مولانا ہمارے نوجوان دوستوں سے بہترین خطیب ہیں اور شیعہ اور بریلوی لٹریچر پر ان کا عبور قابلِ رشک ہے۔ خطبۂ جمعہ میں حاضری بہت تھی۔

نمازِ جمعہ کے بعد عزیزی مولانا رضاء اللہ صاحب، جو حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب کے پوتے ہیں، عزیزِ محترم کے کھڑے ہوتے ہی یکا یک ذہن مولانا ثناء اللہ صاحب مرحوم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ کوئی وقت تھا کہ مولانا مرحوم ان مجالس کی زینت ہوتے تھے۔ کوئی جلسہ مرحوم کے بغیر سجتا نہ تھا، لیکن آج جلسہ ایسے شہر میں ہو رہا ہے جس کے ایک گوشے میں مرحوم آرام فرما ہیں، لیکن مجلس ان سے خالی ہے۔ خطبۂ استقبالیہ میں جب حضرت مولانا کا تذکرہ آیا تو مولانا رضاء اللہ کی آواز بھرا گئی اور پورا مجمع ہچکیوں میں کھو گیا، اور یہ بارگاہِ مسرت چند لمحوں کے لیے مجلسِ عزا ہو گئی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ.

دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں، لیکن جانے والوں سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ نہیں پاٹا جا سکتا۔

مولانا رضاء اللہ صاحب کے بعد صدرِ محترم خطبے کے لیے مائیکروفون کے سامنے آئے۔ خطبۂ استقبالیہ طبع ہو چکا تھا لیکن خطبۂ صدارت طبع نہ ہو سکا۔ صدرِ محترم نے خطبے کے آغاز ہی میں امام الہند حضرت مولانا ابو الکلام اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب جانشین شیخ الہند کا ذکر فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی صدرِ محترم کی ہچکیاں بندھ گئیں اور پورا مجمع تھوڑی دیر کے لیے ہچکیوں کی نذر ہو گیا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جس پر آنسوؤں کی جھڑیاں نہ بندھ رہی ہوں۔ چند لمحوں کے لیے مولانا رک گئے اور مجمع پر خاموشی طاری ہو گئی۔

خطبۂ صدارت:

خطبۂ صدارت کیا تھا، ایک بحرِ مواج تھا۔ عبارت کا تسلسل، جذبات کی فراوانی، ارشادات میں خلوص کے ساتھ والہانہ محبت، مخالفینِ سنت پر اور منکرین پر مدلل اور کڑی تنقید۔ محسوس ہوتا تھا کہ یہ آواز ایسے دل سے نکل رہی ہے جو سنت کی محبت سے معمور ہے۔ گو وہ بے بس ہے، لیکن منکرینِ سنت کی شرانگیز عیاریوں سے پوری طرح آگاہ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا انکارِ سنت کے قلعوں پر پے بہ پے حملہ آور ہو رہے ہیں اور یہ حملے اس وقت تک جاری رہیں گے تا آنکہ انکارِ سنت کے ان قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ اس مقام پر علالت اور نقاہت کے باوجود مولانا کی آواز میں گرج پیدا ہوگئی۔ پورے مجمعے پر سکتہ طاری تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بقول مولانا اسحاق: ابوالکلام اپنی خطیبانہ رعنائیوں کے ساتھ وقف خرام ہیں۔ خطبے کے محتویات کا تذکرہ میری بساط میں نہیں نہ قلم میں ہمت ہے کہ ان حقائق کو اگل سکے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ روح الامین صدرِ محترم کی تائید کر رہا ہے۔ عنقریب خطبہ بذریعہ الاعتصام آپ کے سامعہ نواز ہوگا اور عنقریب مطبوعہ خطبہ حضرات تک پہنچ جائے گا۔

خطبے کے ایک حصے میں منکرینِ سنت پر مدلل تنقید تھی۔ دوسرے حصے میں اہلِ بدعت کی بدعت اور غلط روی کا تذکرہ تھا۔ ایک حصے میں مسلکِ اہلِ حدیث کی وضاحت اور فقہی جمود پر خوشگوار مکمل مدلل بحث، اس کے بعد جماعت کے ساتھ لزوم، مرکزی جمعیت کے ساتھ وفاداری کا تذکرہ تھا۔

آخر میں دین پسند جماعتوں کو تلقین فرمائی گئی تھی کہ وہ اعتصام بحبل اللہ کریں اور جمع کلمہ کے لیے تیار، ورنہ وقت تمھارا انتظار نہیں کرے گا۔ حقیقت پسند جماعتیں بہت آگے نکل چکی ہیں اور معلوم ہے کہ تیز رو مسافر کم ہمت اور غفلت شعار ساتھیوں کا انتظار نہیں کریں گے۔

سب سے آخر میں دین پسند جماعتوں کے انتشار اور باہم اختلافات پر اظہارِ افسوس کیا گیا تھا۔ ایک واقف کار اور حقیقت آگاہ انسان کی طرح دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث کے اختلافات کا دردمندانہ تذکرہ فرمایا گیا تھا اور دعوت دی گئی تھی کہ تمام دین پسند جماعتیں الحاد اور فحاشی کا مقابلہ کریں اور قرآن وسنت کے نفاذ کے لیے کوشش کریں۔

نمازِ عصر کے لیے جلسہ برخاست ہوا۔ دوسرا اجلاس نمازِ عشا کے بعد شروع ہوا۔ اتوار رات

بارہ بجے تک تقاریر اور تجاویز پاس ہوتی رہیں اور اجلاس خیر و خوبی سے ختم ہوا۔ علماء کی اس قدر کثرت تھی بعض حضرات کو تقاریر کا وقت ہی نہ دیا جا سکا۔ مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی اپنے انداز پر ایک مفصل تقریر فرما کر جلدی واپس تشریف لے گئے۔ ۱۶ کی رات اور ۱۷ کی صبح تک تمام مہمان واپس تشریف لے گئے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسنِ عمل اور اخلاص کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور مولانا رضاء اللہ صاحب ثنائی، مولانا ذکاء اللہ صاحب، مولوی عبدالستار صاحب، میر عبدالرحیم صاحب کو توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ زیادہ سے زیادہ توحید و سنت کی اشاعت کر سکیں اور صدرِ محترم کی آرزو زیادہ سے زیادہ پوری ہو۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۸/ مارچ ۱۹۵۸ء)

جلسہ انجمن اہلِ حدیث سرگودھا

سرگودھا کسی وقت دور افتادہ شہر سمجھا جاتا تھا۔ صرف شیخ فضل کریم صاحب مرحوم کا گھر توحید و سنت سے مانوس تھا۔ ۱۹۴۷ء کے انقلاب میں امرتسر وغیرہ مقامات سے بہت سے اہلِ توحید وہاں آباد ہوئے۔ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مغفور نے بھی وہیں سکونت اختیار فرمائی، بلکہ حضرت مرحوم کی دائمی اِقامت کے لیے بھی قدرت نے یہی شہر انتخاب فرمایا۔ جہاں مرحوم نے زندگی کے آخری ایام گزار کر جنت کی راہ لی اور سرگودھا کے قبرستان کو اپنے قیام سے برکت بخشی۔ مرحوم نے آخری ایامِ حیات میں مسجد اہلِ حدیث کی تعمیر کے لیے کوشش فرمائی۔ جماعت کے تعاون سے ایک وسیع قطعۂ اراضی اسی غرض کے لیے حاصل کیا، جس پر ایک سادہ مگر وسیع مسجد تعمیر ہو چکی ہے۔

جماعت کے صدر برادرِ محترم مولانا رضاء اللہ صاحب نبیرہ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب ہیں، جو ایک نوجوان عالم ہیں۔ سرگودھا میں کاروبار کر رہے ہیں۔ جماعت کے ناظم میاں عبدالعزیز صاحب ہیں۔ وہ بھی غالباً امرتسر ہی سے آئے ہوئے ہیں۔

جماعت اس وقت اچھا کام کر رہی ہے۔ مخلصینِ جماعت میں بعض حضرات توحید و سنت کی اشاعت میں از بس سرگرم ہیں۔ خدا تعالیٰ انھیں مزید کام کی توفیق عطا فرمائے اور اعمال میں خلوص نصیب کرے۔

۱۵۔ ۱۶/ مئی ۱۹۵۲ء انجمن اہلِ حدیث سرگودھا کا جلسہ تھا۔ صدر جمعیت اہلِ حدیث پاکستان حضرت مولانا محمد داود صاحب غزنوی ۱۵/ مئی کی صبح کو سرگودھا پہنچ گئے تھے۔ جمعہ وہیں پڑھایا۔ مولانا عبداللہ ثانی، مولانا احمد دین گکھڑوی، حافظ محمد یوسف، مولوی یحییٰ حافظ آبادی، اور بھی بہت سے علماء پہنچ گئے تھے۔ جلسہ باہر باغ میں تھا۔ علماء نے مختلف مضامین پر بڑی سنجیدہ تقاریر کیں۔ مولوی احمد دین صاحب کی آخری تقریر کا عنوان ''دو مسیح'' تھا۔ تقریر بڑی دلچسپ تھی۔ مولانا نے مسیحِ قادیان اور حضرت مسیح علیہ السلام میں فرق بتایا۔ آنحضرت کے بتائے ہوئے نشانات کی روشنی میں واضح فرمایا کہ مسیح قادیانی

میں وہ نشانات نہیں پائے جاتے۔ ۱۶؍مئی کی رات کو گیارہ بجے جلسہ بڑی خیر وخوبی سے ختم ہوا۔

جماعتوں کو چاہیے کہ سالانہ جلسے کے علاوہ بھی علاقے میں کام کریں۔ توحید وسنت کی اشاعت، اعمالِ صالحہ کی عوام کو ترغیب دلائیں۔ جلسہ تعارف کا ذریعہ ہے، کام اس کے بعد شروع ہوتا ہے۔

انجمن اہلِ حدیث سرگودھا نے اپنی مجلسِ شوریٰ میں جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا۔[1]

---

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۲۳؍مئی ۱۹۵۲ء)

سرگودھا اور جہلم میں جماعت اہلِ حدیث کے اجلاس

اور علاقہ آزاد کشمیر میں حضرت مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب روپڑی کی تبلیغی کوششیں

تقسیم کے بعد کشمیر میں جو دھاندلی مچی، اس کی وجہ سے جماعت اہلِ حدیث پر بے حد مصیبت آئی۔ ہزاروں بے چارے کیمپوں میں زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں اور سیکڑوں موت کی آغوش میں سو چکے ہیں۔ اس کے باوجود بہت بڑی جمعیت صبر و استقلال سے باڈر کے متصل حفاظتی دستوں کا کام دے رہی ہے۔ اس علاقے کے بیدار مغز ورکروں کی کوششوں سے نومبر میں کوٹلی تحصیل میر پور میں ایک تبلیغی جلسہ ہوا۔

محترم مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب روپڑی وہاں تشریف لے گئے۔ مختلف مضامین پر محترم حافظ صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ عمائدِ حکومت اور دوسرے افسروں نے ہمدردی اور دلچسپی سے یہ تقریریں سنیں، بلکہ جلسے کے انتظامات میں کافی حد تک تعاون فرمایا، جس کے لیے جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان ان کی ممنون ہے۔

اسی قسم کی تبلیغی کوششیں پچھلے دنوں سرگودھا اور جہلم میں کی گئیں۔ سرگودھا میں محرم کے دنوں میں شیعہ حضرات نے بڑی دلخراش صورت پیدا کی۔ اس کے کچھ دن بعد سیرت کے جلسوں کا ڈھونگ رچا کر عامۃ المسلمین کو گمراہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس پر سرگودھا کے تمام مسلمانوں نے مل کر شیعہ دسیسہ کاریوں کا تار پود بکھیرا اور بہترین اور کامیاب جلسے کیے۔ اُمید ہے دوسری جماعتیں بھی اپنی ذمے داریوں کو محسوس کرتے ہوئے اپنے فرائض کو انجام دیں گی، مرکزی جمعیت ہر ممکن تعاون کے لیے تیار ہے۔

ان جلسوں میں اس چیز پر اِظہارِ افسوس کیا گیا کہ پاکستان کے آئین کی تشکیل میں بلاوجہ التوا ہو رہا ہے۔ حکومت کو جلد از جلد شرعی قوانین نافذ کر کے اس حکومت کو خالص دینی حکومت قرار دے دینا چاہیے اور خود حکامِ بالا اور اربابِ حل وعقد کو اسلام کے احکام کا پابند ہونا چاہیے۔

جہلم میں مولانا عبدالمجید صاحب دینانگری اور دوسرے مقامی دوستوں اور بزرگوں کی مساعی سے کافی کام ہو رہا ہے۔ مولانا ایسے حضرات کا وجود جماعت کے لیے بہت غنیمت ہے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۵ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

چوتھی سالانہ اہلِ حدیث کانفرنس گوجرانوالہ

تاریخوں کی تبدیلی

مجلسِ استقبالیہ اہلِ حدیث کانفرنس گوجرانوالہ کی خواہش کے مطابق کانفرنس کی مشتہرہ تاریخیں تبدیل کر دی گئی ہیں۔ مجلسِ استقبالیہ کی رائے میں گرمی کی شدت کانفرنس کی کامیابی کی راہ میں مشکلات کا باعث ہوگی۔ نہ باہر سے نمایندگان کافی تعداد میں آسکیں گے نہ شرکائے کانفرنس سکون و اطمینان کے ساتھ علمائے کرام کے ارشادات سن سکیں گے۔

اس کے علاوہ مجلسِ عاملہ کی رائے میں رُکن سازی کی مہم نے اس دفعہ اس قدر وسعت حاصل کر لی ہے کہ دو ماہ کے اندر ابتدائی جماعتوں کے انتخابات مکمل نہیں ہو سکے۔ ایک لاکھ کے قریب فارم رکنیت تقسیم ہو چکے ہیں اور ابھی مانگ جاری ہے۔ اس کے علاوہ بڑی وجہ رمضان المبارک کے روزے بھی ہیں۔ گرمی اور روزے کی وجہ سے تقریباً تمام کام رکا رہا۔ اس طرح پورا ایک مہینا کام نہیں ہو سکا۔

اس لیے مجلسِ عاملہ نے فیصلہ کیا ہے کہ مئی اور جون میں ابتدائی شہری اور ضلعی جمعیتوں کے انتخابات مکمل کیے جائیں اور جولائی میں کانفرنس کا اجلاس طلب کیا جائے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۵/ مئی ۱۹۵۶ء)

حضرت العلامہ خلیل حفید شیخ حسین بن محسن الانصاری

چوتھی سالانہ اہلِ حدیث کانفرنس گوجرانوالہ کے صدر منتخب کیے گئے

مجلسِ عاملہ کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ جماعت کے مقتدر اہلِ علم کی خداداد قابلیتوں سے استفادہ کیا جائے اور اپنے قومی اجتماعات ان کی صدارت میں منعقد کر کے ان کی راہنمائی حاصل کی جائے۔ چناں چہ اس دفعہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حضرت العلامہ خلیل بن محمد بن شیخ حسین بن محسن الانصاری (متعنا اللہ بطول بقائہ) گوجرانوالہ کانفرنس کی صدارت فرمائیں۔

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ خاتمۃ المحدثین شیخ حسین بن محسن الانصاری رحمہ اللہ، حضرت نواب صدیق حسن رحمہ اللہ کی استدعا پر یمن سے ہند تشریف لائے۔ ان کے فیوضِ علمیہ سے خود نواب صاحب بھی مستفید ہوئے اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ کے اکثر تلامذہ ان سے بھی مستفیض ہوئے۔ حضرت علامہ خلیل الانصاری اس خانوادۂ علم و فضل کے روشن چراغ ہیں۔ ان کی علمی اور ادبی فضیلتوں سے برصغیر پاک و ہند کے علماء خوب واقف ہیں۔ حضرت العلامہ نے شروع میں اپنی علالت اور ضعف کا عذر کیا، لیکن بالآخر ہماری گزارشات کو انھوں نے شرفِ قبولیت بخشا اور آج ہم نہایت مسرت سے اعلان کرتے ہیں کہ سالانہ اہلِ حدیث کانفرنس گوجرانوالہ کی کرسیِ صدارت کو حضرتِ علامہ زینت بخشیں گے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۵؍ مئی ۱۹۵۶ء)

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان اور اس کے معاونین

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تاسیس ۱۹۴۸ء میں ہوئی اور اواخر مئی ۴۹ء میں مجھے اس کی نظامت سپرد کی گئی۔ جہاں تک جماعت کے پھیلاؤ کا تعلق ہے، اس کی تعداد بحمد اللہ لاکھوں سے متجاوز ہے، بلکہ پنجاب اور آزاد کشمیر کی حدود میں باڈر کے قریب اکثر اہلِ حدیث آباد ہیں۔ اتنی بڑی تعداد کسی تنظیم کے بغیر اب بھی بڑھ رہی ہے۔ مبلغین اور لٹریچر کی کمی کے باوجود اعتقاد اور عمل کی جاذبیت اس کی ترقی کا موجب ہو رہی ہے۔ نظامت کے سلسلے میں مجھے ایسے علاقوں سے گزرنے کا موقع ہوا جہاں مجھے وہم بھی نہ تھا کہ کوئی توحید و سنت کا شیدا ہوگا، لیکن معمولی تلاش سے سیکڑوں آدمی ملے، جو نہ صرف خود سنت سے شغف رکھتے ہیں، بلکہ مشکلات میں گھرے ہونے کے باوجود اللہ کے بھروسے پر تنہا جماعت بنے ہوئے ہیں اور اپنی بساط کے مطابق اپنے گرد و پیش پر چھائے ہوئے ہیں۔

ہندوستان میں آغاز:

آغازِ تحریک میں اجتماعیت اور مرکزیت کا شعور بے حد پختہ اور مکمل تھا۔ سکھوں اور اس کے بعد انگریزوں کے لیے یہی مرکزیت پریشانی کا موجب رہی۔ بنگال اور بہار کے گرم اور تمازت انگیز میدانوں سے لے کر افغانستان کی برفانی پہاڑیوں تک اس مرکزیت کا غلغلہ تھا۔ بے نوا فقیر اسی مرکزیت کے سہارے پر ایک شہنشاہیت کے لیے لرزہ اور ارتعاش کا سبب بنے ہوئے تھے۔ ڈبلیو ہنٹر کی رپورٹ ان مساعی کے لیے ایک دشمن کی سچی اور ناگزیر شہادت ہے۔

انفرادی رجحانات:

انیسویں صدی کے آخری نصف میں تحریک کی سیاسی دوڑ دھوپ میں فتور پیدا ہوا اور ناگزیر وقتی تقاضوں کے سبب تحریک کا رُخ سیاسیات سے بالکل ہٹ گیا، یا کم از کم اس کے ظاہری اعمال میں جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت ختم ہوگئی اور اس کا رخ رسمی مناظرات اور حسبِ اصطلاحِ مناظرین جہاد

بالقلم اور جہاد باللسان کی طرف بدل گیا، اور کچھ باہمی تنازعات نے اس بے توجہی میں مزید اضافہ کیا۔ یہیں سے جماعت میں انفرادی رجحانات بڑھنے شروع ہوئے اور مرکزیت کمزور ہونا شروع ہوئی۔ جماعت کے اچھے اچھے ہمدرد اور اہلِ علم مرکزیت کے ساتھ اِلحاق سے گھبراتے ہیں اور عجیب عجیب قسم کے سوالات کرتے ہیں۔ بالمشافہہ گفتگو سے ایسے سوالات کا جواب اور شبہات کا ازالہ آسان تھا۔ مگر اس کے لیے فنڈ کہاں سے آتا؟ اس لیے میں نے قریباً ۵ ماہ سے اس طرف تحریری طور پر توجہ دلانا شروع کیا۔ اس وقت پاکستان کے منطقے میں مقامی جماعتوں کی تعداد سیکڑوں سے زائد ہے، مگر وہ مرکز کے ساتھ اِلحاق اور تعاون سے گھبراتے ہیں۔ كَأَنَّمَا يُسَاقُوْنَ إِلَى الْمَوْتِ!

کوئی صاحب دریافت فرماتے ہیں: مرکز ہمیں کیا دے گا؟ کوئی پوچھتا ہے: مرکز کیا لے گا؟ کوئی دریافت کرتا ہے: ہمارے اختیارات تو سلب نہیں کر لیے جائیں گے؟ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذہن مرکزیت کی برکات سے بالکل خالی ہیں اور انفرادیت اور مقامی اختیارات بھوت کی طرح ذہنوں پر چھائے ہوئے ہیں۔

بعض حضرات ساری سچائیوں کا معیار روپیا سمجھتے ہیں۔ دریافت فرماتے ہیں کہ جمعیت مرکزیہ کے پاس فنڈ کتنا ہے؟ اور تعجب اس پر ہے ایسی اُلجھنیں علماء پیدا کر رہے ہیں، جن کا ذہن اجتماعیت کے لیے کبھی بھی مکدر نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے باوجود شکر ہے کہ جماعت کی اکثریت کا ذہن اس معاملے میں بالکل صاف ہے۔ وہ نظم اور اجتماعیت کی برکات سے پوری طرح آشنا ہیں۔ اس وقت خط کتابت سے قریباً چالیس اہم اور کارکن جماعتیں الحاق کر چکی ہیں۔ تعداد بحمد اللہ روز بروز بڑھ رہی ہے۔

امسال دفتر کی مالی اعانت کے لیے اپیل کی گئی، جن احباب نے دفتر سے تعاون فرمایا ہے، ان کے اسمائے گرامی شکریے سے درج کیے جاتے ہیں اور جن احباب نے وعدے فرمائے ہیں، ان سے گزارش ہے کہ اپنی رقوم جلد از جلد ارسال فرما کر شکریہ کا موقع دیں، اور جو ابھی سوچ رہے ہیں، جلد از جلد فیصلہ کر کے جماعت کی اجتماعی قوت کو مضبوط کریں، تا کہ آیندہ تعمیری کام علی وجہ البصیرت شروع کیے جائیں:

① محترم شیخ عبدالمجید صاحب تاجر چرم، وزیر آباد	۵۰۰/-
② محترم شیخ خدا بخش صاحب، گوجرانوالہ	۱۰۰/-
③ محترم شیخ احمد دین صاحب تاجر ظروف، گوجرانوالہ	۵۰/-
④ جمعیت اہلِ حدیث منڈی بورے والا	۲۰/-

⑤ مولانا علی محمد صاحب صمصام ۱۰/-
⑥ جمعیت اہلِ حدیث خانیوال ۱۰۰/-
⑦ محترم حکیم عبداللطیف صاحب، ایبٹ آباد ۲۰/-
⑧ محترم صوفی نذیر حسین صاحب (نائب صدر جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان، گوجرانوالہ) ۱۰۰/-
⑨ جمعیت اہلِ حدیث، جہلم شہر ۵۰/-

یہ رقوم اکثر جمعیتوں کی طرف سے ہیں اور بعض شخصی طور پر عطا کی گئی ہیں۔ محترم شیخ عبدالمجید صاحب وزیر آبادی ان مخلصین سے ہیں جو جماعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی فرما سکتے ہیں۔ ان کا وعدہ ہے، اگر جمعیت کوئی تعمیری کام شروع کرے تو وہ سفید چیک دینے کے لیے تیار ہیں۔ جَزَاہُ اللّٰہُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ، وَبَارَکَ لَہُ فِيْ أَھْلِہٖ وَمَالِہٖ.

عزیزی مولوی محمد افضل صاحب منڈی بورے والا ہمیشہ سابقین سے رہے ہیں۔ ایسے مخلص نوجوان جماعت کے مستقبل کے لیے نیک فال ہیں۔ کَثَّرَ اللّٰہُ أَمْثَالَہٗ.

مولوی عطاء اللہ صاحب حنیف بھوجیانی، عزیزی مولانا معین الدین صاحب، جبی مولوی محی الدین صاحب لکھوی (ایم۔ ایل۔ اے)، مولوی داود صاحب ارشد، مولوی شمس الحق صاحب ملتانی، حافظ اسماعیل صاحب روپڑی، مولوی عبدالغنی صاحب سرگودھا، حافظ اسماعیل صاحب راولپنڈی اور حافظ نصیر الدین صاحب راولپنڈی؛ وہ حضرات ہیں جنھیں جماعت کے نظم اور ترقی سے ایک گونہ عشق ہے، لیکن جماعت کی مالی اصلاح کے لیے ان حضرات نے بہت کم توجہ فرمائی۔ اگر یہ حضرات اپنے اثر و رسوخ کو صحیح طور پر استعمال فرماتے تو آج دفتر کے پاس ہزاروں روپے کا فنڈ موجود ہوتا۔

حضرت صدرِ محترم مولانا غزنوی۔زیدت برکاتھم۔ کا علم و تدبر ہمارے لیے بہترین تعاون ہے اور ان کی راہنمائی موجبِ فخر۔ اگر ان کے مشاغل کی فراوانی مجھے پیشِ نظر نہ ہو تو اس معاملے میں ان کی بے توجہی سب سے زیادہ قابلِ شکایت ہے۔ ان کی ہمہ گیر شخصیت کی ادنیٰ توجہ سے جمعیت کی مالی حالت جلد از جلد درست ہو سکتی ہے۔ یہ برادرانہ اور صحیح شکوہ ہے، ورنہ ان کا خلوص اور تدبر بہترین معاون رہا ہے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۴؍ جون ۱۹۵۱ء)

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی خدمات

اور اس کے مالی استحکام کے سلسلے میں ضروری گزارشات

انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد ملک کی جو حالت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ۱۹۴۸ء کے آخر تک ملک میں خلفشار اور حالات کی ناہمواری کے باعث نہ کسی کو اطمینان حاصل تھا اور نہ طبیعتوں میں یکسوئی تھی۔ مہاجرین کے لیے آبادکاری کی کوئی معقول سکیم نہ تھی، اس لیے ملک میں عام انتشار، پراگندگی اور سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی۔ غرض یکسر نامساعد حالات میں احباب کو جمع کیا گیا اور ۱۹۴۸ء ہی میں جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی بنیاد رکھ دی گئی۔

جمعیتوں کا قیام:

اگرچہ جمعیت کے پاس کوئی فنڈ نہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے بے پایاں فضل و کرم اور اس کی عنایاتِ بے غایات کی برکت سے صوبے میں قریباً چالیس جمعیتیں قائم ہوچکی ہیں۔ صوبے کے اکثر مقامات پر جلسوں کے ذریعے تبلیغ و ارشاد کا سلسلہ قائم رکھا اور جمعیت کی شاخوں کے قیام کے لیے ترغیب دیتے رہے۔ آج بحمد اللہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث اس قابل ہے کہ یہ دعویٰ کر سکے کہ وہ ایک نمایندہ جماعت ہے۔ شاید اس سے قبل صوبے میں کبھی اتنی تعداد میں جماعتیں منظّم طریق پر قائم نہ ہوئی ہوں۔ اس کے لیے میں ان تمام رفقائے کار کا، جنھوں نے اس بارے میں ہماری امداد فرمائی، شکر گزار ہوں۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

جمعیت کا اخبار:

جمعیتوں کے قیام کے ساتھ ہم نے ایک ایسے اخبار کے اِجرا کو ضروری خیال کیا جو جماعت کے تبلیغی مقاصد کو پورا کر سکے۔ باوجود سرمائے کی قلت اور حالات کی نامساعدت کے ہم نے توکلاً علی اللہ

ہفتہ وار اخبار ''الاعتصام'' کے نام سے جاری کر دیا جو بحمد اللہ اپنی عمر کی تین منزلیں (۳ سال) طے کر چکا ہے اور اس کی قبولیت کے پیشِ نظر اکثر احباب کی خواہش ہے کہ ہم اسے سہ روزہ اخبار کر دیں۔

عربی مدارس کی تنظیم:

جمعیت نے اپنی سرگرمیوں کے باعث صوبے میں ایک ایسی جماعتی فضا پیدا کر دی ہے جس میں جمعیت کی کوششیں عربی مدارس کی تنظیم کے سلسلے میں یہاں تک کامیاب ہوگئی ہیں کہ جماعت کے قائم قابلِ ذکر عربی دینی مدارس نے ایک نصابِ تعلیم قبول کر لیا ہے اور کوشش کر رہے ہیں کہ ہمارے تمام عربی دینی مدارس کا معیارِ تعلیم بلند ہو اور ایک نصابِ تعلیم ہو۔ ابھی اس بارے میں ہمیں اور بہت کچھ کرنا ہے۔

جمعیت اہلِ حدیث کی مالی حالت:

جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جمعیت کی مالی حالت کبھی بھی اچھی نہیں ہوئی۔ جب جمعیت کی نظامت کا بار اس عاجز کے کندھوں پر ڈالا گیا، اس وقت جمعیت کا خزانہ بالکل خالی تھا، بلکہ وہ مقروض تھی۔ مجھے اپنی اس کمزوری کا اعتراف ہے کہ میں چندہ فراہم کرنے کے فن سے ناآشنا ہوں۔ اس لیے کچھ اپنے اور کچھ اپنے دوستوں کی جیبوں کے سہارے دفتر کا ضروری خرچ پورا کرتا رہا۔ مالی حالت کی اصلاح کے لیے اگر کبھی دورے کا پروگرام بنا بھی تو کبھی بارشوں اور سیلاب کی وجہ سے رُک گیا اور کبھی کارکنوں کی ذاتی پریشانیوں اور مصروفیوں کی وجہ سے دورہ ملتوی کرنا پڑا۔

چوں کہ اب کام بہت بڑھ گیا ہے اور ہمارے پیشِ نظر مقاصد کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس اپیل کے ذریعے تمام مخلص احباب، ہمدردانِ جماعت اور مخیّر اصحاب سے عرض کروں کہ یہ رمضان مبارک کا مہینا ہے، جس میں نفل صدقے کا ثواب فرض کے برابر اور فرض صدقے زکاۃ کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہے۔[1] یہ وہ مبارک مہینا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ جود وسخا فرمایا کرتے۔[2]

غرض اس مبارک مہینے میں زکاۃ، صدقات اور تبرعات کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ اس لیے اپنے اس تبلیغی جماعتی ادارے کو بھولیں نہیں، بلکہ پیش پیش رکھیں۔

ملحقہ جماعتیں اپنے مقامی فنڈ سے مرکزی جمعیت کے لیے حسبِ استطاعت رقوم ارسال

[1] صحيح ابن خزيمة (۳/ ۱۹۱) اس روایت کی سند میں علی بن زید بن جدعان ضعیف ہے۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦)

فرمائیں۔ جہاں جماعتیں بن گئی ہیں اور ابھی تک وہ ملحق نہیں ہوئی ہیں، وہ جلد سے جلد الحاق کا فیصلہ کریں، تاکہ رمضان مبارک کے بعد ہونے والی مجلس میں ان کو نمایندگی مل سکے۔

رقومِ چندہ ذیل کے دونوں مقامات میں سے کسی ایک جگہ بھیجی جا سکتی ہیں:

1. ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، گوجرانوالہ۔
2. میاں عبدالمجید صاحب (خازن جمعیت اہلِ حدیث) بیرون یکی دروازہ، کوٹھی میاں عبدالعزیز صاحب بیرسٹر ایٹ لاء، لاہور

نوٹ:

جمعیت کے حسابات میاں عبدالمجید صاحب خازن کے پاس موجود ہیں، جو صاحب چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، گوجرانوالہ[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۰/ جون ۱۹۵۲ء)

پس چہ باید کرد اے اربابِ فکر؟

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کا انحصار یومِ تاسیس سے جماعت کے مخلصین کی اعانت پر ہے۔ دو سال گزر رہے ہیں، جمعیت کا اجلاس نہیں ہو سکا۔ گذشتہ سال بڑی مشکل سے گزرا۔ اس سال اُمید تھی کہ کانفرنس کے موقعے پر اس قدر اعانت ہو سکے گی جس سے اخراجات کے متعلق اطمینان ہو جائے گا، مگر آپ کو معلوم ہے کہ کانفرنس روک دی گئی۔ اس سے جماعت کی مالی حالت کو جو صدمہ پہنچا، وہ ظاہر ہے۔

راولپنڈی، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ وغیرہ اضلاع کی مخلصانہ مساعی سے چند ہزار روپیہ دفتر میں پہنچا ہے۔ یہ رقم تعلیمی مصارف کے لیے بھی کافی نہیں۔ تعمیر، تبلیغ اور خریدِ کتب وغیرہ کے مصارف اس کے علاوہ ہیں۔ جامعہ کی شہرت اور نظم کی وجہ سے طلبہ کا اتنا ہجوم ہو رہا ہے کہ داخلہ قبل از وقت بند کرنا پڑا اور طلبہ کی تعداد گذشتہ سال سے بھی زیادہ ہو گئی۔

کانفرنس روک دی گئی، لیکن مصارف کی ذمے داری بدستور آپ حضرات پر ہے۔ آپ ہی کے کندھوں نے یہ بوجھ برداشت کرنا ہے۔ اساتذہ اور طلبہ کے مصارف کی ذمے داری آپ ہی کی دوشِ ہمت پر ہے۔ آپ حضرات نے اس سال اپنے مصارف کے لیے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کا فیصلہ کیا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ شہری اور ضلعی جماعتوں کے اراکین اپنی ذمے داریوں کو محسوس فرمائیں اور ہر مقام کے اصحابِ خیر اس رقم کی فراہمی کے لیے کوشش کریں اور دفتر کو اطلاع دیں، وہ باقی سترپچھتر ہزار روپے کی فراہمی میں کتنا حصہ لے سکیں گے؟

احبابِ سیالکوٹ نے اپنے حصے سے زائد رقم ادا کر دی تھی۔ اس کے باوجود محترم شیخ عمر دین صاحب سوداگر چرم سفرِ حج کے لیے جاتے ہوئے مزید ایک ہزار روپیہ عنایت فرما گئے۔ اسی طرح ۱۵/ ۵/ ۱۹۶۰ء ہفتہ کے دن ایک ذاتی کام سے خانیوال گیا، وہاں کی جماعت نے مبلغ پانچ صد روپیہ مرحمت فرمایا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

ضلع گجرات، ہری پور، لاہور، میانوالی، منٹگمری، مظفر گڑھ اور ملتان وغیرہ اضلاع کے احباب اگر

کوشش کریں اور جماعتی ذمے داری کو محسوس کریں تو یہ رقم ہفتہ عشرہ میں جمع ہو سکتی ہے۔

''الاعتصام'' ملک کے مقتدر پرچوں میں ہے، لیکن ابھی تک اس کی مالی حالت قابلِ اطمینان نہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ ''الاعتصام'' کی اشاعت میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، تاکہ اخبار اپنا بوجھ برداشت کر سکے۔ جماعتی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لیے ''الاعتصام'' صحیح ترین ذریعہ ہے۔ تبلیغی اور علمی مواد بھی اس میں بہتر طریق پر مل سکتا ہے۔[1]

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۷ر مئی ۱۹۶۰ء)

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی طرف سے ضروری اعلان

برادرانِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی بنیاد ۱۹۴۸ء میں رکھی گئی۔ جمعیت کے اعمالِ خیر سے اخبار ''الاعتصام'' ہے، جو جماعت کی صحیح آواز ہے۔ احباب کی توجہ زیادہ تر اخبار ''الاعتصام'' کی طرف رہی اور اس کی بہت ضرورت بھی ہے، باوجود اس کے کہ جمعیت کی اپنی مالی حالت ابتداء ہی سے تسلی بخش نہیں رہی، مگر ہم نے آپ کو اس ضمن میں کبھی تکلیف نہیں دی۔

اس وقت قریباً ضلعی اور ابتدائی جماعتیں جو مرکز کے ساتھ ملحق ہیں، ان کی تعداد چالیس ہے اور بتدریج یہ سلسلہ بحمداللہ وسیع ہو رہا ہے۔ اگر آپ حضرات کما حقہ تعاون کریں تو کام بہت زیادہ ہو سکتا ہے۔ لیکن جمعیت کی مالی کمزوری بہت بڑا مانع ہے جس کو دور کرنے کی آپ سے پُرزور درخواست ہے۔ حال ہی میں ایک دوست نے اس کے لیے سو روپیا عنایت فرمایا ہے۔ ایک صاحب نے تین صد روپے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آپ تمام حضرات اپنے صدقات سے یا مقامی جمعیت کے خزانے سے مرکزی جمعیت کی اعانت فرمائیں۔ رمضان المبارک اس کے لیے بہترین موقع ہے۔

اس کے علاوہ جمعیت کی شاخوں کو دیہات تک پھیلائیں، تاکہ پورے ملک میں جماعتی نظام قائم ہوجائے اور پروگرام کے تحت کوئی بہتر کام کیا جا سکے۔ اگر مرکزی فنڈ کمزور رہا تو آپ یقین فرمائیں، آپ کی جماعتی آبرو اور اجتماعی زندگی ناتمام ہوگی، گو آپ مقامی طور پر بہت کچھ کر رہے ہوں۔ مگر «يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ»[1]

مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ میری یہ آواز رائیگاں نہیں جائے گی۔

والسلام: محمد اسماعیل (ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، گوجرانوالہ)[2]

[1] سنن النسائي، رقم الحديث (٤٠٢٠)

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (٦/ جون ١٩٥٢ء)

دفتر کی باتیں

مارچ کے وسط میں ہم چند رفقاء ضلع ملتان اور منٹگمری کے مقامات میں حاضر ہوئے۔ وہاڑی، بورہ منڈی، پاکپتن، خانے وال، میاں چنوں، اوکاڑہ، منڈی پتوکی، ملتان، لائل پور، جڑانوالہ اور منصور پور وغیرہ مقامات میں احباب سے ملنے کا موقع ملا۔

تقریباً تمام حضرات کو نظم اور باہمی ربط کے لیے بے قرار پایا۔ اکثر مقامات کی جماعتیں مرکز سے ملحق ہوگئیں اور اکثر مقامات پر احباب نے کام کرنے کا ذمہ لیا اور دفتر کے ساتھ مکمل تعاون کا وعدہ کیا۔

بعض مقامات سے اطلاع پہنچی ہے کہ احباب کام کر رہے ہیں، مگر بعض مقامات پر اس قدر غیر ذمے داری سے کام لیا جا رہا ہے کہ ڈاک کا جواب تک نہیں مل رہا اور یہ وہی لوگ ہیں جو بہت باتیں کرتے اور تنظیم کے لیے بہت زیادہ بے قرار معلوم ہوتے تھے۔

یہ غیر ذمے داری نہایت افسوس ناک ہے۔ خانے وال میں خاں عبدالعظیم صاحب پرانے تجربہ کار ہیں، ان کے رفقاء مولوی عبدالقادر صاحب اور حکیم محمد جمال صاحب مخلص کام کرنے والے ہیں، مگر افسوس ہے کہ اب تک دفتر چشم براہ ہے، ان حضرات کے کام کے متعلق کوئی اطلاع نہیں دی۔ دوسرے مقامات میں بھی بعض احباب کی روش قابلِ شکایت ہے۔ تمام احباب اپنے اپنے حلقے میں اجتماعات کریں، جماعتوں کو منظم کریں، دفتر ہر قسم کی اعانت کے لیے تیار ہے۔

والسلام

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث آل پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دعوتِ عمل

حضرات! الحمدللہ وہ آرزو جو مدت سے ہمارے دلوں میں سلگ رہی تھی پوری ہوئی۔ ہم ایک عرصے سے ایسے اخبار کی اشاعت کے خواب دیکھا کرتے تھے جو مسلک اہلِ حدیث کو سلیقے سے پیش کر سکے، جس میں ان اختلافات کی پرچھائیں تک نہ ہو جو گذشتہ پچاس سال کی غلط روش سے ہمارے علماء میں رونما ہوئے۔ جو صرف ہماری علمی کوششوں کو اجاگر کر سکے، ہماری جماعت میں عمل کی روح پھونک سکے اور ملک میں ان تقاضوں کا کتاب وسنت کی روشنی میں جواب دے سکے جن کے صحیح صحیح جواب پر صرف اہلِ حدیث ہی کو قدرت حاصل ہے۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ یہ خواب پورا ہوا۔ ''الاعتصام'' کا اجراء انہی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لیے ہوا ہے۔ اس کی تمام اشاعتیں آپ کے سامنے ہیں۔ اگر اس کو پڑھ کر آپ کی مذہبی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے، اگر اس سے اہلِ حدیث کا وقار بڑھتا ہے، اگر اس میں جماعتی شیرازہ بندی کے امکانات آپ کو نظر آتے ہیں تو پھر آپ کو اس کے مقابلے میں اپنے فرائض محسوس کرنا چاہییں۔ یہ کسی شخص کا ذاتی اخبار نہیں بلکہ پوری جماعت کی ترجمانی کا فخر اسے حاصل ہے۔ اور یہ کہنا بے جا نہیں کہ یہ ایک ہی معیاری پرچہ ہے جو انفرادی ذوق اور انفرادی کاروباری مصلحتوں سے بالاتر رہ کر کتاب وسنت کا داعی ہے۔ ہمیں ہر پڑھے لکھے اہلِ حدیث سے توقع ہے کہ وہ اس کی توسیعِ اشاعت کے لیے سرگرمی سے کوشاں ہوگا۔

جماعتی زندگی میں اخبار کی جو حیثیت ہے ہمیں یقین ہے کہ تمام حضرات اس سے آگاہ ہوں گے۔ آج نشر و اشاعت کے وسائل میں اس کو بلاشبہ یہ اہمیت حاصل ہے کہ یہ جس قدر مؤثر، جتنا شاندار اور جس نسبت سے کثیر الاشاعت ہوگا اسی انداز سے بیداری اور جماعتی اعزاز میں اضافہ ہوگا۔

اہلِ حدیث اگر زندہ رہنا چاہتے ہیں اور ان کے دلوں میں کتاب وسنت کی اس مخصوص ترجمانی

سے، جسے ہم اہلِ حدیث سے تعبیر کرتے ہیں، واقعی لگاؤ ہے تو انھیں ہمارا ہاتھ بٹانا چاہیے۔

ہمارے سامنے کام کا ایک تفصیلی نقشہ ہے۔ ہمارے دل میں جماعتی زندگی کی بقا و استحکام کے لیے کچھ عزائم ہیں۔ ہم خاص ڈھب سے اس تصور کی اشاعت چاہتے ہیں جس سے ایک طرف جماعت میں جو ایک طرح کا احساسِ کمتری پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو اور دوسری طرف دوسروں کی رائے میں خوشگوار تبدیلی ہو۔ ہم تنظیم و احیاء کے ساتھ دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلامی تصور کے نکھار نے اور باطل کے خلاف صف آرا ہونے پر ہمارا کتنا بڑا حصہ ہے۔ ہماری تاریخ علمی اور عملی دونوں اعتبار سے اس لائق ہے کہ ہم اس پر فخر کر سکیں۔ لیکن یہ سب باتیں اس پر موقوف ہیں کہ اہلِ حدیث جہاں جہاں ہوں وہ ہمارا ساتھ دیں، اخبار کی اشاعت کو بڑھائیں اور ہمیں اس قابل بنا دیں کہ اس سمت ہم کامیابی سے قدم بڑھا سکیں۔

خدارا روایتی جمود کو توڑیے۔ چھوٹے چھوٹے مقامی مسائل کے حصار سے نکل کر دیکھیے کہ یہاں زندگی کے بڑے بڑے معرکے آپ کے منتظر ہیں![1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۳/ دسمبر ۱۹۴۹ء)

اہلِ حدیث پریس کے متعلق اہم تجویز!

''الاعتصام'' مورخہ ۲۲؍ جمادی الاولی ۱۳۷۰ھ میں برادرم محترم مولانا صدیق حسن صاحب نے ایک اہم تجویز جماعت کے سامنے رکھی ہے، جس کا ملخص یہ ہے کہ جماعت کا اپنا ایک پریس ہونا چاہیے، جس کا انتظام ایک کمیٹی کرے۔ تجویز کے مفید ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، نہ ہی اس کے لیے کسی استدلال اور بحث کی ضرورت ہے۔

جماعت کی مطبوعات روز بروز ناپید ہو رہی ہیں۔ تراجمِ احادیث، متونِ احادیث، شروح اور دوسرے علومِ متعلقہ، اسی طرح قرآنِ عزیز اور اس کے متعلقات کی اشاعت جماعت کے اہم فرائض ہیں۔

مولانا نے اس کے لیے تین ہزار روپے کا اندازہ فرمایا ہے۔ میں ذاتی طور پر طباعت کے کام سے واقف نہیں ہوں، خیال ہے کہ تین ہزار روپے بہت کم ہوگا۔

مولانا اگر پریس اور اس کی ضروریات سے واقف ہوں تو اپنی تجویز تفصیلاً لکھ کر بھیج دیں، تاکہ دوسرے اصحابِ فکر بھی اس پر اظہارِ رائے کر سکیں۔

نیز محترم شیخ محمد اشرف صاحب، میاں عبدالمجید صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب حنیف اس مسئلے پر غور فرما کر اپنی متفقہ رائے سے مطلع فرمائیں۔

جمعیت اہلِ حدیث ملتان کا اجلاس ۲۹، ۳۰؍ مارچ اور یکم اپریل کو منعقد ہو رہا ہے۔ شیخ عبدالرشید صاحب صدیقی سے گزارش ہے کہ مجلسِ شوریٰ کے لیے مناسب اور کھلا وقت رکھا جائے، تاکہ اس مسئلے اور دوسرے جماعتی مسائل پر گفتگو ہو سکے۔

میرا تجربہ:

اخبار کے لیے ہم مدتوں سوچتے رہے، مگر کوئی تجویز کارگر نہ ہو سکی۔ جماعت اہلِ حدیث گوجرانوالہ مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس کے ایثار نے ''الاعتصام'' کی صورت اختیار کر لی، جو اس وقت

اربابِ ثروت کی بے توجہی کے باوجود چل رہا ہے اور بحمد اللہ بڑھ رہا ہے۔

اس معاملے میں بھی اندازِ جرأت کی ضرورت ہے۔ حاتمِ ہند مرحوم حافظ حمید اللہ صاحب دہلوی نے مبلغ پچیس ہزار روپے عنایت فرما کر ہندوستان میں اہلِ حدیث برقی پریس کی بنیاد رکھ دی۔ اَللّٰھُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَهٗ وَاجْعَلْ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ.

مجھے امید ہے کہ احبابِ ملتان اور اصحابِ لاہور اس تجویز پر ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔ حضرت محترم حضرت علامہ غزنوی ۔دامت برکاتھم۔ اگر کسی مختصر سی فرصت میں اس طرف توجہ فرمائیں تو بہتر ہوگا۔

مولانا عبیداللہ صاحب بی۔ اے فیروزپوری کی تجویز بھی اگر مرتب شکل میں آجائے تو شیخ عبدالرشید صاحب صدیقی یا مجھ سے گوجرانوالہ کے پتے پر بھیجیں، تاکہ شوریٰ میں پیش ہو سکے۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۹؍ مارچ ۱۹۵۱ء)

پاکستان پر ہندوستانی حملہ اور ہمارا شرعی وقومی فرض

کشمیر کا مسئلہ اتنا صاف اور منصفانہ تھا، ممکن نہ تھا کہ اس میں دو رائیں ہوسکیں۔ کشمیر میں مسلمانوں کی اکثریت کے باوجود پاکستان نے یہ مطالبہ کبھی نہیں کیا کہ اسے پاکستان سے ملا دیا جائے، بلکہ مطالبہ یہ تھا کہ کشمیریوں کو موقع دیا جائے، وہ اپنا فیصلہ خود کریں۔ یعنی اسی اصول کے مطابق جو معاہدہ تقسیم میں طے ہوا تھا کہ ریاستیں اپنا خود فیصلہ کریں گی۔ مگر ہندوستانی قیادت کی کم فہمی نے اسے خراب سے خراب تر کر دیا۔ ابتداء میں شاید امید ہو کہ کشمیر سے چار فی صد ووٹ ان کے حق میں ہوں، لیکن موجودہ حالات میں یقین ہے ایک فیصد بھی ان کو میسر نہ آسکیں گے۔

سیالکوٹ، واہگہ، قصور کے اطراف میں ہندوستانی فوجوں نے بلا اعلانِ جنگ حملہ کر کے جس کمینگی کا ثبوت دیا ہے، وہ اتنا شرمناک ہے جس کی نظیر شاید تاریخ میں نہ ملے۔ ان حالات میں اب جبکہ جنگ کا نقارہ بج چکا اور پاکستان کو صرف کشمیریوں کی حمایت اور بین الاقوامی معاہدات کی پابندی کی پاداش میں جنگ میں گھسیٹ لیا گیا تو ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ کسی قسم کی مالی اور جانی قربانی سے دریغ نہ کرے، جب تک مقصد حاصل نہ ہو، مصالحت کا کوئی سوال نہیں پیدا ہوسکتا۔

اندریں حالات جماعت اہلِ حدیث اور اس کی برانچوں کو حکومتِ پاکستان کے ساتھ پورا تعاون کرنا نہایت ضروری ہے۔ جو لوگ جنگ میں شریک ہوسکتے ہیں، وہ کسی سوچ بچار کے بغیر جنگ میں شریک ہوں۔ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا.

جو لوگ مالی اعانت کر سکتے ہیں، وہ زیادہ سے زیادہ ہر طرح کی مالی اعانت کریں۔ مجاہدین کی ضروریاتِ زندگی مہیا کریں۔ خصوصاً گرم جرسیاں بے حد کارآمد ہوں گی۔ اگر جنگ لمبی ہوئی جیسے کہ حالات کے تیور بتا رہے ہیں تو گرم لباس کی بھی ضرورت ہوگی۔

صدرِ محترم کا قومی دفاعی فنڈ:

❁ ہمارے صدرِ محترم نے جو قومی دفاعی فنڈ کھول دیا ہے، اس فنڈ میں نقد روپیا زیادہ سے زیادہ پیش

کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ نیز ملک میں بددلی، قتل اور غلط افواہوں کو پوری قوت سے روکیے۔

- شہری اور دیہاتی نوجوان سول ڈیفنس میں بھرتی ہو کر ملک کی خدمت کریں۔
- شہری اور ابتدائی جماعتوں کو ہر مقام پر فوج، حکام اور عمال کے ساتھ پورا پورا تعاون کرنا چاہیے۔

علاوہ ازیں موجودہ جنگ کی ہولناکی سے جو لوگ سخت متاثر ہوئے ہیں اور ہندوستانی فوج کے مظالم کا شکار ہو کر گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں (خصوصاً سرحد کے قریب رہنے والے لوگ) ان کی خبر گیری اور ان سے پوری پوری ہمدردی کی طرف رفاہی اداروں اور عام مسلمانوں کی توجہ ہونا بہت ضروری ہے۔ ان کے لیے عارضی مکانات اور ان کے فوری ضروری اخراجات کی کفالت، نہایت شدید ضرورت ہے۔ اولین فرصت میں اس طرف توجہ کی جانی چاہیے۔

حکومت کی توجہ اس وقت تمام تر ملک کے دفاع کی طرف ہے، جس کی اہمیت ظاہر ہے۔ لٰہذا یہ کام بھی ہمیں کرنا ہے۔

محمد اسماعیل

امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۷ستمبر ۱۹۶۵ء)

شہداء کی یادگار

شہداء کے مقام کی رفعت ارشادِ خداوندی سے ظاہر ہے۔ ظاہری موت کے باوجود انھیں مردہ کہنے کی اجازت نہیں دی گئی، اس لیے کہ ان کی برزخی زندگی عام اموات سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جنت میں ان کی روحیں درجات کی پابندی سے آزاد ہیں۔ ﴿تَطِيرُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ تَشَاءُ﴾ وہ جنت میں جہاں چاہیں آ جا سکتی ہیں۔[1]

ہندوستان کے ساتھ حالیہ معرکے میں جو لوگ شہید ہوئے ہیں، ان کا مقام اس لیے بھی بلند ہے کہ ان لوگوں کو جہاد فی سبیل اللہ کی ایسے وقت میں توفیق ملی جبکہ معاشرہ فسق و فجور کی طرف جا رہا تھا۔ اعتقادی بدعملی، برائیاں پورے ماحول پر چھا رہی تھیں۔ توحید و سنت کے چرچے اس انداز سے نہیں ہو رہے تھے جو اسلامی معاشرے کے شایانِ شان ہوں۔

ہندوستانی حملے نے ملک میں یکا یک صورتِ حال بدل دی۔ ملک میں جہاد کا جذبہ اُبھر آیا۔ ریڈیو میں عریاں گانے قریباً ختم ہو گئے۔ مساجد کی رونق کئی گنا بڑھ گئی۔ مساجد سے محاذ اور مورچوں تک اللہ تعالیٰ کا نام بلند ہونے لگا۔ اِنابت الی اللہ کی راہیں کھل گئیں۔ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اللہ کے بندوں نے جانیں دے دیں۔ شہادت کئی لحاظ سے قابلِ رشک ہے اور ان کی یادگار آنے والی نسلوں کے لیے اُسوۂ حسنہ کا کام دے گی۔

شہداء کی یادگار کے بارے میں محترم گورنر مغربی پاکستان ملک محمد امیر خاں صاحب کی تجویز نہایت معقول ہے کہ ان کی یاد میں مساجد تعمیر کی جائیں۔ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ مساجد تمام مقامات سے بہتر مقام ہے۔[2] اور مسلمانوں کی قوتِ عمل کا مرکز بھی مساجد ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں سب سے پہلے مسجد کی تعمیر فرمائی۔ مسلمانوں کے عزم اور اُن کی عملی زندگی کا مظہر مساجد ہی ہیں۔

[1] دیکھیں: صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٤١٠)

[2] دیکھیں: صحیح مسلم، رقم الحدیث (٦٧١)

قبروں کی یادگار سے شاید غلط یا صحیح عقیدت مندی میں تو کچھ اضافہ ہو سکتا ہے، ملکی عزائم اور اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔ عملی زندگی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ مساجد، دار المطالعہ اور مکاتب کا سلسلہ لازماً رکھا جائے، تا کہ باقیات الصالحات کا یہ سلسلہ آیندہ نسلوں کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ثابت ہو۔

شہداء تو جہاں شہید ہوئے دفن ہوئے اور جنت میں پہنچ گئے۔ بے میت قبر، بے مقصد یادگار ہو گی۔ مساجد، مکاتب اور دار المطالعہ صدقہ جاریہ ہوں گے، جس کا اجر اُن کو ملتا رہے گا۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۵/نومبر ۱۹۶۵ء)

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے متعلق ''جریدہ اہلِ حدیث'' میں کبھی کبھار مولانا عبدالمجید صاحب مدیر جریدہ لکھتے لکھواتے رہتے ہیں۔ میں نے مولانا کے جواب سے ہمیشہ اغماض کیا۔ محترم مولانا جمعیت کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر ہیں۔ ہر اجلاس کی انھیں اطلاع ہوتی ہے۔ وہ عموماً زیارت کا شرف بھی بخشتے ہیں۔ میٹنگ اوپن ہوتی ہے۔ کوئی راز کی بات نہیں ہوتی، پھر مولانا کو شکایت ہے کہ ان کو دفتر سے اطلاع بہم نہیں پہنچائی جاتی۔ اب میں کیا عرض کروں؟ میں ناظم تو ہوں مگر شاید رپورٹر نہیں۔ مجھے شکایت ہے کہ مولانا جانتے ہیں مگر جمعیت کی اطلاعات شائع نہیں فرماتے۔

مدیر محترم سے میرے ذاتی مراسم بھی ہیں۔ جماعت کی اور میری ذاتی اور دوسرے رفقائے کار کی کمزوریوں کو وہ خوب جانتے ہیں اور اخباری چھیڑ چھاڑ کے بھی مولانا ماہر ہیں۔ میری حیثیت ان کے سامنے طفلِ مکتب کی بھی نہیں۔ مولانا نے کئی دفعہ بعض معاملات کو اخبار میں لانے کے لیے کہا مگر میں نے ایسی باتوں کو غیر مفید سمجھا، اس لیے اخبار میں اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ میں اپنے اس عیب اور کمزوری کا اعتراف کرتا ہوں کہ جماعت اور رفقاء کے معاملات اور کمزوریوں کو حدیثِ محفل بنانے کا عادی نہیں۔ یہ چند سطور جریدہ اہلِ حدیث کے نامہ نگاروں کی معتاد حق گوئی کی وجہ سے زبانِ قلم پر آ گئیں، ورنہ حقیقت یہی ہے:

رَضِيْنَا مِنْ نَوَالِكَ بِالرَّحِيْلِ [1]

مولانا ایک دوسری جمعیت اہلِ حدیث کے معتمد بلکہ مدار المہام ہیں۔ ان کی دلچسپیاں چونکہ دوسری طرف زیادہ ہیں، اس لیے جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے ساتھ وہ صرف اتنی دلچسپی رکھ سکتے ہیں کہ کسی نے کوئی شکایت کی، مولانا نے ازراہِ خدمتِ جماعت اخبار میں درج فرما کر مناسب نوٹ لکھ دیا، بس چھٹی ہوئی۔ دراصل مولانا کے دکھوں کا علاج ہمارے پاس نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ مولانا کے قلبی دکھوں کا مداوا فرمائے!

[1] ہم تمھارے عطیے سے صرف کوچ ہی پر خوش ہیں۔

مولانا ندیم کوموی:

مولانا ندیم کوموی کا ایک گرامی نامہ جریدہ اہلِ حدیث (مؤرخہ یکم اپریل ۱۹۵۱ء) میں شائع ہوا۔ مولانا اگر بذریعہ ڈاک مجھے براہِ راست خطاب فرماتے تو شاید اس طریق سے بہتر ہوتا، تاہم جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے، خلوص سے فرمایا ہے، اس لیے لہجے کی تلخی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس میں کوئی سختی ہے بھی نہیں، واقعات ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے جہاں تک دفتری کام کا تعلق ہے، قریباً آپ کا ارشاد حرف بحرف صحیح ہے، اور اس کے کچھ وجوہ ہیں:

① میں بعض وجوہ کی بنا پر نظامت کا بوجھ اٹھانے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ احباب کے تقاضے پر اس شرط سے قبول کیا تھا کہ احباب کا تعاون حاصل ہو۔ میں تمام احباب، ممبرانِ جمعیت اور رفقائے کار سے دریافت کر سکتا ہوں کہ آپ حضرات نے دفتر سے کہاں تک تعاون فرمایا؟ کوئی مشورہ دیا؟ بلکہ دفتر کی طرف سے جو خطوط بھیجے گئے چند ایک دوستوں کے سوا جواب تک کی زحمت گوارا نہیں فرمائی گئی۔

② اخبار جماعت کا تھا۔ اس کا نفع اور نقصان جماعت کا فائدہ اور نقصان ہے۔ ہم نے بحمداللہ جماعت کو ذاتی منفعت کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا نہ ہم اس کو دیانتاً جائز سمجھتے ہیں۔ اس صراحت کے باوجود حسبِ فیصلۂ جماعت مختلف جماعتوں اور احباب کو لکھا۔ بعض حضرات نے جواب تک کی تکلیف نہیں فرمائی۔ ندیم صاحب فرمائیں کہ میں ان اصحابِ کہف کی نیند سونے والوں کو کیسے جگا دوں؟!

③ مولوی عبدالمجید صاحب نے بھی جمعیتِ تبلیغ کی نظامت سنبھال رکھی ہے اور ان کا اخبار جمعیتِ تبلیغ کا ترجمان ہے۔ وہی فرمائیں کہ جمعیتِ تبلیغ کا طول و عرض کیا ہے؟ اس کے باوجود جمعیت کے صدر تو بالالتزام کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں، لیکن ہمارے صاحبِ صدر کے قلم میں جنبش ہی نہیں۔ فرمایئے! جب اتنی اہم شخصیتوں کا یہ حال ہو تو میں معجزات کہاں سے لاؤں؟ اس کے باوجود عرض کرتا ہوں کہ جمعیت اہلِ حدیث پاکستان کی حالت جمعیتِ تبلیغ سے یقیناً بہتر ہے۔

④ میری مشغولیتوں کا یہ حال ہے کہ مدرسے کی تدریس اور اہتمام دونوں میرے متعلق ہیں۔ مقامی جماعت میں بھی کافی حد تک دخل دینا پڑتا ہے۔ شہری اور مقامی حوادثات سے بالکل بے تعلق

رہنے کی عادت نہیں۔ سیاسیات سے بھی تھوڑا بہت تعلق رکھنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اپنی ذاتی مشغولیتیں اس کے علاوہ ہیں۔ قوتِ قدسی کا بھی دعویٰ بالکل نہیں۔ ان حالات میں آخر آپ حضرات کیا چاہتے ہیں کہ آپ کے خط کا جواب بذریعہ ''الاعتصام'' کیوں دیا گیا؟ جو خطوط براہِ راست دفتر میں آئیں، عموماً ان کے جواب خود لکھتا ہوں یا لکھواتا ہوں۔ اگر آپ حضرات میں کوئی صاحب نظامت سنبھالنے کے لیے تیار ہوں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میں بھی خدمت کروں گا۔ إن شاء اللہ تعالیٰ.

⑤ مولوی اسحاق صاحب کو بطور نائب ناظم رکھا تھا، لیکن اخبار کا کام اتنا ہے کہ وہ بیچارے اس سے بمشکل عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔

⑥ معاملہ روپے کا ہے۔ جماعتی نظم کا اختلال ہمارے بزرگوں سے ہمیں وراثت میں ملا ہے۔ علماء کی انفرادی ضروریات جماعتی فنڈ کی راہ میں حائل ہیں۔ مولوی عبدالمجید صاحب ہی فرمائیں کہ کیا وہ اخبار جمعیتِ تبلیغ کے سپرد کر سکتے ہیں اس طرح کہ وہ خود بالکل بے تعلق ہوجائیں؟ سیالکوٹ کی جمعیت نے جب اخبار مولانا موصوف سے لیا تو معلوم ہے وہ کس گندگی سے ختم ہوا؟ تفصیل کے لیے حافظ محمد شریف سے دریافت فرمائیے کہ کون اس راہ میں حائل ہیں۔ جب تک جماعت کے پاس فنڈ نہ ہو کام میں وسعت نہیں ہوسکتی۔

⑦ آپ حضرات کبھی کبھار محض کسی کے کہے کہلائے تخریبی انداز سے تنقید فرماتے ہیں۔ کاش تعمیری مشوروں سے نوازش فرماسکیں تو ہم سب کو اس سے فائدہ ہو۔

⑧ حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب رحمہ اللہ سے دہلی میں جو گفتگو ہوئی، معلوم نہیں وہ آپ کے حافظے میں کیوں نہیں رہی۔ کانفرنس کی صدارت کی بحث تھی جس کی تفصیل حضرت مولانا کے انتقال کے بعد ایک ناخوشگوار قصہ ہوگا، ورنہ اس کی پوری تفصیلات میرے ذہن میں ہیں۔ یہاں بحمد اللہ اس کا کوئی سوال ہی نہیں۔ جب آپ صاحب چاہیں، نظامت حاضر ہے۔ جو صاحب کام کر سکتے ہیں، تشریف لائیں۔ یہاں نہ استبداد ہے نہ مطلق العنانی۔ صدرِ محترم نے پچھلے اجلاس میں اعلان فرمایا تھا کہ جو صاحب صدارت فرمانا چاہیں، تشریف لائیں مگر جماعت نے صدارت کا معاملہ خود اسی وقت نظر انداز کر دیا۔

٩ اس کے باوجود نہ میں مایوس ہوں اور نہ میں نے گھٹنے ہی ٹیک دیے ہیں، بلکہ اپنی بساط کے مطابق کام کر رہا ہوں۔ خواص سے ضرور بدگمانی ہے، لیکن عوامِ جماعت میں ابھی زندگی کی رمق موجود ہے۔ کاش قیادت اپنے فرائض کو محسوس کرے اور خواص تنقید سے زیادہ عمل کی طرف قدم اٹھائیں۔ تنقید اور خصوصاً تعمیری تنقید جماعتی زندگی کی روح ہے، لیکن کام چور دوستوں کی تنقید بے قیمت جنس ہے جس کا کوئی سمجھدار آدمی خریدار نہیں ہو سکتا ع

پیش آنکس برو کہ خریدار تست

[اس کے پاس جاؤ جو تمھارا خریدار ہے۔][1]

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۲۰/ اپریل ۱۹۵۱ء)

چند گزارشات

''المنبر'' مؤرخہ ۱۰/ اگست ۱۹۶۳ء میں ایک تنقیدی مراسلہ مولوی عبدالحلیم صاحب خطیب جامع اہلِ حدیث شام کوٹ کے قلم سے شائع ہوا ہے۔''المنبر'' میرے پاس اعزازی اور مسلسل آتا ہے اور میں ''المنبر'' کے ضروری عنوانات اور مناسب عنوانات اکثر پڑھتا ہوں۔ ۱۰/ اگست کا یہ تنقیدی مراسلہ معلوم نہیں میری نظر سے کیوں نہیں گزرا، مجھے تعجب ہے۔ مجھے اس کے متعلق اطلاع برادرم محترم مولانا محمد داود صاحب راز ناظمِ اعلیٰ آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس نے دی، جبکہ وہ مدراس کسی اجلاس میں شمولیت کے لیے جا رہے تھے۔ میں اس مخلصانہ تنقید کے لیے مدیر ''المنبر''، مولوی عبدالحلیم اور مولانا راز اصحابِ ثلاثہ کا شکر گزار ہوں۔ زَادَكُمُ اللّٰهُ إِخْلَاصاً وَنُصْحاً.

ایسی مخلصانہ تنقیدات جماعتی نظم میں روح کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میں نے اسے لب و لہجے کے لحاظ سے تنقید کہا ہے، ورنہ درحقیقت یہ امور جماعت کی عملی مساعی میں مفید مشوروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

عزیزم مولوی عبدالحلیم صاحب نے بعض معاملات کو کافی غلط سمجھا ہے، اس لیے کہ وہ لبِ جو بیٹھ کر طوفان سے کھیلنے والوں کو مشورے دے رہے ہیں۔ عزیزِ محترم نے یہ وتیرہ مدیر المنبر سے سیکھا ہے۔ وہ بھی مدت ہوئی جماعتی ذمے داریوں سے الگ تھلگ ہو کر ساحل پر بیٹھے مشفق واعظ کا بھیس اختیار فرمائے ہوئے ہیں۔ اور وعظ کا یہ طریق سب سے آسان ہے، اس لیے کہ اس میں اپنے عمل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب حمام ہی نہ ہو تو ننگا کون کہے۔ اس کے باوجود نصیحت بہر حال نصیحت ہے۔ اور مسلمان کا خوشگوار فرض ہے کہ کلمۂ حکمت جہاں سے ملے لے لے اور اس پر عمل کی کوشش کرے۔

اظہارِ حقیقت:

اس سے پیشتر کہ میں ان کے تنقیدی ارشادات کے متعلق تفصیلی گزارشات کروں، حقیقتِ حال کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ یقیناً جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کا نظم مغربی پاکستان میں دور دراز گوشوں تک پھیلا ہوا اور باہم تعاون بھی کافی حد تک موجود ہے، لیکن یہ تعاون رسمی اور آئینی حدود تک

ہے۔ ایسے رفقاء جو آئینی رسوم سے بے نیاز ہو کر جمعیت کے کام میں اس طرح دلچسپی لیں جیسے وہ اپنے ذاتی کاموں میں لیتے ہیں، وہ قانون اور آئین کی آڑ لیے بغیر جماعت کے کام کو اپنا کام سمجھ کر کریں۔ ان کی رفاقت پر فخر کیا جا سکتا ہے۔ ان مخلصین کی مساعی سے یہ کام جس صورت میں بھی چل رہا ہے، قابلِ تعریف ہے، لیکن مجھے معلوم ہے اس کے بعض پہلو تشنہ ہیں۔ خصوصاً نشر و اشاعت کا پہلو کمزور ہے۔ اس کی طرف جماعت کے اہلِ قلم کو توجہ دینی چاہیے۔ ساری چیزیں میرے کرنے کی نہیں ہیں، بلکہ اس کے لیے پوری جماعت کی توجہ ضروری ہے۔

لائل پور کے انتخابات کے بعد وہاں کے بعض افراد نے جو ہنگامہ برپا کیا اور جس انداز سے وہاں کے بعض با اثر افراد نے خاموشی اختیار فرمائی، جماعت کے ہر خیر اندیش کی آنکھیں شرم سے جھک جانی چاہییں۔ مدیر ''المنبر'' نے وہاں بھی اپنے مواعظِ حسنہ کو اتنا گول مول کیا جس سے بحیثیت مجموعی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔

مدیر ''المنبر'' مجھے اگر معاف فرمائیں تو عرض کروں کہ آپ کی حیثیت اس بزدل سپاہی کی ہے جو میدانِ کارزار سے بھاگ چکا ہو۔ وہ میدان میں تو آنے سے رہا۔ اب یا وہ میدان کے قصے بیان کرے گا یا پھر وعظ کہے گا۔ اگر آپ حضرات نے ان لوگوں کی جو عہدوں کی ہوس میں مرے چلے جا رہے ہیں، نشان دہی فرما دی ہوتی تو یہ بھی ایک خدمت ہوتی۔ آپ پر وہاں مقامی مصالح غالب آ گئے اور دوٹوک بات نہ ہو سکی، لیکن لفظِ اہلِ حدیث اور مسلکِ حق سے آپ کو اتنی محبت ہے کہ اس کی تنقیص میں جو کچھ زبانِ قلم پر آیا کہہ گزرے!

رجال کی قلت، رفقاء کی ناہمواری، اسباب و وسائل کی ناسازگاری کے باوجود اب تک جو ہوا اس پر ندامت نہیں۔ اس کے ساتھ اگر آپ حضرات کے مخلصانہ مشورے شاملِ حال رہے تو یہ سفر جاری رہے گا۔ اگر تخریبی عناصر کی ریشہ دوانیاں جاری رہیں اور احباب نے بھی تنقید ہی کا فریضہ ادا کیا تو اپنا وقت گزار کر موجودہ قافلہ رخصت ہو جائے گا۔ پھر جامعہ ہو گا اور جمعیت۔ آپ حضرات اس کے در و بست پر قابض ہوں گے اور اس وقت کے نقاد کا قلم آپ کے تعاقب میں۔ پھر آپ محسوس فرمائیں گے کہ تنقید کتنی آسان ہے اور کام کرنا کتنا مشکل۔ اس کے ساتھ ہی اگر مخلص رفقاء کی ویسی ہی کھیپ آپ کے ہم سفر ہو گی تو مجھے امید ہے کہ آپ کام کے لیے کوئی دوسرا میدان تلاش فرمائیں گے۔

اب اپنے ارشادات کے متعلق گزارشات سنیے!

لٹریچر:

اگر پوری جماعت کی طرف سے اس سوال کا جواب مجھے ہی دینا ہے تو میں اس فروگذاشت کو تسلیم کرتا ہوں۔ وقت کے لحاظ سے شستہ زبان میں عمدہ لٹریچر شائع ہونا تو بڑی چیز ہے۔ پرانا محققانہ لٹریچر بھی مرتب کر کے صحیح طور پر شائع نہیں ہو سکا۔ حدیث کے اچھے تراجم کے علاوہ معیار الحق، الارشاد الی امر التقلید والاجتہاد، حسن البیان، سیرۃ البخاری، قرآنِ عزیز کا کوئی سلیس ترجمہ مفید حواشی کے ساتھ بھی شائع نہیں ہوا۔ یہ ایسی کمی ہے جس کے لیے کوئی معقول معذرت نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے علماء کا ایک طبقہ جو چھوٹی چھوٹی ''مدرسیاں'' بنا کر کاروبار کے انداز سے ان کو چلا رہا ہے، یہ حضرات اگر اس بے ضرورت مشغلے کو چھوڑ کر نشر واشاعت کا کام کریں تو قوم کے سر سے ایک بوجھ اتر جائے اور آپ ہم خرما وہم ثواب سے شاد کام ہوں۔

یہ تعلیمی انتشار جب تک کاروباری انداز سے جاری رہے گا، نشر واشاعت کا کام نہیں ہو سکے گا۔ یہ متدین جونکیں جس انداز سے ملت کا خون چوس رہی ہیں، ان مخلصین کی اصلاح کے بغیر نشر واشاعت کا کام کسی اچھے پیمانے پر نہیں ہو سکے گا۔ میں اس ابتدائی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں کہ ہم اگر جامعہ سلفیہ کے بجائے نشر واشاعت کا کوئی ادارہ شروع کرتے تو آج یہ ادارہ خود اپنا کفیل ہوتا اور آپ کو اس تنقید کی ضرورت نہ ہوتی۔ میں عزیزِ محترم مولوی عبدالحلیم سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اپنے والدِ محترم کے خلوص اور عم محترم کے کاروباری انداز کو ملت کے لیے کیسے مفید سمجھتے ہیں اور کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ آپ کے چچا بزرگوار اپنا انداز بدل لیں؟ میری نظر میں بڑے بڑے اکابر تعلیم کا کام کاروباری انداز سے کر رہے ہیں۔ آپ کے قلم کا رخ اگر اس طرف پھرتا تو مفید ہوتا۔ جمعیت اور جامعہ نے اپنی کمزوریوں اور آپ ایسے حضرات کے عدمِ تعاون کے باوجود بہر حال کچھ نہ کچھ خدمت کی ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ.

طلبہ کا باہر بھیجنا:

آپ نے فرمایا ہے کہ طلبہ کو باہر بھیجا جاتا تو قابلِ فخر کارنامہ ہوتا۔ عزیزِ محترم نے شاید اس تجویز کے نتائج اور عواقب پر غور نہیں کیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ عام تعلیمی ادارے پاک و ہند میں کافی

ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان اداروں میں سلفی طریقۂ تدریس کی ترجمانی نہیں ہوتی۔ جمود کی دعوت کے علاوہ مسلک اہلِ حدیث کے خلاف زہر اُگلا جاتا ہے، اور اس میں موحد اور بریلوی اداروں میں کوئی امتیاز نہیں۔ بیرونی ممالک میں شاید جمود کم ہو لیکن آوارگی سے بچنا ناممکن ہوگا۔

بیرونی ممالک کی آب و ہوا سے تاثر قبول کرنے کے بعد اگر شیخ الجامعہ یا شیخ الحدیث داڑھی مصری، حجازی، نجدی یا عراقی انداز کی رکھ لیں تو کیا یہاں کی جماعت کے اہلِ حدیث اسے پسند کر لیں گے؟ بیرونی ممالک میں اگر سلفی مکتبِ فکر کی کوئی مدرسہ ترجمانی کرتا ہو تو مطلع فرمائیں، جامعہ کی موجودگی میں اس تجویز پر غور کیا جا سکتا ہے۔

آپ کے سامنے جامعہ ازہر اور جامعہ مدینہ ہوگی۔ آپ اپنی معلومات کی بنا پر آگاہ فرمائیں آیا ان جوامع میں مسلکِ سلف کی آبیاری ہو سکتی ہے؟ پھر ان ممالک میں جو معیار اس وقت وظائف اور مشاہرات کا مروج ہے، آیا پاکستان کی جماعت اہلِ حدیث ان کی ذمہ داری لے سکتی ہے؟ مولوی محمد شریف صاحب اشرف سے دریافت فرمائیں کہ وہ پاکستان میں کس مشاہرے پر اقامت فرمائیں گے اور کیا پڑھائیں گے؟ مسلک کو نظر انداز کر دیا جائے تو آپ کی تجویز یقیناً قابلِ غور ہے۔

پھر ان ممالک میں اخلاقیات کا جو معیار ہے اس کا طلبہ پر کیا اثر ہوگا۔ مدینہ یونیورسٹی کے طلبہ آج کل آئے ہوئے ہیں۔ ان کے طریقِ رہایش اور ان کی اخلاقی اقدار کو ملاحظہ فرما کر اپنی تجویز پر نظرِ ثانی فرمالیں۔ پتوکی تشریف لائیں تو ابا سے بھی مشورہ فرمالیں۔ میں آپ کی تجویز کا خلاصہ یہ سمجھا ہوں کہ قابل اساتذہ کے مشاہرات کی گرانباری سے تو بچیں، لیکن ایسے طلبہ جن کی قابلیت اور مستقبل کی کامیابی موہوم اور مشکوک ہے، ان کے خطیر وظائف کا بوجھ برداشت کر لیا جائے اور آپ کا قلم اور الاعتصام کے صفحات ان کی آوارگی کی حمایت کے لیے وقف کر دیے جائیں ؎

نظیری را بمحفل بردم و گویا غلط کردم
مرا رسوائے عالم ساخت چشم گریہ آلودش [1]

آپ کی دوسری تجویز یہ ہے کہ صرف منتہی طلبہ کو داخلہ دیا جائے اور ابتدائی طلبہ دوسری درس گاہوں کا رخ کریں۔

[1] نظیری کو محفل میں لا کر گویا میں نے کچھ غلط کر دیا ہے۔ مجھے رسوائے عالم کر دیا۔ آنکھ گریہ زاری سے آلودہ ہوئی۔

عزیزم! ہم نے جامعہ کا آغاز آپ ہی کی تجویز سے کیا اور منتہی طلبہ کو ساٹھ ساٹھ روپے وظیفہ دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرات طلبہ پورا وقت کھانے پینے میں گزارتے اور کچھ بقیہ دفتر سے جھگڑنے میں گزارتے کہ میرے اتنے روپے اتنے آنے بقایا ہیں۔ سرگودھا کانفرنس میں جب مجھے ناظمِ تعلیمات مقرر کیا گیا تو ان حضرات طلبہ کا ایک وفد صرف اس لیے ملا کہ ہمارے اتنے روپے اور اتنے آنے باقی ہیں۔ اندازِ گفتگو انتہائی تکلیف دہ تھا۔

پھر نچلے مدارس سے جو خام مال ہمیں ملا وہ اتنا مایوس کن تھا کہ بعض مشہور مدارس کے فارغ طلبہ سورۃ کوثر اور سورۃ الم نشرح کا صحیح ترجمہ وغیرہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس مجبوری سے ابتدائی کلاسوں کا رکھنا مناسب معلوم ہوا۔

غالباً یہ انتظام دو سال رہا۔ پندرہ یا شاید بیس طلبہ فارغ ہوئے۔ ان کے متعلق آپ ایسے دیدہ وہ ہمیں مذاق کرتے تھے کہ ایک مولوی کتنے ہزار میں پڑا۔ میں نے عرض کیا کہ تنقید کرنا بڑا ہی آسان کام ہے۔ اس سے لیڈری چمکتی ہے، جرأت بڑھتی ہے کہ ہمارے زورِ قلم سے کون بچ سکتا ہے۔ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں　　تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

آخر میں عزیزِ محترم نے ایک عجیب بات فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جمعیت کے نظم کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود فارغ طلبہ کے لیے کوئی مصرف پیدا نہیں کیا جا سکا۔ عزیزِ محترم کی نظر میں یہ بڑے ہی دکھ کا مقام ہے، لیکن یہ ایسا دکھ ہے جس کا علاج شاید پچاس سال تک بھی مشکل ہو۔ عزیزِ محترم نے اس دکھ کی شکایت میں انتہائی بچپن کا ثبوت دیا ہے۔ وہ شام کوٹ کی اقامت اور خطابت کے بعد شاید دنیا کے حالات سے بالکل بے تعلق ہیں۔ جامعہ اور جمعیت پر تنقید کے سوا دنیا سے بالکلیہ کٹ چکے ہیں۔

آپ سے زیادہ کون جانتا ہے عربی مدارس میں طلبہ کو کھانے سے لے کر صابن اور حجامت تک مفت مہیا ہوتی ہے۔ اس کے بالمقابل حضری تعلیم پرائمری سے ایم۔ اے تک قیمتاً ہوتی ہے اور بے حد صبر آزما اور گراں۔ اس کے ساتھ طالب علم اپنے اخراجات کا خود کفیل ہوتا ہے یا ورثاء اس کی کفالت کرتے ہیں، لیکن یہ بے چارا پوری طرح لٹ جانے کے بعد جب اس سرحد پر پہنچتا ہے جسے عرفِ عام میں ’’فراغت‘‘ کہتے ہیں تو حکومت مصرف کی کوئی ذمے داری نہیں اٹھاتی۔

کسی خوش نصیب کو کوئی سفارش مل گئی ورنہ بیچارے بی۔ اے، ایم۔ اے پاس کر کے سو پچاس

کی ملازمت کے لیے در بدر خاک بسر کرتے پھرتے ہیں، حالانکہ وہاں حکومت کا نظام ہے جس کی پشت پر مادی قوت ہے۔ وہ اگر چاہیں تو اس کھیپ کے لیے مصرف پیدا کر سکتے ہیں، لیکن حکومت تعلیم کی ذمے داری لیتی ہے مصرف کی ذمہ داری نہیں لیتی۔ اس دکھ کا مداوا حکومتِ پاکستان بلکہ کوئی حکومت بھی نہیں کرسکتی۔ پھر یہ بیچاری جمعیت اہلِ حدیث جس کا پورا نظام طوع و رضا اور احباب کی اعانت پر موقوف ہے۔ یہاں نہ حکومت ہے نہ مادی قوت۔ یہ مصرف کہاں سے لائے؟

مصرف نہ حکومت پیدا کرسکتی ہے نہ جمعیت، نہ کوئی دوسری جماعت۔ یہ صرف قابلیت ہی پیدا کرسکتی ہے۔ آپ کی فراغت کے بعد آپ کو یاد ہوگا بعض شہروں میں آپ کی اقامت کا مشورہ ہوا تھا، لیکن آپ اور آپ کے والد محترم نے قروی بدویت کو ترجیح دے کر شام کوٹ میں ڈیرے ڈال لیے۔

مجھے مسرت ہوئی آپ کی تنقید تعمیری ہے۔ قلم اور دماغ دونوں چلتے ہیں۔ ساحل کو چھوڑیے۔ طوفان میں اتریے اور موجوں سے کھیلیے۔ ہم لوگ چراغِ سحری ہیں۔ پنشن کی عمر گزار رہے ہیں۔ مستقبل کے معمار آپ ہیں۔ ابھی سے مثبت کام کی عادت ڈالیے۔ منفی تعریضات سے بچیے۔ یہ تعریضات کسی مرض کا علاج نہیں۔ آپ کی بعض چیزوں کو میں نے نظر انداز کیا ہے، مناظرہ مقصود نہیں۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۳ر ستمبر ۱۹۶۳ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناظمِ اعلیٰ کی معطلی

احبابِ کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دو سال کے تلخ تجربات کے بعد میں یہ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ میں نے اس عرصے میں پوری کوشش کی کہ عزیزم پروفیسر ابوبکر صاحب غزنوی جماعت کے کام میں دلچسپی لیں۔ اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر دستور کے اندر رہتے ہوئے اپنے اُن فرائض کو ادا فرمائیں جو ان کے عہدے سے متعلق ہیں اور اپنے آپ کو اس عظیم منصب کے اہل ثابت کریں جس کے لیے مرکزی شوریٰ نے اُن کو منتخب فرمایا ہے۔ اور یہ اُسی صورت ممکن تھا کہ وہ ساتھیوں کے احترام اور تقسیم کار کے اصولوں کو اپناتے۔ لیکن افسوس کہ پروفیسر صاحب نہ تو اپنے رفقائے کار اور دفتری عملے سے کما حقہ تعاون کر سکے اور نہ اپنی ناتجربہ کاری اور تیزی کے سبب اپنے فرائض سرانجام دے سکے، بلکہ ان کے عدمِ تعاون کے سبب نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہے۔ ہمارا دفتر پہلے کی طرح اپنا کام جاری نہ رکھ سکا۔ مرکز کے ساتھ اضلاع کا رابطہ کمزور ہوتا گیا اور پروفیسر صاحب ان ناظمین کے ساتھ جو سالہا سال سے ان کے والد مرحوم حضرت مولانا غزنوی کی رفاقت میں کام کرتے آئے تھے چند ایام بھی نہ چل سکے۔

میری دلی خواہش تھی اور میں نے اس کے لیے متواتر کوشش بھی کی کہ عزیزِ محترم اپنی روش پر نظرِ ثانی فرمائیں اور پیش آمدہ مسائل کو دستور کی روشنی میں باہمی افہام و تفہیم سے سلجھا لیا جائے، کیونکہ ان کی خواہشات کو پورا کرنا جماعت کے لیے کسی طرح ممکن نہ تھا۔ مجھے افسوس ہے کہ پروفیسر صاحب کے عدمِ تعاون کے سبب میں اپنی مساعی میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مجھے یقین ہے کہ احبابِ راولپنڈی اور مولانا اللہ بخش صاحب کمیرپوری میری تصدیق فرمائیں گے۔ ان حضرات نے باہمی اتحاد و مصالحت

کے لیے ان سے نجی اور اجتماعی دونوں قسم کی گفتگو فرمائی ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ میں آج سے بہت پہلے ان واقعات کو جماعت کے سامنے رکھتا مگر جماعت کے وقار اور مرحوم امیر کے احترام کی وجہ سے میں ان تمام تلخ حقائق کو دباتا رہا، حتی کہ پروفیسر صاحب کے کڑوے کسیلے اخباری بیانات پر بھی خاموش رہا۔ میں اصلاحِ احوال سے مایوسی کے باوجود یہ چاہتا تھا کہ ہماری انتخابی مدت بغیر کسی مزید بدمزگی کے پوری ہو سکے اور جماعت آیندہ کے لیے کسی بہتر ٹیم کا انتخاب کر لے۔

اگر پروفیسر صاحب اپنے رفقائے کابینہ یا اراکینِ عاملہ کے مشورے کے بغیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے نظام سے الگ دوسرے عناصر کے ساتھ مصالحت کے نام پر غیر مصالحانہ کارروائیاں نہ فرماتے تو میں کسی تکلیف دہ اِقدام کے لیے قطعاً آمادہ نہ تھا، لیکن جب ان کی منفی سرگرمیاں حد سے بڑھ گئیں اور وہ کھل کر ان کارروائیوں میں نہ صرف حصہ لینے لگے جن کا مقصد جماعتی نظم کو ختم کرنے کے مترادف تھا، بلکہ ان تمام سرگرمیوں کا تذکرہ اخبارات میں کرنے لگ گئے تو میں اپنی منصبی ذمے داریوں اور دستوری تقاضوں کے تحت ان کے تعطل پر مجبور ہوا۔

میں اپنے اس اقدام کے وجوہ مختصراً مجلسِ عاملہ (منعقدہ ۲۰/ فروری ۱۹۶۶ء) میں بیان کر چکا ہوں اور مجلس میرے اس اقدام کی توثیق کر چکی ہے۔ میری دانست میں اس تمام کارروائی سے آپ احباب (ارکانِ شوریٰ) کو آگاہ کرنا ضروری تھا، لیکن اخبارات میں اس کی اشاعت مجھے پسند نہ تھی۔ بالآخر یہی مناسب سمجھا کہ دفتری انداز میں احباب تک وہ بیان پہنچا دیا جائے جو میری طرف سے مجلسِ عاملہ میں پڑھ کر سنایا گیا تھا:

1 مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے موسس حضرت مولانا داود غزنوی رحمہ اللہ نے ۱۶/ دسمبر ۱۹۶۳ء کو انتقال فرمایا، اس کے بعد بعض رفقاء نے نظامتِ علیا کے لیے پروفیسر ابوبکر صاحب غزنوی کا نام تجویز کیا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ پروفیسر صاحب مصروف آدمی ہیں، وہ نظامت کی ذمے داریاں پوری نہ کر سکیں گے، نیز اس سے پہلے انھیں جماعت کے ساتھ نہ کوئی ربط تھا نہ دل چسپی! اس لیے بھی ان کے لیے یہ کام مشکل ہوگا۔ پروفیسر صاحب کا اپنا مدرسہ بھی تھا اور انھوں نے اس کا اہتمام بھی اپنے ذمے لے لیا تھا، اس لیے میرا یہ بھی خیال تھا کہ وہ

جامعہ سلفیہ کی اعانت وغیرہ میں مناسب تگ و دو نہ کرسکیں گے اور نہ ہی وہ اس سلسلے میں اس محتاط پالیسی پر چل سکیں گے جس پر حضرت مولانا مرحوم گامزن چلے آئے تھے، چنانچہ مولانا مرحوم نے جامعہ سلفیہ کی تاسیس کے بعد تقویۃ الاسلام کے لیے سفراء کا سلسلہ ختم کر دیا تھا۔ میں نے یہ تمام مشکلات پوری تفصیل کے ساتھ ان رفقاء کے سامنے رکھیں جو پروفیسر صاحب کو اس عہدے پر منتخب کرنے کے لیے مصر تھے، لیکن یہ احباب اپنی رائے پر نظر ثانی کے لیے آمادہ نہ ہوئے، بلکہ ان کی سرگرمیاں تیز سے تیز تر ہوتی گئیں۔ میں نے جماعت کو خلفشار سے بچانے کے لیے اپنی رائے کے خلاف اس تجویز کو قبول کیا اور اس کے لیے اپنے رفقاء کو بھی مجبور کیا۔ چنانچہ مرکزی شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۱۹؍ جنوری ۱۹۶۴ء میں پروفیسر صاحب کو ناظمِ اعلیٰ منتخب کرلیا گیا۔

2 میں جیسا کہ بیان کر چکا ہوں، ابتداءً پروفیسر صاحب کو ناظمِ اعلیٰ بنانے کے حق میں نہ تھا، اس لیے وہ ناظمِ اعلیٰ منتخب ہوجانے کے بعد میرے ساتھ جماعتی اور دفتری امور میں صحیح تعاون کے لیے آمادہ نہ ہوئے۔ انھوں نے ۲۶؍ جنوری ۱۹۶۴ء کو بعض مشوروں کے لیے مجھے لاہور آنے کو کہا۔ میں ان کے ارشاد کے مطابق حاضر ہوا، لیکن وہ خود تقویۃ الاسلام کی اِعانت کے سلسلے میں دورے پر چلے گئے۔ میں انتظار کے بعد واپس چلا گیا۔

3 میرے اور رفقائے کابینہ کے ساتھ تعاون کے برعکس پروفیسر صاحب نے از خود مختلف مقامات کے دورے شروع کر دیے اور وہ ان دوروں میں اپنے ہم خیال حضرات کے اجتماع بھی کرنے لگے۔ اس ذیل میں سمندری اور لائل پور کے اجتماع خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

ان دونوں اجتماعات میں پروفیسر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جماعت کے دیرینہ کارکنوں اور مرحوم امیر کے رفقاء کے خلاف توہین آمیز الفاظ کہے۔ میری نسبت بھی بدگمانی کا اظہار کرتے ہوئے ایسے جملے کہے گئے جن کا مفہوم اور نتیجہ میرے خلاف بے اعتمادی کا اظہار تھا۔ میں آج تک ان مجالس کی آئینی اور اخلاقی حیثیت کو سمجھ نہیں سکا۔ ان تمام منفی سرگرمیوں کے باوجود میں پرامید رہا کہ وہ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ کسی نہ کسی وقت حقیقت پسندی کا ثبوت دیں گے اور اپنی روش پر نظر ثانی فرمائیں گے، لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔

4 اس دوران میں چونکہ اخبار ''الاعتصام'' دفتر اور دفتر کا تمام عملہ ناظمِ اعلیٰ کی نگرانی میں تھا، اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے اپنی ذات اور اپنے مدرسے کے لیے وسیع پیمانے پر جو پروپیگنڈا کیا، وہ نہ جماعتی نقطۂ نگاہ سے مناسب تھا اور نہ ہی جماعت کے ذمے دار عہدے دار کے شایانِ شان!

اس اثناء میں پروفیسر صاحب مختلف مقامات کا دورہ تو اپنے مدرسے کے لیے فرماتے رہے اور ان کی رپورٹ ناظمِ اعلیٰ کی کارگزاری کے طور پر شائع ہوتی رہی۔ انھی دنوں عید الاضحیٰ کے موقعے پر تقویۃ الاسلام کی اعانت کے لیے جو اشتہار شائع کیا گیا اس میں ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت میں ماتحت جمعیتوں کے امراء اور ناظمین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عید کے موقعے پر تقویۃ الاسلام کے لیے کھالیں جمع کریں۔ اس اشتہار کی ترسیل کے لیے پتے بھی مرکزی دفتر سے حاصل کیے اور اشتہار کی ترسیل وغیرہ کا سارا کام بھی دفتری عملے سے لیا۔ انھی ایام میں مرکزی دفتر سے ارکانِ شوریٰ کے پتے معلوم کر کے ان کے نام اپنے مدرسے کی اعانت کے لیے مطبوعہ خطوط ارسال کیے، اور اس میں یہ خاص احتیاط بھی فرمائی کہ جامعہ سلفیہ کے لیے اعانت کی اپیل سے قبل ان خطوط کو پہنچانے کا اہتمام کیا گیا۔

5 اس کے بعد پروفیسر صاحب نے مطالبہ کیا کہ مرکزی دفتر میں آنے والے تمام منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے نام آنے چاہییں اور ان کی وصولی بھی ناظمِ اعلیٰ کے دستخط سے ہونی چاہیے۔ ان کے اصرار پر ہم نے ان کا یہ مطالبہ تسلیم کر لیا، لیکن ڈاکیے کی آمد کے وقت وہ خود تو زیادہ تر کالج میں ہوتے تھے، اس لیے تمام منی آرڈر ان کی اہلیہ محترمہ وصول فرماتی رہیں جس سے حسابات میں گڑبڑ ہوتی رہی، چنانچہ چار منی آرڈر ایسے بھی معلوم ہوئے جو جامعہ سلفیہ کے لیے بھیجے گئے تھے اور پروفیسر صاحب نے وصول کیے، لیکن ان کی رقوم ایک عرصہ تک دفتر میں جمع نہ کرائیں۔ حتی کہ منی آرڈر بھیجنے والوں نے رسید نہ ملنے پر شکایتی خطوط لکھے تو کئی ماہ بعد دفتر کے مطالبے پر وہ رقوم واپس فرمائیں۔ اس لیے ۱۴؍ جون ۱۹۶۴ء کو مجلسِ عاملہ کا اجلاس بلایا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ آیندہ مرکزی جمعیت کے تمام منی آرڈر ناظمِ اعلیٰ کے بجائے ناظمِ مالیات وصول کیا کریں۔

6 اس تمام عرصے میں پروفیسر صاحب باقی رفقائے کابینہ سے عدمِ تعاون کی پالیسی پر گامزن رہے

اور مجالس میں دوسرے رفقاء سے ناشائستہ گفتگو کرتے رہے، چنانچہ ۱۲ر جولائی ۱۹۶۴ء کو کابینہ کے اجلاس میں جو پروفیسر صاحب کے مکان پر یعنی سابقہ دفتر ہی میں ہوا تھا، پہلے ناظمِ مالیات کو نامناسب الفاظ کہے اور اس کے بعد ناظمِ نشر و اشاعت کو بے نقط گالیاں دیں اور یہ بھی کہا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو؟ اور اسی غصے میں ناظمِ نشر و اشاعت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش بھی کی جس کو رفقاء نے بمشکل روکا۔ ہم نے اسی حادثے کے بعد ذہنی طور پر تبدیلیِ دفتر کا فیصلہ کر لیا، کیوں کہ پروفیسر صاحب کے طرزِ عمل کو بدلنا ہمارے لیے مشکل تھا۔

7 انہی دنوں دفتر کے عملے نے پہلے زبانی اور پھر تحریری طور پر مجھ سے درخواست کی کہ پروفیسر صاحب کی بدزبانی اور تشدد کی وجہ سے ہم موجودہ دفتر میں کام کرنے سے معذور ہیں۔ یہ وہی عملہ تھا جو آج سے چند ہفتے پہلے پروفیسر صاحب کا بڑا مداح اور معاون تھا۔ دفتر کے عملے نے ہمیں یہ بھی یقین دلایا کہ ہم دفتر کی تبدیلی میں امیر اور ارکانِ کابینہ کے ساتھ پوری طرح تعاون کریں گے۔ ان حالات میں ہمیں مجبوراً دفتر کو ''مجید یہ مل'' میں تبدیل کرنا پڑا۔ ناظمِ اعلیٰ نے نئے دفتر میں آنے جانے سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں پروفیسر صاحب کا میرے اور دوسرے ناظمین سے کلی طور پر تعلق منقطع ہو گیا۔

8 اس تعطل اور باہمی انقطاع کی خبر جب بیرونی رفقاء تک پہنچی تو انھیں صدمہ ہوا اور کئی ایک احباب نے اصلاح کا ارادہ فرمایا، لیکن راولپنڈی کے رفقاء نے اس سلسلے میں مصالحت کی مساعی میں پیش قدمی کی، چنانچہ ۱۵ر اگست ۱۹۶۴ء کو راولپنڈی میں مصالحتی اجلاس ہوا۔ مصالحتی کمیٹی کے ارکان نے طرفین سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اور ان کے خیالات اور مطالبات کی روشنی میں چند سفارشات مرتب کیں جو ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء کو عاملہ کے اجلاس میں آپ سن چکے ہیں۔

راولپنڈی میں پروفیسر صاحب کے مطالبے پر طے ہوا کہ دفتر مجید یہ مل سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا جائے، انھوں نے نئے دفتر کی تلاش کرنے اور امیر کے مشورے سے اس کے آخری فیصلے کی ذمے داری بھی لی۔ جب وہ ایک عرصہ تک دفتر کے لیے کوئی موزوں عمارت تلاش نہ کر سکے تو آخر راولپنڈی مصالحتی کمیٹی کے ارکان نے پروفیسر صاحب کو دکھا کر موجودہ دفتر کا انتخاب

کر دیا اور دفتر مجید یہ مل سے ۷۔ ایک روڈ میں منتقل کر دیا گیا جس کی منظوی مجلسِ عاملہ نے ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۴ء کے اجلاس میں دے دی۔ میں اور میرے رفقاء نے راولپنڈی میں طے کردہ تمام سفارشات کو جن کا تعلق ہمارے ساتھ تھا، عملی جامہ پہنایا، لیکن پروفیسر صاحب نے راولپنڈی میں قبول کی ہوئی کسی بھی ذمے داری کا احساس نہ فرمایا اور دفتری تعطل برابر رہا۔

9 اس کے بعد محترم مولانا اللہ بخش صاحب کمیر پوری نے اس تعطل کو ختم کرنے کی مخلصانہ کوشش کی اور اپنی پیرانہ سالی کے باوجود متعدد بار لائل پور سے لاہور، گوجرانوالہ اور پتوکی وغیرہ احباب سے تبادلۂ خیال کرنے اور مصالحت کے لیے فضا ہموار کرنے کی خاطر سفر کیے اور ان تمام سفروں کے مصارف بھی اپنی گرہ سے ادا کیے (خدا ان کو جزائے خیر دے)۔ بالآخر انھوں نے ۷ر مارچ ۱۹۶۵ء کو جماعت کے سرکردہ افراد کا مصالحتی اجلاس موجودہ دفتر میں بلایا۔ اس اجلاس کی صدارت محترم مولانا محی الدین احمد صاحب قصوری نے فرمائی۔ فریقین نے گذشتہ تمام اختلافات کو ختم کرتے ہوئے کام کرنے کی کچھ راہیں طے کیں۔ پروفیسر صاحب نے موجودہ دفتر کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے فرائض سنبھالنے کا یقین دلایا اور اپنے لیے علاحدہ کمرہ اور فرنیچر کی ضرورت کا اظہار کیا جو چند دنوں میں فراہم کر دیا گیا۔ اس اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ میاں عبدالمجید ناظمِ مالیات اور ناظمِ اعلیٰ کے مکان پر دفتر کا جو سامان باقی ہے، وہ تمام موجودہ دفتر میں منتقل کر دیا جائے۔ میاں صاحب نے اس فیصلے اور مولانا اللہ بخش صاحب کے ارشاد کے مطابق تمام سامان دفتر میں بھیج دیا، لیکن پروفیسر صاحب نے مولانا اللہ بخش کے خطوط اور متعدد بار زبانی تاکید کے باجود آج تک مرکزی جمعیت کا سامان دفتر میں منتقل نہیں کیا اور اس کے بعد نہ صرف یہ کہ عدمِ تعاون بدستور رہا، بلکہ اس مجلسِ مصالحت کے فوراً بعد پروفیسر صاحب نے میرے اور دوسرے رفقاء کے خلاف اخبارات میں بیان بازی شروع کر دی۔

10 اس کے بعد ۹ر جولائی ۱۹۶۵ء کو ناظمِ دفتر مولوی عبدالعظیم انصاری اپنی قیام گاہ واقع شیش محل روڈ سے دفتر کے لیے آرہے تھے تو پروفیسر صاحب (جو اس وقت اپنے مکان کے سامنے بازار میں کھڑے تھے) نے ان کو بلایا اور ان سے بڑی تلخ گفتگو کی اور گالیاں تک دیں، پھر انھیں بازو سے پکڑ کر اپنے مکان کے اوپر لے جانے کی کوشش کی۔ ناظمِ دفتر بمشکل ہاتھ چھڑا کر ان کی

گرفت سے بچے اور میرے پاس شکایت کی۔ میں نے پہلے دستی خط میں پروفیسر صاحب سے اس معاملے کی وضاحت طلب کی، لیکن انھوں نے میرے خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ ناظمِ دفتر سخت بد دل تھے، اس لیے میں نے ۵؍ ستمبر ۱۹۶۵ء کو اس قضیے کو سلجھانے کے لیے کابینہ کا اجلاس بلایا، لیکن پروفیسر صاحب اجلاس میں نہ آئے۔ اجلاس کے بعد میں نے پھر پروفیسر صاحب کو رجسٹرڈ لیٹر لکھا جسے انھوں نے وصول تو کر لیا لیکن جواب نہ دیا۔ اس کے بعد ۷؍ نومبر ۱۹۶۵ء کو میں نے عاملہ کا اجلاس بلایا، لیکن پروفیسر صاحب اس میں بھی تشریف نہ لائے۔

میں یہ ساری چیزیں گوارا کرتا رہا اور ناظمِ اعلیٰ کا کام بھی خود کرتا رہا کہ شاید دیر یا سویر اصلاح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے یا کم از کم اسی کھچاؤ میں ہماری انتخابی مدت پوری ہو سکے، لیکن اس کے بعد پروفیسر صاحب نے اپنے لیے نئے رفقاء تلاش کر لیے اور یہ وہی حضرات ہیں جن میں سے اکثر کو ان کے والدِ محروم اور ہمارے سابق امیر نے جمعیت سے خارج کیا تھا، پھر پروفیسر صاحب ان نئے ساتھیوں کے ہمراہ مجالس کرنے لگ گئے جن میں بحیثیت ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت کی نمایندگی شروع کر دی، حالانکہ انھوں نے اس معاملے میں نہ مجھ سے کوئی مشورہ لیا اور نہ ہی دوسرے ناظمین سے! اور نہ ہی اتنے کام کے لیے کابینہ یا عاملہ کے اجلاس کو ضروری سمجھا۔

ان حالات میں مَیں نے اپنا فرض سمجھا کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے مطبوعہ دستور کی دفعہ ۴۷/ھ کی رو سے انھیں ان کے عہدہ (نظامتِ علیا) سے عارضی طور پر معطل کر دوں، تاکہ وہ بحیثیت ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت کو کسی ایسی پوزیشن میں مبتلا نہ کر دیں جو جماعت کے وقار کے منافی اور اس کے دستور کے خلاف ہو یا جماعت اس کو برداشت کرنے سے قاصر ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے اس فیصلے کی اطلاع ۲۶؍ دسمبر ۱۹۶۵ء کو بذریعہ رجسٹرڈ لیٹر ان کو دے دی اور ۱۴؍ جنوری ۱۹۶۶ء کے ''الاعتصام'' میں اسے بصورتِ خبر شائع کرا دیا، تاکہ بیرونی جماعتیں اور پروفیسر صاحب کے نئے ساتھی اس امر سے آگاہ ہو سکیں کہ ان کی یہ تمام سرگرمیاں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت میں نہیں ہیں اور نہ ہی مرکزی جمعیت ان کی کارروائیوں کی ذمے دار ہے۔

محمد اسماعیل السلفی

امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

آل پاکستان مؤتمر اہلِ حدیث کانفرنس کراچی کے متعلق جمعیت اہلحدیث، مغربی پاکستان کا فیصلہ

نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کا اعلان کیا جاتا ہے کہ کراچی کے بعض تاجروں نے ایک آدھ مولوی کی سرکردگی میں جو ''آل پاکستان اہلِ حدیث موتمر'' کراچی میں قائم کی ہے اور اس کے جلسے کا اعلان بھی کر دیا ہے اور اب وہ چندہ فراہم کرنے کے لیے اپنے ایجنٹوں کو بھیج رہے ہیں، نہایت افسوس ناک افتراق انگیز اور جماعت کی وحدت و سالمیت کو تباہ کرنے کے لیے یہ قدم اُٹھایا گیا ہے۔ اس لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کراچی کی اس مؤتمر کو جمعیت مرکزیہ اہلِ حدیث، مغربی پاکستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جمعیت مرکزیہ اہلِ حدیث قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء سے خدا کے فضل سے قائم ہے اور اپنا ایک وسیع اور مضبوط نظام رکھتی ہے۔ تمام جماعت کے لیے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ وہ ''موتمر اہلِ حدیث'' کے لفظ سے دھوکا نہ کھائیں اور ایسے تفرقہ پرداز شخص کی حرکات سے قطعی طور پر کنارہ کش رہیں اور کسی طرح ان کی حوصلہ افزائی نہ کریں۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۰/ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے خلاف افتراق انگیز مساعی مسٹر آٹیہ کی چٹھی اور اظہارِ حقیقت

مولوی یوسف اور مسٹر آٹیہ کی افتراق انگیز مساعی کا تذکرہ ناظرینِ ''الاعتصام'' کم و بیش سن چکے ہیں۔ جمعیت کراچی کا ایک وفد پنجاب میں پھر رہا ہے اور افتراق اور چندہ دونوں شغل ان کے پیشِ نظر ہیں۔ ذیل کی چٹھی مسٹر آٹیہ کی طرف سے آئی ہے، جس کا جواب ناظرین کے سامنے ہے۔ ناظرین خود فیصلہ فرمائیں کہ اصلاح وتعمیر کی راہیں کس قدر دشوار ہیں اور تخریب کس قدر آسان؟!

اظہارِ حقیقت بضمنِ مؤتمر اہلِ حدیث:

''مولانا محمد اسماعیل صاحب (ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان) کے اعلان مندرجہ ''الاعتصام'' (مورخہ: ۱۰/ اکتوبر) کو جمعیت اہلِ حدیث کراچی کے اجلاس منعقدہ ۱۲/ اکتوبر میں پیش کیا گیا، جس پر جملہ اراکین مجلسِ منتظمہ نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اس امر پر اظہارِ تعجب کیا کہ مولانا موصوف نے نہ معلوم کس طرح تنقید وتبصرے کے معیار کو اس قدر گرا دیا۔ حالاں کہ ان کو انعقادِ کنونشن (مجلسِ شوریٰ) بضمن سہ روزہ کانفرنس سالانہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی کے حقائق سے بہ خوبی آگاہ کیا جا چکا تھا۔

''ناظرین کی اطلاع کے لیے یہ واضح کرنا از بس ضروری ہے کہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۶/ جولائی ۱۹۵۲ء میں موجودہ الحاد وانکارِ حدیث وختمِ نبوت کے پیشِ نظر اغراض ومقاصدِ جمعیت کی روشنی میں تبلیغِ دین کو وسیع تر پیمانے پر سرانجام دینے کے لیے کافی غور وخوض کیا اور بالآخر یہ طے پایا کہ اس غرض کی تحصیل کے لیے ایک کل پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس بلائی جائے، جس میں مختلف صوبہ جاتِ پاکستان کے جلیل القدر علماء و دیگر مفکرینِ جماعت کو مدعو کیا جائے، تاکہ وہ باہمی مذاکرے اور بحث وتمحیص کے بعد ایسی تدابیر سوچ سکیں جن سے مذکورہ بالا

فریضۂ تبلیغ و اشاعتِ دین بہ طریقِ احسن ادا ہو سکے اور آج کل جو کفر و الحاد کی رَو ساری دنیا میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص نہایت تیز رفتاری سے جاری ہے، اس کا انسداد ہو سکے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

''اس کے علاوہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی نے یہ بھی مناسب جانا کہ اپنے مندرجہ ذیل اغراض و مقاصد کو (جس سے ہر وہ شخص جس کے دل میں دینی تڑپ ہے، متفق ہوگا) مجوزہ آل پاکستان اہلِ حدیث کانفرنس کے سامنے پیش کرے، تاکہ باہمی مشورے سے ایسے اسباب و ذرائع اختیار کیے جاسکیں جن سے ان کی تحصیل و تکمیل ہو سکے۔

''مندرجہ بالا بیان سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ''اب تک آل پاکستان اہلِ حدیث موتمر کا قیام وجود میں نہیں آیا۔'' جس کے متعلق مولانا محمد اسماعیل صاحب کو نامعلوم کس طرح غلط فہمی ہوگئی ہے کہ انھوں نے اپنے اعلانِ مذکور الصدر میں کہہ دیا کہ ''آل پاکستان اہلِ حدیث موتمر کراچی میں قائم کی ہے۔'' بے شک اس قسم کی ایک کل پاکستان جمعیت کی ضرورت ہر فردِ جماعت ابتداء سے محسوس کر رہا ہے۔ بس اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پہلا قدم ہے جو جمعیت اہلِ حدیث کراچی نے اُٹھا کر محض داعی الی الخیر کی حیثیت اختیار کی ہے۔ اس سے زیادہ اس کا ہرگز کوئی مقصد نہیں۔ اسی لیے وہ ہر فردِ جماعت سے مخلصانہ اپیل کرتی ہے کہ اس کے ان نیک عزائم میں بموجب فرمانِ خداوندی: ﴿تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ اس کی ہر ممکن اعانت کرے۔

''واضح رہے کہ اس سلسلے میں بتاریخ ۲۱/ ستمبر ۱۹۵۲ء مولانا موصوف سے بضمن عصرانہ مشورہ کیا گیا، جس پر انھوں نے فرمایا کہ ''جماعت کے اصحابِ فکر کو مختلف مقامات سے بلا کر تجویز پیش کی جائے اور ان کے فیصلے پر عمل ہو۔''

''اس سے واضح ہوتا ہے کہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی نے مذکورہ بالا مقاصد کے لیے جو مجلسِ مشاورت بلائی ہے، وہ عین مولانا محمد اسماعیل صاحب (ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان) کے مشورے اور راہنمائی کے مطابق ہے۔ اس لیے اس میں کم از کم ان کو کسی قسم کا اعتراض نہ ہونا چاہیے تھا۔ مگر حیرت ہے کہ انھوں نے خود اپنے ہی مشورے کے خلاف مجوزہ موتمر کی مخالفت کی ہے، جس سے جماعت میں ''سوئے فہمی'' اور افتراق پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس اندیشے کا سدِ باب

کرنے کے لیے جمعیت اہلِ حدیث کراچی کی اس پیش قدمی اور تحریک سے لوگوں کو مزید باخبر کرنے کے لیے جمعیت کے وفود ناظرین کی خدمت میں پہنچ رہے ہیں۔''

(ازطرف: محمد صالح آٹیہ برائے جنرل سیکرٹری جمعیت اہلِ حدیث کراچی)

جوابی گزارش

جمعیت اہلِ حدیث کراچی کی تاسیس تھوڑا عرصہ ہوا عمل میں آئی۔ ابتدائے آفرینش ہی سے جمعیت ایسے ہاتھوں میں چلی گئی جن سے نہ تو جماعت کی سالمیت محفوظ رہ سکتی تھی اور نہ ہی جماعت کا علمی وقار خطرات سے بچ سکتا تھا۔ مولانا یوسف خاں صاحب، مسٹر صالح آٹیہ کی کلکتہ اور مدراس کی زندگی کے واقعات ہمارے سامنے تھے۔ جمعیت تنظیم اہلِ حدیث کی نیابت کے بعد جو کچھ کلکتہ میں ہوا، اس سے ہمارے حافظے ناآشنا نہ تھے۔ مولانا فضل الٰہی وزیر آبادی سے تعلق اور فقیر ایپی سے بیعت اور اُن کے پیغامات کے افسانے، پورے پسِ منظر کے ساتھ ہمارے سامنے تھے۔ مولانا یوسف صاحب قبلہ کی عجلت پسندی اور قوتِ فیصلہ کا فقدان معلوم اور مسٹر آٹیہ کی ہشیاریاں اور سودے بازیاں بھی ہمارے لیے حدیثِ محفل سے کم نہ تھیں۔

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تاسیس ۱۹۴۸ء کے اوائل سے ہو چکی تھی۔ مناسب بلکہ ضروری تھا کہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی تعاون اور مشورے سے کام کرتی۔ اس کی تاسیس اس انداز سے عمل میں آتی جس سے جماعت کی وحدت اور سالمیت کو خطرہ نہ ہوتا، مگر جمعیت اہلِ حدیث کراچی پیدا ہوتے ہی ایسے حضرات کی گود میں چلی گئی جن سے جماعتی زندگی کی توقع، اتفاق و وحدت کی اُمیدوں کا بر آنا اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

پنجاب تو خیر کچھ دور تھا، خود کراچی میں شیخ عبدالوہاب صاحب بانی مدرسہ رحمانیہ دہلی، محترم حافظ محمد اسماعیل صاحب بانی لائبریری ''رابطة العلوم الإسلامية'' ایسے مخلص اصحابِ خیر اور جماعت کے خیر اندیش بھی اس کے قریب نہ پھٹک سکے۔ مولانا یونس صاحب اور محترم شیخ خلیل عرب ایسے فضلائے روزگار بھی اس کے نظام سے مطمئن نہ ہو سکے۔

ابتدائے امر:

''سرچشمہ شاید گرفتن بمیل'' [1] کے مطابق ضروری تھا کہ ہم اس افتراق انگیز تحریک کے متعلق

[1] چشمے کا دھانہ ایک سلاخ سے بند کیا جا سکتا ہے۔

جماعت کو ابتداء ہی میں آگاہ کر دیتے اور کراچی کے اصحابِ فکر اور مخلص احباب کی ایک نمایندہ جماعت کی تشکیل کر دی جاتی، مگر جماعت کی سالمیت کے پیشِ نظر ہم اس فریضے کو ادا کرنے سے قاصر رہے۔ ہم نے جمعیت کراچی کے ساتھ ممکن تعاون کیا اور جمعیت کے بعض غیر موزوں اعمال وافکار کی پردہ پوشی کرتے رہے۔ صدرِ محترم حضرت مولانا سید محمد داود صاحب، مولانا یوسف خاں اور مسٹر آٹیہ کو سمجھاتے رہے کہ وہ مشورے اور تعاون سے کام کریں، جس کا ذکر ''الاعتصام'' (مورخہ: ۱۷/ اکتوبر ۱۹۵۲ء) میں حضرت مولانا کے گرامی نامہ میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، مگر مسٹر آٹیہ اور خاں صاحب دینا نگری تفریق اور مخاصمت کی راہ پر کمر بستہ رہے۔

میں نے دو ہفتے قبل کراچی کا سفر کسی دوسری ضرورت کے ماتحت کیا تھا، مگر مولانا یوسف کے ارشاد کے مطابق جمعیت اہلِ حدیث کراچی کے زیرِ اہتمام تقریر کرنا منظور کر لیا۔ اپنے کام سے فرصت اور فراغت کے باوجود میں بھائی یوسف اور ان کی دعوت و ارشاد کے مطابق مزید ایک دن ٹھہر گیا اور جمعیت کراچی کے اہتمام اور حضرت فاضل علامہ شیخ خلیل عرب آلِ حسین کے زیرِ صدارت تقریر کی اور ایک عصرانہ میں مولانا یوسف خان کے دولت کدے پر شریک ہوا۔ وہیں آٹیہ صاحب کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

بدگمانی کا آغاز:

صدرِ محترم جمعیت کراچی اور اس کے اراکین کے متعلق پورے بدگمان تھے، مگر میں حضرت محترم کے سامنے ادباً خاموش تھا۔ میری بدگمانی کا آغاز اسی عصرانے سے ہوا جس کا تذکرہ محترم آٹیہ نے اپنی چٹھی میں کیا۔ مجھے اس عصرانے میں اشتراک پر بے حد افسوس ہوا۔ اس مجلس میں تدبر، سنجیدگی بالکل ناپید تھی۔ علماء پر بعض نوجوان سوقیانہ حملے کرتے تھے۔ مولانا خلیل عرب ایسے مخلص اور یگانۂ روزگار فاضل کا مذاق خود مولانا یوسف خاں نے متعدد دفعہ اُڑایا۔ مولانا محمد یوسف صاحب نے اس مجلس مین مولانا یونس صاحب اور دوسرے اہلِ علم کو کئی دفعہ مناظرے کا چیلنج دیا۔ میں حیرت میں تھا کہ

اینچہ مے بینم سدا است [1]

اس مجلس کے اربابِ بست وکشاد میں مولانا عبدالحنان صاحب اور مولانا عبدالوکیل صاحب

---

[1] میں جو دیکھ رہا ہوں، یہی ان کا وتیرہ ہے۔

کے علاوہ ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جس پر کوئی جماعتی ذمے داری ڈالی جا سکے۔ اگر مولانا یوسف خاں صاحب مسٹر آٹیہ کا تعارف نہ کراتے تو میں ان کی وضع سے انھیں قادیانی اور نقل وحرکت سے انھیں سی۔آئی۔ڈی کا آدمی سمجھتا، جو ایک پرائیویٹ مجلس کی رپورٹ لینے آیا ہے۔ مولانا یوسف کا میں ممنون ہوں کہ ان کے تعارف نے یہ بدگمانی دور کر دی اور میں مسٹر آٹیہ کو جمعیت کراچی کا ناظم سمجھنے لگا۔

ایک دستی اشتہار:

مسٹر آٹیہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی کا تعارف کرا رہے تھے کہ ایک دستی اشتہار میرے ہاتھ میں دیا گیا، جس کا عنوان تھا: ''کل پاکستان مؤتمر اہلِ حدیث'' (وضاحت) ''کل پاکستان'' یعنی موجودہ حدودِ پاکستان ''مؤتمر'' یعنی کانفرنس اور ''اہلِ حدیث'' سے مراد ہر وہ مسلمان جو حدیث کا اہل ہو، یعنی منکرِ حدیث نہ ہو۔

یہ فقرات اس دستی اشتہار کے عنوان کے طور پر مرقوم تھے۔ اشتہار آنے کے بعد میں تو ابھی خاموش ہی تھا، اہلِ حدیث کی اس تعریف پر بحث کا آغاز مولانا عبدالوکیل نے فرمایا۔ وہ اس تعریف کو ناپسند فرماتے تھے۔ حضرت مولانا یونس صاحب نے بھی ان کی تائید فرمائی۔ مولانا عبدالحنان صاحب کا لہجہ اس معاملے میں زیادہ تیز تھا، وہ دریافت فرما رہے تھے کہ اس اشتہار کا مسودہ کس نے لکھا؟ اتنے میں مولانا یوسف خاں صاحب باہر سے تشریف لائے اور بحیثیت صدر بیٹھ گئے اور اچھے تلخ لہجے میں فرمایا: ''بڑے افسوس کی بات ہے کہ اشتہار سب کے مشورے سے لکھا گیا اور اب آپ ہی اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔'' مولوی عبدالحنان صاحب نے اس کے متعلق لاعلمی کا اظہار فرمایا۔ مولوی یوسف صاحب نے بڑے جلال سے فرمایا کہ آپ کے پاس کئی دفعہ مسودہ بھیجا گیا، آپ ملتے ہی نہیں۔ اس وقت مجلس خاصی تیز ہو گئی اور مولوی عبدالوکیل اور مولوی محمد یوسف کی تلخ کلامی کافی بڑھ گئی۔ مولانا عبدالوکیل واک آؤٹ کے لیے تیار ہو رہے تھے کہ مولوی یوسف صاحب نے بحیثیتِ صدر گفتگو بند کر دی اور فرمایا کہ میں اس صورت میں بحث کی اجازت نہیں دیتا۔

میں نے عرض کیا کہ اس تعریف کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اَسلاف نے آج سے کئی سو سال ساری دنیائے اسلام میں اور ایک سو سال ہندوستان میں مسلک اہلِ حدیث کی اشاعت میں جو کچھ کہا، سب غلط تھا۔ ﴿ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ﴾ [النحل: ۹۲] کی ہم لوگ زندہ مثال ہیں۔

مولوی عبدالوکیل صاحب یا کسی دوسرے بزرگ نے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی کتاب ”حجة الله البالغة“ کے ”باب الفرق بين أهل حديث وأهل الرأي“ کا ذکر فرمایا۔ مولوی یوسف نے فرمایا: ہم شاہ صاحب کے مقلد نہیں۔ مولانا محمد یونس صاحب نے بھی اس تعریف کے خلاف اپنی رائے کا اظہار فرمایا۔ مولوی محمد یوسف صاحب نے فرمایا: اس پر مناظرہ کرلو۔ اور قریباً ہر تنقید کا جواب مولوی یوسف کے پاس یہی تھا۔ مسٹر آٹیہ میدانِ کارزار کا جائزہ پورے اطمینان سے لے رہے تھے۔ ایک حیدرآبادی نوجوان اور مسٹر آٹیہ بوقتِ ضرورت مولوی یوسف صاحب کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ باقی سارا ہاؤس یا تو مولوی یوسف صاحب کے مخالف تھا یا خاموش تماشائی۔

مولوی یوسف صاحب نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ کی کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ وضاحت کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے، سب اُڑا دیجیے۔ اہلِ حدیث علم ہے، اعلام کے لیے مزید فصول اور تشخصات کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مولانا یوسف صاحب مجھے اس کج بحثی میں اُلجھانے کی کوشش فرماتے رہے، مگر میں اس سے دامن بچاتا رہا۔ بحمد اللہ میرا ذہن رسمی مناظرات کے جنون سے خالی ہے۔ میں اس کو کوئی فیصلے کی صورت نہیں سمجھتا۔

”کل موتمر“:

مولانا عبدالحنان صاحب کے جواب میں مَیں نے عرض کیا کہ جس جمعیت کے صدر حضرت مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی ہیں، وہ ”جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان“ ہے۔ اس پر آٹیہ صاحب نے فرمایا: ہماری خواہش ہے کہ ”آل پاکستان موتمر“ بنائی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ کو اس مسئلے پر سوچنا ہے تو پورے پاکستان سے چند مفکر حضرات کو بلا کر مشورہ کر لیجیے۔ اس کے لیے کسی کانفرنس یا بڑے جلسے کی ضرورت نہیں، اگر اصحابِ فکر نے اس کی ضرورت محسوس کی تو اس کی تشکیل کے اسباب و دواعی پر غور کر لیا جائے گا۔ یہ تجویز تقریباً پورے ہاؤس نے پسند کی۔ اسی کا ذکر مسٹر آٹیہ نے اپنے مضمون میں کیا ہے اور یہ صحیح ہے، اس کے متعلق ایک حیدرآبادی نوجوان کچھ کہتے رہے، میں ان کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اس پر مولانا عبدالحنان صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ تجویز منظور ہے تو وفود کو روک دینا چاہیے۔ مسٹر آٹیہ نے قریب سے ان کا پاؤں دبا دیا اور وہ خاموش ہو گئے۔

میری حیرت:

اختتامِ مجلس کے بعد میں مسٹر آٹیہ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے ان کے پاس گیا تو میری

حیرت کی کوئی حد نہ رہی کہ مسٹر آٹیہ چار سو بیس میں مشغول تھے۔ وہ مجلسِ استقبالیہ کی کاپیاں تقسیم فرما رہے تھے۔ میں مسٹر آٹیہ کی اس جرأت پر واقعی حیران ہوں کہ جس مجلس میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ اب جلسے کی ضرورت نہیں، اسی مجلس میں وہ اس کی خلاف ورزی فرما رہے تھے اور وفود کا پروگرام بنا رہے تھے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

مسٹر آٹیہ فرماتے ہیں کہ ''اب تک آل پاکستان موتمر اہلِ حدیث کا قیام وجود میں نہیں آیا۔'' ادباً گزارش ہے کہ حضور یہ آپ کی مجلسِ استقبالیہ کیا یہ کسی معدوم چیز کا استقبال کرے گی؟ کراچی، بہاول پور اور مغربی پنجاب میں آپ کے وفود بھیک مانگ رہے ہیں۔ سب اقتصادی کوششیں کسی ناپید چیز کے لیے فرمائی جا رہی ہیں؟ آپ کے خطوط کسی غیر موجود جمعیت کی اعانت کے لیے بھیجے جا رہے ہیں؟ میرا مشورہ یا ادباً گزارش تو یہ تھی، چند اصحابِ فکر کو بلا لیجیے۔ اے چندہ مجسم! کیا چند آدمی جماعتی مفاد کے لیے اپنا کرایہ بھی نہیں خرچ کر سکتے؟ مغربی پنجاب کی جمعیت اہلِ حدیث ورکنگ کمیٹی کے ممبران کو ایک پائی بھی نہیں دے رہے۔ اپنے اخراجات پر اجلاس میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر آپ ان حضرات کو کرایہ دینا بھی چاہتے ہیں تو سارا پاکستان مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ نے کراچی ہی میں کئی حضرات سے سو سو روپیا وصول فرمایا ہوتا، اب پورے پنجاب میں کاسۂ گدائی لے کر کیوں پھرا جا رہا ہے؟ موتمر کو وجود میں آنے دیجیے، وہ اپنے بقا کے لیے خود راہ پیدا کر لے گی۔

محترم مسٹر آٹیہ! ۱۲/ اکتوبر ۱۹۵۲ء کے روزنامہ ''زمیندار'' میں صدر کل پاکستان موتمر اہلِ حدیث کی طرف سے ایک اعلان چھپا ہے، جس میں لیگ کونسل سے مکمل وفاداری کا عہد کیا گیا ہے اور درخواست کی گئی ہے کہ پاکستان کو جمہوریہ قرار دیا جائے۔

میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ کون سی مؤتمر کے صدر پاکستان کو جمہوریہ بنانے کا مطالبہ فرما رہے ہیں اور لیگ کونسل کے ساتھ بلا شرط وفاداری کا عہد کر رہے ہیں؟

محترم مسٹر آٹیہ! اگر سچ بولنا جرم نہیں تو سچ بولنے کی کوشش فرمایئے۔ اس سے بہت سی مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔

حضرت مولانا یوسف صاحب (علامہ) سے گزارش ہے کہ آیا کوئی دینی جماعت لیگ ایسی آزاد منش جماعت کے ساتھ بلا شرط وابستہ ہو سکتی ہے؟ لیگ اور موجودہ حکومت کا تعلق آپ حضرات

سے مخفی نہیں ہے۔ مسٹر بروہی کے ساتھ مخاصمت محض ایک نمائش ہوگی اور دینی دستور کا مطالبہ محض سخن سازی۔ اس لیے میری گزارش ہے کہ آپ ایسے حضرات پر نہ جمعیت اہلِ حدیث کراچی کو اعتماد ہونا چاہیے اور نہ کسی آل پاکستان جماعت کو۔ اگر آپ ناراض نہ ہوں تو عرض کروں ع

مرا بنفع تو امید نیست برساں[1]

میں نے آپ کی چٹھی کو بار بار پڑھا اور ان واقعات پر غور کیا جو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے، مجھے آپ کے ارشادات میں تصنع اور بناوٹ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

آپ دنیا میں ترقی کیجیے۔ خدا آپ کو برکت دے، مگر جماعت کو اس کے لیے سیڑھی نہ بنائیے اور چندہ مانگنے کا پیشہ چھوڑ دیجیے۔ اس میں آپ کی بہتری ہوگی۔

میں اب بھی وثوق سے کہہ سکتا ہوں آپ درحقیقت ذہنی طور پر موتمر بنا چکے ہیں۔ اس کے لیے چندے مانگ رہے ہیں۔ انکار محض ظاہر داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچائی کی توفیق عطا فرمائے۔ آخر میں آپ دونوں حضرات سے ادباً گزارش ہے کہ جماعت پر رحم کیجیے اور اپنی ضروریات کے لیے کوئی اور راہ تلاش فرمائیے۔

مجھے بحمد اللہ آپ حضرات کے متعلق کوئی غلط فہمی نہیں، میں نے جو نتائج اخذ کیے ہیں، وہ دیکھنے کے بعد کیے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلَى مَا أَقُوهلُ شَهِيدٌ. آپ نے کس قدر خلافِ واقع فرمایا ہے کہ وفود اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ میرے اعلان سے پیدا شدہ غلط فہمی کو رفع کریں، حالاں کہ آپ وفود کا فیصلہ آج سے قریباً ایک ماہ پہلے فرما چکے تھے، جبکہ میں کراچی میں تھا۔ اللہ تعالیٰ جھوٹ کبھی بار آور نہیں فرماتا۔ ﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوٓا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ﴾ [الشعراء: ۲۲۷]

آپ کا خیر اندیش

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[2]

---

[1] مجھے تم سے کوئی فائدہ ملنے کی اُمید نہیں۔

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۴/ اکتوبر ۱۹۵۲ء)

محمد صالح آٹیہ، مولوی عبدالحنان، چودھری عبدالرشید جہلمی، حکیم عبدالعزیز رنگونی

جماعت اہلِ حدیث کے مرکزی نظام سے خروج اور انتشار پیدا کرنے کی وجہ سے
جماعت کے باغی قرار دیے گئے

محمد صالح صاحب آٹیہ کی ایک چٹھی اس مضمون کی دفتر میں موصول ہوئی ہے:

''موتمر اہلِ حدیث کراچی نے اپنے اجلاس منعقدہ ۶/ دسمبر ۱۹۵۵ء میں متفقہ طور پر طے کیا ہے کہ آپ کے حالیہ دستور کی عملی دشواریوں اور صدر جمعیت کے آمرانہ اور حاکمانہ رجحانات کے پیشِ نظر اپنے اس الحاق کو، جس کی آپ کو پہلے اطلاع دی گئی تھی، توڑ دیا گیا ہے۔''

مجھے انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑا کہ محمد صالح صاحب آٹیہ اور اُن کے ساتھیوں کا یہ عذر لنگ ہے۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ صدرِ محترم نے موتمر اہلِ حدیث کراچی (شاخ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان) کے حالیہ انتخاب کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ

1. مرکزی جمعیت کے قواعد کے مطابق نئے قرطاسِ رکنیت پر رکن سازی ضروری ہے، لیکن انھوں نے اس کی پروا نہ کی۔
2. قواعد کے مطابق تمام مغربی پاکستان کی ابتدائی شہری اور ضلعی جماعتوں کا انتخاب ایک مقررہ وقت میں کیا جاتا ہے، لیکن انھوں نے کراچی کی جمعیت (موتمر) کا سالانہ انتخاب قواعد کے خلاف مقررہ وقت سے پہلے کر دیا۔
3. قواعد کے مطابق تمام عہدے داروں کا انتخاب اراکین کے اجتماعِ عام میں ہوتا ہے، لیکن انھوں نے اجتماعِ عام میں عہدے داروں کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ چھے سات افراد نے ایک پرائیویٹ مکان میں جمع ہو کر عہدے داروں کا انتخاب کر لیا۔

اور یہ تمام قواعد مرکزی جمعیت کے جدید دستور میں اضافہ نہیں کیے گئے، بلکہ پرانے دستور میں

بھی یہی دفعات تھیں اور اسی قدیم دستور کی موجودگی میں موتمر والوں نے مرکزی جمعیت سے الحاق کیا تھا اور جدید دستور کے مطابق قرطاسِ رکنیت میں بھی کسی ایسی بات کا اضافہ نہیں کیا گیا جس کی پابندی کسی اہلِ حدیث کے لیے دشوار ہو۔ البتہ قدیم اور جدید قرطاسِ رکنیت کی شرائط میں ہر رکن کی عملی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے یہ پابندی لگا دی گئی ہے کہ جمعیت کا ہر رکن فرائضِ شرعیہ کا پابند اور کبائر سے پرہیز کرتا ہو۔ اگر یہ پابندی آٹیہ صاحب اور ان کے ساتھیوں کے لیے دشوار تھی اور اس لیے وہ مرکزی جمعیت کے نظام کی اطاعت قبول کرنے کے بعد اس سے خروج کی راہ اختیار کر رہے ہیں تو انتہائی صدمے کی بات ہے۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو ان کو واضح کرنا چاہیے کہ نئے دستور میں وہ کون سی پابندیاں ایسی ہیں جو ان کے لیے ناقابلِ عمل ہیں اور ان کی وجہ سے انھیں بغاوت کی راہ اختیار کرنا پڑی؟!

نیز اُن کا یہ کہنا کہ صدرِ مرکزیہ کا رویہ آمرانہ ہے، ''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' کے مصداق ہے۔ صدرِ محترم کی طرف سے انھیں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ موتمر اہلِ حدیث کا انتخاب قواعد کے خلاف ہوا ہے۔ اس لیے مجلسِ مرکزیہ کے قواعد کے مطابق انتخاب ہونا چاہیے۔ کون صاحبِ عقل و خرد اس کو آمریت کہہ سکتا ہے؟ ملحقہ جماعتوں کو بدنظمی سے بچانا، ڈسپلن کا پابند بنانا اور قواعد کا احترام کرنا آمریت نہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات اور ان کے مقتضیات کو پورا کرنا اور جماعت کو انتشار سے بچانا اور لامرکزیت کو ختم کرنا اور جماعتی نظام کو جمہوری طریقوں پر چلانا ہے۔

آٹیہ صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے مرکزی نظام سے بغاوت کیوں کی؟ یہ کسی قدر تفصیل کا محتاج ہے۔ ہم سرِ دست آٹیہ صاحب کے ایک خط کا اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اس سے ان کی ذہنیت آشکارا ہو جاتی ہے۔

محمد صالح صاحب آٹیہ محترم صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کو اپنے ایک خط مورخہ ۱۴/ نومبر ۱۹۵۵ء میں ایک کنونشن کے انعقاد کے لیے مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''صرف ۱۷/ ۱۵ افراد ہی کو مدعو کریں، لیکن صرف علماء تک محدود نہ رکھیں، بلکہ گریجویٹ حضرات کو زیادہ اہمیت دیں، کیوں کہ میرا تجربہ ہے کہ دو مولوی کبھی ایک ساتھ مل کر کام نہیں کر سکتے اور نہ موجودہ گندی ریاست اور چالبازیوں کو سمجھنے کی صلاحیت ہی ان میں پائی جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ نئی پود کو لیڈر شپ دی جائے... اور اسی سپرٹ کے ماتحت ہم نے (موتمر اہلِ حدیث کراچی) کی صدارت پر اس دفعہ ایک غیر مولوی کو مامور کیا ہے۔''

آخری فقرہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ صدر محترم کو آمریت کا طعن دینے والوں کا یہ حال ہے کہ ایک غیر مولوی کو صدارت کے لیے منتخب نہیں، بلکہ مامور کرتے ہیں!!

اسی ذہنیت کی بنا پر آٹیہ صاحب اور ان کے ساتھی جمعیت اہلِ حدیث کراچی سے الگ ہوئے اور اسی انتشار پسند طبیعت اور جماعتی نظام کی پابندیوں سے گریز پائی نے اب ان کو مرکزی جمعیت اہلِ حدیث سے خروج اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ اس لیے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان تمام ملحقہ شاخوں اور ان تمام افراد کو جو مرکزی جمعیت اہلِ حدیث سے وابستہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ جماعت اہلِ حدیث کا ایک مرکزی نظام ہو اور تمام افرادِ جماعت اس سے وابستہ، پیوستہ اور منسلک ہوں اور جماعت کا مرکزی نظام ایک مضبوط اور مستحکم نظام ہو، مطلع کیا جاتا ہے کہ محمد صالح صاحب آٹیہ، مولوی عبدالحنان ایڈیٹر رسالہ ''المؤتمر'' کراچی، چودھری عبدالرشید جہلمی اور حکیم عبدالعزیز رنگونی جماعتی نظام کی اطاعت قبول کرنے کے بعد خروج اور بغاوت کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔

ان سے کسی قسم کا رابطہ یا تعلق نہ رکھیں اور ہر جگہ ان کی اس سرکشی اور تمرد کی روش کی مذمت کی جائے۔ تاکہ مرکزی نظام سے سرکشی اور تمرد کی راہ اختیار کرنے پر وہ ندامت محسوس کریں اور آیندہ اس قسم کے انتشار پسند عناصر کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۳؍ دسمبر ۱۹۵۵ء)

المؤتمر کی ناشائستہ حرکت

ہم نے مولوی عبدالحنان علوی کا وہ پمفلٹ، جو انھوں نے ''المؤتمر'' کے حوالے سے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے صدرِ محترم مولانا سید داود غزنوی کے خلاف معاندانہ رنگ میں لکھا ہے، دیکھا۔ افسوس کے ساتھ یہ عرض کرنا پڑتا ہے کہ آج تک ہم نے کسی عالم کی ایسی متبذل اور سوقیانہ تحریر کسی عالم کے خلاف نہیں دیکھی۔ مولوی عبدالحنان صاحب اگر یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے انھوں نے صدرِ محترم کے وقار اور عظمت کو نقصان پہنچایا ہے تو وہ مغالطے میں ہیں۔ جہاں کہیں انھوں نے اپنا کتابچہ بھیجا، احباب نے یا تو اسے نذرِ آتش کیا، یا حقارت سے ٹھکرا دیا۔ البتہ مولوی عبدالحنان صاحب کے متعلق لوگوں کو رائے قائم کرنے کا موقع مل گیا کہ وہ کیسی زبان استعمال کر سکتے ہیں اور کس اخلاق کے مالک ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی مصلح نے اپنی قوم یا اپنی جماعت کی اصلاح و تنظیم کی کوشش کی تو جاہ پسند، خودغرض اور ذاتی مفاد کو جماعتی مفاد پر ترجیح دینے والوں نے مصلح کی مخالفت کی۔ اس کے خلاف معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اس کی مساعیِ اتحاد کے مقابلے میں تفریق و تشتت کے کانٹے بچھائے اور مصلح کو ناکام اور ذلیل کرنے کی کوشش کی۔

صدرِ محترم کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ انھوں نے باوجود علالتِ طبع کے بارہا کوشش کی کہ کراچی کی جماعت اہلِ حدیث جو کئی گروہوں میں بٹی ہوئی ہے، وہ ایک ہوجائے اور مغربی پاکستان میں جماعت کا مرکزی نظام جو قائم ہے، اس کے ساتھ منسلک ہوجائے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ جماعت متحدہ قوت کے ساتھ کام کر سکے گی، بلکہ اس کے وقار میں اضافہ ہوگا۔ دوسری جماعتوں کی نظروں میں اس کی وقعت ہوگی اور اربابِ اقتدار کے ہاں بھی اس کا ایک مقام ہوگا۔

مولوی عبدالحنان اور ان کے ساتھیوں نے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے نظام میں شریک ہو کر خروج کی جو وجہ بیان کی، اس کے متعلق ''الاعتصام'' کی گذشتہ اشاعتوں میں تفصیل شائع کر چکے ہیں، ہمیں اس کے دہرانے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ خود مولوی عبدالحنان نے تسلیم کیا کہ ان کا انتخاب

واقعی قواعد کے خلاف تھا۔ صدرِ محترم کا فرض ہے کہ وہ ما تحت جماعتوں سے قواعد کی پابندی کرائیں اور نظامِ جماعت کو بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں سے پاک رکھیں۔ اگر صدرِ محترم نے مولوی عبدالحنان صاحب سے یہ کہا کہ آپ قواعد کے مطابق نیا انتخاب کرائیں، جماعت جن حضرات کو عہدہ دار منتخب کرے، ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں اور میری موجودگی میں صدرِ محترم نے مولوی عبدالحنان صاحب سے فرمایا کہ ہمارے نزدیک آپ ہی باقاعدہ صدر ہیں، اس لیے ہم آپ ہی کو مخاطب کریں گے۔

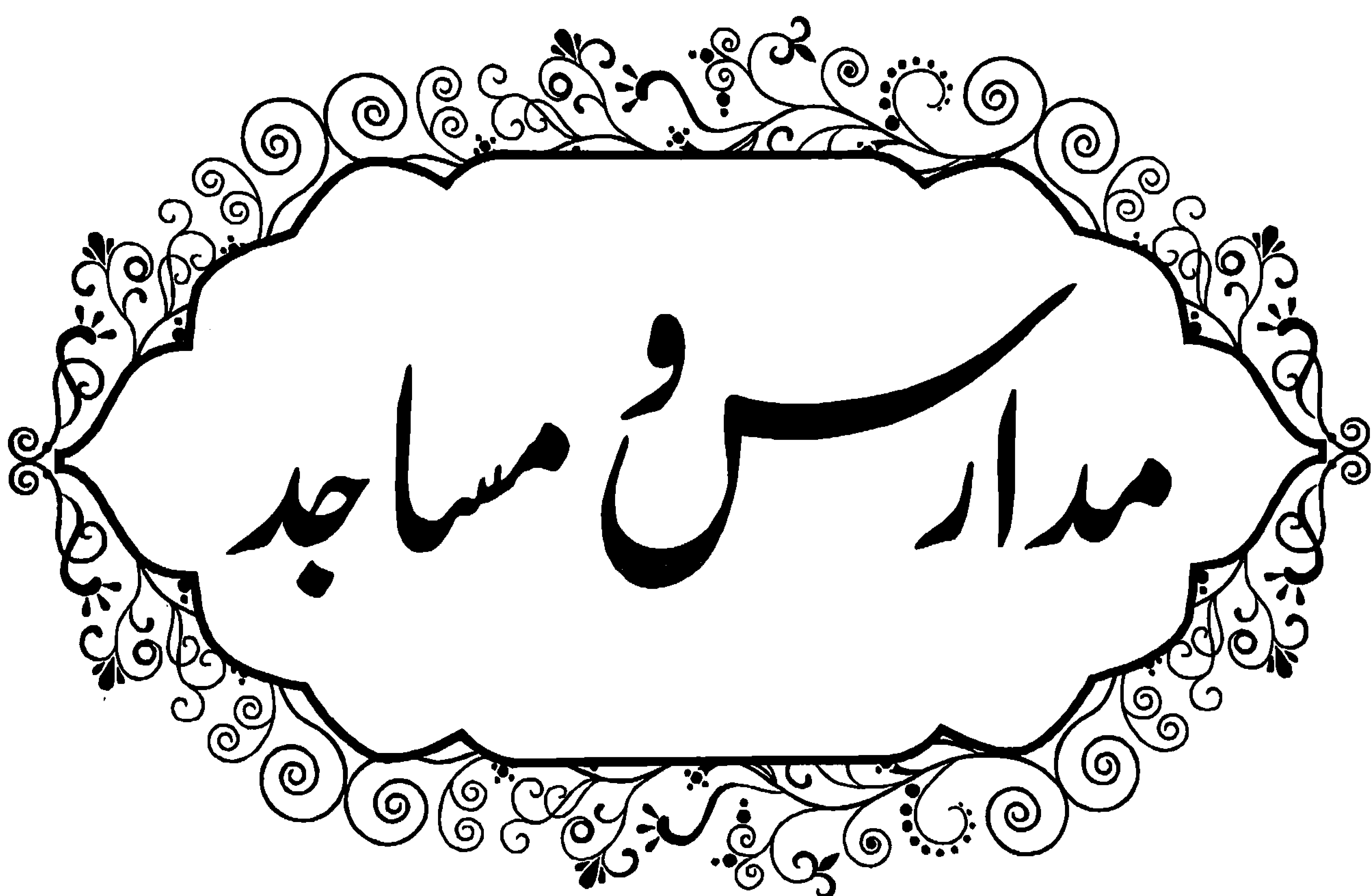
خدارا کوئی بتائے، اس میں کون سی آمریت تھی جسے مولوی عبدالحنان اور ان کے ساتھیوں نے مرکزی نظامِ جماعت سے خروج کے لیے بہانہ بنایا؟ جو شخص مولوی عبدالحنان صاحب کو اس عزت سے مخاطب کرتا ہے کہ ہمارے نزدیک آپ ہی صدر ہیں، اسی کے خلاف مولوی عبدالحنان وہ متبذل تحریر شائع کرتے ہیں جو کسی عالم کے شایانِ شان نہیں۔

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ صدرِ محترم پر جس قدر ذاتی حملے کیے گئے ہیں اور جس طرح کی زبان استعمال کی گئی ہے، ہم نے اس قسم کی تحریروں کا نہ پہلے جواب دیا ہے نہ اب دیں گے اور نہ صدرِ محترم اسے پسند ہی فرماتے ہیں۔ ان کا فرمانا یہ ہے کہ

''سفرِ آخرت قریب ہے۔ ہم نے اللہ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ مولوی عبدالحنان نے جو مجھ پر زیادتی کی ہے، اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہی ہوگا، یہاں مَیں صبر کروں گا۔''

صحیح فرمایا... اور یہی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ ﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ [الروم: ٦٠] اور ﴿وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا﴾ [الأحزاب: ٤٨][1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۳ر فروری ۱۹۵۶ء)


مدارس و مساجد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف
جامعہ سلفیہ لائل پور

اشاعتِ حدیث کی رفتار میں تیزی کا دور:

یوں تو متحدہ ہندوستان میں اشاعتِ حدیث کی تاریخ بہت پرانی ہے، مگر اس کی رفتار میں تیزی اور باقاعدگی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے دور میں پیدا ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب کے والدِ محترم شیخ عبدالرحیم صاحب دہلوی مرحوم نے ''مدرسہ رحیمیہ'' قائم کیا۔ اس مدرسے میں انھوں نے اشاعتِ حدیث کے لیے خاصی محنت کی۔ لیکن ان کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو اسے اپنی زندگی کا مقصد ہی ٹھہرا لیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اورنگ زیب عالم گیر کی وفات سے چار سال قبل ۴/ شوال ۱۱۱۴ھ (۲۱/ فروری ۱۷۰۲ء) کو پیدا ہوئے۔ تعلیم دہلی اور ہندوستان کے جید اساتذہ سے حاصل کی۔ ۱۱۴۳ھ میں مکہ شریف تشریف لے گئے۔ وہاں کے شہرۂ آفاق اور جید علماء سے علمِ حدیث اور بعض دوسرے دینی علوم کی تکمیل فرمائی۔ ۱۱۴۵ھ میں واپس دہلی تشریف لائے۔

حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ بعض امور میں ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً آپ پہلے شخص ہیں جنھوں نے غیر زبان میں قرآنِ مجید کا ترجمہ کیا اور اس زمانے کے علماء کے اختلاف کے باوجود اس ترجمے کی اشاعت پر مصر رہے اور پورا ہندوستان ان کے کام کی رفتار، ان کی اولو العزمی اور صاف گوئی سے متاثر و مستفید ہوا۔ اشاعت و تبلیغ کے لیے آپ نے اپنی سعیِ مسلسل سے زمین اس قدر ہموار کر دی کہ آپ کے دو صاحبزادوں (حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہما اللہ) نے قرآنِ مجید کے اردو ترجمے کیے جو نہایت مقبول ہوئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ۶۳ سال کی عمر پا کر ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ء) میں وفات پائی۔ آپ

کے بعد مدرسہ رحیمیہ کی مسندِ تدریس حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی ﷫ کے سپرد ہوئی۔ آپ کے بعد آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی نے اس عظیم الشان مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔

حضرت میاں صاحب ﷫ کا مبارک دور:

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی ﷫ کے تلامذہ میں حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب ﷫ (المعروف میاں صاحب دہلوی ﷫) کا نامِ نامی انتہائی معلوم ومعروف ہے۔ آپ ہی کی وہ ذاتِ گرامی ہے جس نے شاہ محمد اسحاق صاحب کے بعد دہلی میں درس و تدریس کی مبارک مسند کو اپنی علمی مساعی سے مزین فرمایا۔ آپ نے سو برس کی عمر پائی اور تقریباً اسّی برس تک درسِ حدیث ارشاد فرماتے رہے۔ حضرت میاں صاحب کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا۔ پورے ہندوستان میں آپ کی علمی شہرت کا طوطی بولتا تھا۔ بڑے بڑے جلیل القدر حضرات آپ کے علم و فضل سے مستفیض ہوئے۔ حضرت عارف باللہ مولانا عبداللہ غزنوی، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا عبدالرحمان لکھوی، حضرت امام مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا غلام رسول (قلعہ والے)، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری، مولانا شمس الحق صاحبِ عون المعبود، مولانا شاہ عین الحق پھلواری، مولانا عبدالرحمان مبارک پوری صاحبِ تحفۃ الاحوذی، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی، مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی ﷫ ایسے ذی علم، اہلِ تحقیق اور اصحابِ تقویٰ بزرگ اس مقدس گروہ میں شامل ہیں۔

مدارسِ دینیہ کا وسیع جال:

ان جلیل القدر اور پاکباز ہستیوں اور ان کے معزز ومحترم رفقائے عالی مقام نے اپنی اپنی جگہ حدیث کی اس قدر خدمت سرانجام دی اور اس کے لیے اس طرح کمربستہ ہوئے کہ پورے ملک میں مدارسِ دینیہ کا جال بچھا دیا۔ ہر ضلع، ہر شہر، ہر قصبہ، بلکہ ہر قریہ میں جہاں تک ان سے ممکن ہو سکا علومِ دینیہ اور قرآن و حدیث کی اشاعت کے لیے مکاتب جاری کیے۔ مسجدیں قال اللہ و قال الرسول کی صدائے بابرکات سے گونج اٹھیں۔ ان حضرات علمائے عظام نے خدمتِ قرآن و حدیث کی متعدد صورتوں پر بیک وقت عمل شروع کیا۔ مثلاً:

- مدارسِ دینیہ کا اجراء
- عام تبلیغی جلسوں کا انعقاد
- اور سلسلۂ تصنیف وتالیف

خدمتِ دین کے یہی میدان تھے اور ان سب پر ان کا قبضہ تھا۔ وہ نہایت سکون وتوازن اور اعتدال و ہمواری کے ساتھ اپنے کام کی گاڑی کو چلا رہے تھے اور اسلام پر اندرونی و بیرونی تمام حملوں کی مدافعت کر رہے تھے۔ ان کے باقاعدہ تبلیغی مراکز تھے۔ یہ پورے اتفاق و اتحاد کے ساتھ خدمتِ دین وملت میں مصروف تھے اور ان کی خدماتِ جلیلہ کا حلقہ ہمہ گیر حیثیت رکھتا تھا۔

۱۹۴۷ء کا ہنگامہ:

خدمتِ دین کی یہ منظّم صورتِ حال اگست ۱۹۴۷ء یعنی آزادیِ ملک تک قائم رہی، لیکن افسوس ہے ادھر آزادی کا سورج طلوع ہوا، ادھر اہلِ حدیث کے نظم و اتحاد کا شیرازہ بکھر گیا۔ ملک گیر فسادات کی وجہ سے ان کی مرکزیت و اجتماعیت ختم ہو گئی۔ آباد و بارونق مدارس اجڑ گئے۔ علماء کی بہت بڑی تعداد جامِ شہادت نوش کر گئی۔ جو مسجدیں عرصۂ دراز سے قال اللہ وقال الرسول کی مقدس صداؤں سے گونج رہی تھیں، اب پیوندِ زمین ہو گئیں۔ نادر و نایاب کتابیں جنھیں اہلِ علم کا اصل سرمایہ کہنا چاہیے یا تو دریاؤں میں بہا دی گئیں یا گلیوں میں پھینک دی گئیں یا دکانوں میں بطور ردی کے استعمال ہوئیں، اور یا پھر آگ کے شعلوں کے حوالے کر دی گئیں۔ آزادی کے بعد جماعت اہلِ حدیث کو اتنا زیادہ نقصان اس لیے پہنچا کہ اتفاق سے ان کی اکثریت اس علاقے میں تھی جو واہگہ کے اس پار کا علاقہ ہے۔

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کا قیام:

لیکن اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے، انتشار و پراگندگی کی یہ کیفیت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔ اس کے اثرات بہت جلد زائل ہو گئے اور حالات نے نہایت خوش آیند کروٹ بدلی۔ یعنی جماعت کے معزز اہلِ علم اور حساس و معاملہ فہم حضرات نے انتہائی شدت کے ساتھ اس جماعتی ابتری کا احساس کیا اور اس اہم مسئلے کو موضوعِ فکر بنایا کہ انتشار و پراگندگی کی اس فضا کو جتنی جلدی ہو سکے ختم کیا جائے۔ چنانچہ ۲۴/ جولائی ۱۹۴۸ء کا دن جماعت اہلِ حدیث کے لیے نیا پیغام لے کر آیا اور اس کی تنظیم و وحدت کا مژدۂ جانفزا لے کر طلوع ہوا۔

شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ ۲۴ر جولائی ۱۹۴۸ء کو مولانا سید داود غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل کی دعوت پر جماعت کے ذی علم اور اہلِ فکر حضرات دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں جمع ہوئے اور مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے عنوان سے جماعت کی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور پوری سرگرمی اور مستعدی سے جماعت کو منظم و متحد کرنے کا پروگرام بنایا۔

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے نام سے جماعت اہلِ حدیث اللہ کے فضل و کرم سے نہایت تیزی کے ساتھ نظم و اتحاد کی منزل کی طرف قدم زن ہوتی رہی۔ جماعت کے دور دراز علاقوں میں رہائش پذیر اور منتشر و متفرق افراد نظم کی اس سلک میں منسلک ہوتے رہے، تا آنکہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ر مئی ۱۹۴۹ء کو لاہور میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی پہلی سالانہ کانفرنس مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی کے زیرِ صدارت منعقد پائی۔ یہ کانفرنس نہایت کامیاب تھی اور اس اعتبار سے انتہائی اہم تھی کہ یہ جمعیت کے تعارف کا بہت بڑا ذریعہ ثابت ہوئی۔ اس کے انعقاد کی شہرت مغربی پاکستان کے گوشے گوشے میں پہنچی اور جماعت کے اثر و رسوخ میں اس قدر اضافہ ہوا کہ ایک تو غیر جماعت کے حضرات اس کی تنظیم و وحدت کی ملک گیری سے متاثر ہوئے۔ دوسرے جماعت کے ان گوشوں میں اس کی آواز پہنچی جہاں ابھی تک نہیں پہنچ سکی تھی۔

مرکزی جمعیت کے تعارف کے عوامل:

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی شہرت و اِشاعت کا اولین عامل لاہور کانفرنس ہوئی۔ دوسرا مؤثر عامل اخبار الاعتصام ہوا۔ الاعتصام کا اجراء، لاہور کانفرنس سے پونے تین ماہ بعد ۱۹ر اگست ۱۹۴۹ء کو گوجرانوالہ سے عمل میں آیا۔ اس کے اجراء سے جماعتی نظم و نسق میں انتہائی اضافہ ہوا اور جمعیت اہلِ حدیث کے پروگرام اور نصب العین کی اشاعت کے لیے اس کی آواز بغایت وسعت پذیر ثابت ہوئی۔ جمعیت کے تعارف و شہرت کا تیسرا عامل ”ادارہ اشاعۃ السنۃ“ ہے جس کی مطبوعات نے ملک کے ہر علاقے کو متاثر کیا۔ چوتھا عامل جمعیت کے مبلغین ہوئے جنھوں نے ملک کے مختلف حصوں میں دورے کیے اور مرکزی جمعیت کے مقاصد کی وسیع پیمانے پر تشہیر و تبلیغ کی۔

رکن سازی کے وسیع اثرات:

اسی دوران میں رکن سازی کی مہم کا آغاز ہوا جس نے جماعت کی تنظیم کو بحمد اللہ بہت ہی

مضبوط اور مستحکم بنا دیا۔ ملک کے بلاد وقصبات اور دیہات میں اس کی آواز نہایت تیزی کے ساتھ پھیلی۔ لوگوں میں جماعتی ذہن اور وحدت وتنظیم کے لیے نیا ولولہ اور جوش پیدا ہوا جس کے اثرات نہایت مفید ثابت ہوئے۔ مغربی پاکستان میں ایک لاکھ کے لگ بھگ افرادِ جماعت نے جمعیت کی رکنیت اختیار کی اور کم وبیش پانچ سو جمعیتیں قائم ہوئیں۔

نظمِ جماعت کا مقصدِ اصلی:

یہاں یہ چیز کبھی نہ بھولنا چاہیے کہ یہ ساری تگ وتاز اور سعی وکوشش محض "نظمِ جماعت" کے لیے نہ تھی۔ "نظمِ جماعت" تو ایک موثر ذریعہ تھا ایک پاکیزہ اور بلند نصب العین تک پہنچنے کا اور ایک بہترین منزل تک رسائی حاصل کرنے کا۔ وہ پاکیزہ اور بلند نصب العین کیا تھا؟ وہ تھا جماعتی اور اجتماعی طور سے مسلکِ حقہ کی تبلیغ، کتاب وسنت کی نہایت عمدہ انداز سے اشاعت، بہترین اور صاف ستھرے لٹریچر کی فراہمی اور ایسے دار العلوم کا قیام جو موجودہ تمام مدارسِ دینیہ سے ممتاز ہو۔ جس میں طلبہ کی اس نہج سے علمی تربیت کی جائے کہ وہ مستقبل میں جماعت کے لائق مصنف، بہترین خطیب، سلجھے ہوئے مقرر، صاحبِ تحقیق مفتی، زمانے کے نشیب وفراز سے آشنا مبلغ اور بلند کردار مدرس ثابت ہوں، نیز وہ اس خصوصیت کے حامل ہوں کہ اہلِ حدیث کے علاوہ دوسرے لوگ بھی ان کے علم وفضل اور تحقیق وکاوش سے متاثر ومستفید ہوسکیں۔

جامعہ سلفیہ کا قیام:

یاد رہے انہیں مقاصدِ عالیہ کے پیشِ نظر ۵/اپریل ۱۹۵۵ء کو جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ۳، ۴/اپریل ۱۹۵۵ء کو لائل پور میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی اور اس موقعے پر ایک باقاعدہ اور مجوزہ پروگرام کے مطابق لائل پور میں ہی جامعہ سلفیہ کی بنیاد رکھی گئی۔ جامعہ سلفیہ کے لیے جماعت کے عوام وخواص میں اس وقتِ اس درجہ جوش، مسرت اور عزم کے جذبات پائے جاتے تھے کہ لوگوں نے اس کی طرف پوری وسعتِ قلب سے دستِ تعاون بڑھایا اور ہزاروں روپے ایک ہی اجلاس میں جمع ہو گئے۔ بہت سے حضرات نے سو روپے سالانہ دینے کا وعدہ کیا۔

جامعہ سلفیہ کا عارضی اجراء لاہور میں:

مجلسِ عاملہ نے ۶ر جون ۱۹۵۶ء کو یہ فیصلہ کیا کہ جب تک لائل پور میں جامعہ سلفیہ کے اجراء کا انتظام نہیں ہوتا، لاہور میں جامعہ سلفیہ کا اجراء کر دیا جائے اور سرِ دست درجۂ تکمیل اور درجۂ تخصص کی جماعتوں کا افتتاح کر دیا جائے۔

لیکن لاہور میں جامعہ سلفیہ کے لیے عمارت کا حاصل کرنا کچھ آسان نہ تھا، ہم شکر گزار ہیں کہ مولانا سید محمد داود غزنوی نے دار العلوم تقویۃ الاسلام کی عمارت جامعہ سلفیہ کے لیے پیش کر دی۔ مولانا موصوف نے بحیثیتِ مہتمم دار العلوم تقویۃ الاسلام کے طلبہ کے لیے بلڈنگ سے باہر ایک مکان میں انتظام کیا اور جامعہ سلفیہ کے طلبہ کے لیے بہترین کمرے خالی کر دیے۔ اس کے بعد طلبہ کے لیے کتابوں کا انتظام کرنا بھی بے حد مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا غزنوی کو، انھوں نے دار العلوم کا کتب خانہ جامعہ سلفیہ کے طلبہ کے لیے وقف کر دیا اور مستزاد براں یہ کہ دار العلوم میں جو درجۂ تکمیل تھا اسے جامعہ سلفیہ کے لیے بند کر دیا اور اپنے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ جامعہ سلفیہ کے سپرد کر دیے۔

اب لاہور میں جامعہ سلفیہ کے طلبہ درجۂ تکمیل اور درجۂ تخصص میں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہ دونوں درجے ایک سال لاہور میں جاری رہے۔ ان درجوں کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ ان میں شریک ہونے والے طلبہ کے لیے مولانا سید داود غزنوی، مولانا محمد اسماعیل، مولانا محمد حنیف ندوی اور مولانا عطاء اللہ فرائضِ تعلیم و تدریس انجام دیتے رہے۔

جامعہ کے تمام درجوں کا اجراء لائل پور میں:

اس کے فوری بعد جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا آغاز کر دیا گیا اور فیصلہ کیا گیا کہ جلد سے جلد اتنے کمرے تعمیر کر لیے جائیں جن میں کم سے کم سو طلبہ کی تعلیم کا انتظام بھی ہو سکے اور اساتذہ کے لیے رہایش و قیام کا بھی ان کے شایانِ شان بندوبست کیا جا سکے۔ اس دوران میں مرکزی جمعیت کے فیصلے کی رو سے جامعہ سلفیہ کی اعلیٰ اور ابتدائی اور ثانوی تمام کلاسیں لائل پور کی جامع مسجد اہلِ حدیث میں جاری کر دی گئیں اور جامعہ کے جملہ انتظامات کی تکمیل اور تعمیر کے تمام مراحل کو بعجلت طے کرنے

اور اس پر فوری اور تیزی سے عمل درآمد کے لیے دو سب کمیٹیاں بنا دی گئیں: ایک تعمیری کمیٹی اور ایک انتظامی کمیٹی۔ چنانچہ ادھر جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا اور ادھر جامع مسجد اہلِ حدیث میں عارضی طور سے تعلیم کا آغاز ہو گیا۔ اب اس میں کم و بیش سو طلبہ تعلیم حاصل کر رہے تھے اور ملک کے جید اور شہرۂ آفاق علماء و فضلاء ان کو فرائضِ تعلیم انجام دیتے تھے۔ ان حضراتِ علماء کی رہایش کے لیے الگ کوٹھیاں کرائے پر لے کر ان کی شان کے مطابق معقول اور بہترین انتظام کیا گیا۔

جامعہ سلفیہ اپنی عمارت میں:

ایک سال بعد جامعہ سلفیہ کے کچھ کمرے تعمیر ہو گئے اور رہایش وغیرہ کا انتظام ہو گیا تو جامعہ کا پورا نظام جامعہ سلفیہ کی عمارت میں منتقل کر دیا گیا اور اساتذہ میں چند اہلِ علم کا اضافہ کیا گیا۔ اب تعلیم کا سلسلہ نہایت باقاعدگی اور حسنِ انتظام کے ساتھ جامعہ کی اپنی عمارت میں چلا گیا اور یہ سارا سلسلہ بحمد اللہ پوری کامیابی کے ساتھ جاری ہو گیا۔

نئے نصابِ تعلیم کی ترتیب:

جامعہ سلفیہ چونکہ اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ اس میں اس قسم کی تعلیمی قابلیت کے حامل طلبہ تیار کیے جائیں جو ہر اعتبار سے ممتاز و منفرد حیثیت رکھتے ہوں اور وقت کی تمام علمی ضروریات کو کما حقہ پورا کر سکتے ہوں، لہٰذا ضروری تھا کہ اس کا نصابِ تعلیم بھی ایسا ہو جسے ہر لحاظ سے کامل اور مکمل کہا جا سکے۔ چنانچہ جامعہ سلفیہ کے قیام کے ساتھ ہی ساتھ اس اہم اور ضروری کام کو سرانجام دینے کے لیے ذی علم اور اہلِ فکر حضرات کی ایک کمیٹی بنائی گئی۔ اس کمیٹی نے جو نصابِ تعلیم تجویز و مرتب کیا، اس میں علومِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، ادبِ عربی، تاریخ، فلسفہ، منطق، صرف، نحو، ہیئت، معانی وغیرہ کے ساتھ انگریزی، جغرافیہ، حساب اور ریاضی وغیرہ کو بھی شاملِ نصاب کیا گیا اور اب جامعہ میں اسی نصابِ تعلیم پر عمل ہو رہا ہے۔

جامعہ سلفیہ کی ضروریات اور اخراجات:

جامعہ سلفیہ کی ضروریات کا سلسلہ بہت وسیع ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے اخراجات بھی خاصے ہیں۔ اس وقت تعمیر، تعلیم، لائبریری اور خوراک؛ مصارف کی یہ چار مستقل مدیں ہیں جن میں

سے ہر مد اپنی جگہ نہایت اہم اور ضروری ہے۔ مناسب ہوگا اگر اخراجات کے ان چاروں گوشوں کی علاحدہ علاحدہ مختصر الفاظ میں وضاحت کر دی جائے۔

تعمیر:

جامعہ کی تعمیر تین سال سے شروع ہے اور اس پر خاصا روپیہ خرچ ہو رہا ہے۔ اب تک اٹھارہ کمرے مع درمیانی گیلری کے مکمل ہو چکے ہیں۔ ایک مسجد بنائی گئی ہے جس کی حیثیت عارضی ہے۔ اس مسجد کی جگہ نقشے کے مطابق بہترین اور وسیع مسجد تعمیر کرنے کی تجویز ہے۔ جونہی مالی حالت بہتر ہوئی، ان شاء اللہ، فوراً مسجد کی تعمیر شروع کر دی جائے گی۔ ایک پختہ کنواں اور چار پانچ نل ہیں۔ یہ کنواں رہٹ کا کام بھی دیتا ہے جس سے جامعہ کی زمین سیراب ہوتی ہے۔ باورچی خانہ اور اسٹور اٹھارہ کمروں کے علاوہ ہیں۔ جامعہ میں ایک باغیچہ بھی ہے جو بڑا خوش نما اور خوش منظر ہے۔

انہیں اٹھارہ کمروں میں سوا سو کے قریب طلبہ رہتے ہیں۔ انہیں میں حضراتِ اساتذہ قیام فرما ہیں اور انہیں میں سے ایک کمرے میں لائبریری ہے۔ اساتذہ میں سے بعض حضرات نے جامعہ کے قریب ہی الگ مکان لے رکھے ہیں۔ جامعہ کی عمارت میں جو اساتذۂ کرام رہائش پذیر ہیں ان کا انتظام طلبہ سے بالکل الگ ہے۔ یعنی طلبہ علاحدہ کمروں میں رہتے ہیں اور اساتذہ علاحدہ کمروں میں۔

اساتذہ، طلبہ اور باقی عملے کی کثرتِ تعداد کے پیشِ نظر کمروں کی موجودہ تعداد ناکافی ہے۔ جامعہ کی تعمیر کمیٹی اور انتظامیہ کمیٹی کی تجویز یہ ہے کہ اس سال کچھ اور کمرے تعمیر کیے جائیں، تاکہ مزید اساتذہ اور طلبہ کی رہائش کے لیے آسانی پیدا ہو سکے، نیز جامعہ کے دفتر کے لیے ایک الگ کمرہ، مہمان خانہ اور ایک ہال کمرے کی تعمیر کا منصوبہ ہے۔ اس منصوبے کے مطابق ان شاء اللہ جلد ہی کام شروع کر دیا جائے گا۔

تعلیم کے اخراجات:

جامعہ کے تعلیم کے اخراجات سے مراد جامعہ کے قابلِ صد احترام اساتذہ اور باقی عملے کے مشاہرات ہیں۔ اس وقت جامعہ میں نو اساتذۂ کرام تدریسی و تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں جن کے اسمائے گرامی دوسری جگہ درج ہیں۔ حضراتِ اساتذہ کے علاوہ جامعہ کے کلرک، باورچی اور مالی الگ ہیں۔

جامعہ سلفیہ کے اساتذہ کا علمی معیار اللہ کے فضل سے بڑا بلند ہے۔ اسی نسبت سے ان کے مشاہرات بھی معقول ہیں۔

خوراک کے اخراجات:

اس وقت جامعہ میں سوا سو کے قریب طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن میں سابق پنجاب، سابق صوبہ سرحد، سابق صوبہ سندھ، کشمیر اور مشرقی پاکستان کے طلبہ کے علاوہ ہندوستان کے طلبہ بھی شامل ہیں۔ کوشش کی جاتی ہے کہ ان طلبہ کے علاقوں اور طبائع کے مطابق ان کی خوراک کا انتظام کیا جائے۔ طلبہ کا خرچِ خوراک تقریباً پانچ سو من گندم سالانہ ہے۔ یہ ساری گندم ضلع لائل پور اور اس کے متصلہ اضلاع سے فراہم کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مولانا محمد اسحاق (مہتمم جامعہ سلفیہ)، مولانا عبیداللہ احرار (ناظم تعمیرات جامعہ سلفیہ)، مولانا محمد صدیق (خطیب جامع مسجد اہلِ حدیث لائل پور)، مولانا محمد یعقوب (ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث لائل پور شہر)، مولانا محمد صادق اوڈانوالہ، مولانا محمد رفیق مدنپوری، میاں محمد باقر تاندلیانوالہ، شیخ عنایت اللہ، مولانا حافظ عبدالغفور، مولانا عبدالواحد اور شیخ محمد ابراہیم اور ان کے دیگر رفقاء بہت محنت اور کوشش سے کام لیتے ہیں۔ ان میں سے بعض حضرات دور دراز کے دیہات میں جا کر گندم جمع کرتے اور ہمت اور خلوص سے طلبائے جامعہ کی امداد کرتے ہیں۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ.

لائبریری:

جامعہ سلفیہ کا ایک بہت اہم اور ضروری خرچ اس کی لائبریری کا خرچ ہے۔ جامعہ کی لائبریری میں اس وقت پانچ ہزار پانچ سو پچیس کتابیں ہیں۔ جس طرح جامعہ سلفیہ ایک بہت بڑی درسگاہ ہے، اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ اس کی لائبریری بھی بہت بڑی اور عظیم الشان ہو، اس میں اس قدر کتابیں ہوں کہ مصنف، مدرس، مفتی، محقق، طلبہ اور ہر طبقے کے اہلِ علم اس کی طرف کھنچے ہوئے آئیں۔ عربی، اردو، فارسی اور انگریزی وغیرہ ہر زبان کی کتابوں کا اس میں بہت بڑا ذخیرہ ہو۔ تفسیر، حدیث، شروح، رجال، تاریخ اور فقہ وغیرہ کوئی موضوع ایسا نہ ہو جس کی کتابیں جامعہ سلفیہ میں نہ موجود ہوں۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ اہلِ علم اور صاحبِ ثروت حضرات تعاون فرمائیں اور اپنی مشترکہ مساعی سے جامعہ سلفیہ کی لائبریری کو ایک عدیم المثال لائبریری کی شکل دے دیں۔

پانچ ہزار روپے ماہانہ خرچ:

یہ ہے جامعہ سلفیہ کی مختصر تاریخ اور اس کے اجراء و قیام کی مختصر روداد اور پسِ منظر۔ اس میں جامعہ کے اخراجات کی شقیں بھی عرض کر دی گئی ہیں اور اس ضمن میں تمام ضروری کوائف بھی آپ کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں۔

جامعہ کے اخراجات کی بہت بڑی شقیں: اساتذہ اور عملے کے مشاہرات، طلبہ کی خوراک، تعمیر اور لائبریری ہے، ان پر کم سے کم پانچ ہزار روپے ماہانہ اور ساٹھ ہزار روپے سالانہ خرچ ہوتا ہے، اور یہ سب خرچ جماعت کے افراد و ارکان سے چندے کی شکل میں وصول کیا جاتا ہے۔

جامعہ کے لیے آمدنی کی کوئی مستقل صورت نہیں ہے۔ کچھ حضرات سالانہ چندہ دیتے ہیں اور کچھ ہنگامی طور سے عنایت فرما دیتے ہیں۔ اس پانچ ہزار روپے کی ماہانہ فراہمی کے لیے دفتر کو بہت سی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لیکن خرچ کچھ اس طرح کے ضروری اور ناگزیر ہیں کہ موجودہ حالات میں ان میں کمی مشکل ہے۔ اگر جماعت کے مخیّر حضرات اور اصحابِ ثروت ہمت سے کام لیں اور اپنی اپنی جگہ حصہ لینا ضروری سمجھیں تو اتنی بڑی جماعت کے نزدیک یہ کوئی زیادہ رقم بھی نہیں ہے۔ ضرورت صرف ہمت اور کوشش کی ہے۔

واحد تعلیمی مرکزی ادارہ:

جامعہ سلفیہ پاک و ہند کا واحد تعلیمی ادارہ ہے جو جماعتی اور اجتماعی حیثیت سے جاری ہے اور اس کے تمام اخراجات کا تکفل پوری جماعت کر رہی ہے۔ اس کے متعلق جماعت کا نظریہ یہ ہے کہ اسے خالص علمی بنیادوں پر چلایا جائے اور اس سے جو طالب علم فارغ التحصیل ہو کر نکلیں، وہ دنیا کے بدلے ہوئے حالات کے مطابق دینِ اسلام اور ملک کی بہترین خدمت انجام دے سکیں۔ وہ تفسیر، حدیث، فقہ، منطق، فلسفہ اور معانی وغیرہ علوم کے ساتھ ساتھ عربی ادب، اردو، انگریزی، سائنس اور فارسی وغیرہ تمام علوم سے بھی آراستہ ہوں اور ہر شخص سے اس کی طبیعت کے مطابق گفتگو کر سکیں۔ اسلام پر آج جو اعتراضات ہو رہے ہیں ان کے بعض حصے پہلے تمام اعتراضات سے مختلف اور زود اثر ہیں۔ جامعہ سلفیہ میں اس قسم کے اہلِ علم تیار کیے جائیں جو ان سب کا علمی محاسبہ کر سکیں۔ اپنی قابلیت

کی بنا پر ان کے مسکت جواب دینے کی اہلیت رکھتے ہوں اور ان تمام خوبیوں سے مزین ہوں جن کا آج کے علمی طبقے میں پایا جانا ضروری ہے۔

لیکن اتنا بڑا کام چند افراد کے بس کا روگ نہیں ہے، اس کے لیے تو ضروری ہے کہ جماعت کا ہر فرد اس میں اس طرح خلوص اور مستعدی سے حصہ لے کہ یہ اسی کا کام ہے اور اسی نے اس کو سرانجام دینا ہے۔

اگر جماعت اہلِ حدیث ہی اسلام کے دفاع کے لیے آگے نہیں بڑھے گی اور حدیث وسنت اور قرآن پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں، ان کے مناسب دفاع کے لیے کوئی معقول اور متوازن انتظام نہیں کرے گی تو اور کس سے توقع ہوسکتی ہے کہ اس اہم فرض کو سرانجام دے۔ اس لیے ہم پوری جماعت اہلِ حدیث اور اس کے تمام ارکان و افراد کے بابِ عالی پر دستک دیں گے کہ اس سلسلے میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے ساتھ پورا تعاون کریں اور جامعہ سلفیہ اور جمعیت کے دوسرے اداروں کی کامیابی کے لیے اپنی تمام مساعی کو میدانِ عمل میں جھونک دیں۔ یہ کام تدریسی، تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی ہر رنگ میں ہونا چاہیے۔ اس کے لیے اہلِ علم علمی اور اصحابِ ثروت مالی اور اخلاقی امداد دیں، تاکہ سب کی ذمے داریاں برابر تقسیم ہو جائیں اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق خدمتِ دین کی ذمے داری سے عہدہ برآ ہو جائے۔

طلبہ کی ذہنی اور اخلاقی تربیت کا مسئلہ:

جامعہ سلفیہ کی تعلیم کے باب میں ایک نہایت ضروری چیز اور بھی ہے جس کے متعلق چند الفاظ میں عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ ہے طلبائے جامعہ کی اخلاقی اور ذہنی تربیت کا مسئلہ۔

جامعہ میں جہاں تعلیم کا معقول اور باقاعدہ انتظام ہے، وہاں طلبہ کی اخلاقی تربیت، دینی نشوونما، ذہنی پاکیزگی اور فکری بالیدگی کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ طلبہ کے لیے ہر نماز مین حاضر رہنا ضروری ہے اور اس کے لیے باقاعدہ حاضری رجسٹر ہے۔ ہفتے کے بعد ہر جمعرات شام کو ہر طالب علم کی حاضریوں کی میزان کی جاتی ہے۔ اگر کسی طالب علم کی نماز باجماعت کی حاضریوں میں کمی ہو تو اس کو سزا دی جاتی ہے۔

اسی طرح طلبہ کی جسمانی صحت وتندرستی کو بحال رکھنے کے لیے مختلف قسم کی ورزشوں کا انتظام

کیا گیا ہے۔ ان ورزشوں کے لیے نمازِ عصر کے بعد سے نمازِ مغرب تک کا وقت مقرر ہے۔ یہ سب کچھ مولانا محمد اسحاق صاحب (مہتمم جامعہ سلفیہ) کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ مولانا موصوف جامعہ سلفیہ کے لیے بڑے ایثار اور قربانی سے کام لے رہے ہیں۔ انھوں نے جامعہ کے لیے اپنے آپ کو یوں سمجھیے کہ وقف کر رکھا ہے۔ وہ یہ سارا کام لوجہ اللہ کر رہے ہیں اور اس کی وجہ سے اپنے کاروبار کی نگہداشت بھی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کے کاروبار میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

آخری گزارش:

جامعہ سلفیہ کے ضمن میں آخری گزارش یہ ہے کہ جماعت کے تمام حضرات کی طرف ہم دامنِ طلب پھیلا رہے ہیں اور ان کی خدمت میں یہ عرض کناں ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ پورا پورا تعاون فرمائیں اور جامعہ سلفیہ کو اپنا ہی ادارہ سمجھیں۔ اگر ہر شخص اپنے حلقے و دائرے میں جامعہ کی ترقی کے لیے کوشاں ہو تو جماعت اس بہت بڑے کام کو نہایت آسانی کے ساتھ سرانجام دینے کی اہل ہو سکتی ہے اور مالی مشکلات پر قابو پانا بڑا آسان ہو جاتا ہے۔

ہم امید رکھتے ہیں کہ جماعت کی طرف سے ہماری گزارش کا توقع کے مطابق جواب دیا جائے گا اور ہمیں مالی اعتبار سے بے نیاز کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

ناظمِ تعلیمات

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جامعہ سلفیہ لائل پور

تبلیغِ دین کا مؤثر ترین ذریعہ:

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کے متعدد طریقے ہیں اور بہی خواہانِ دین اور حاملینِ اسلام نے ہمیشہ ان پر عمل کی دیواریں استوار کیں۔ ان طریقوں میں ایک بہترین اور مؤثر طریقہ ''مدارسِ اسلامیہ'' کا قیام و اجراء ہے۔ دور نہ جائیے، صرف متحدہ ہندوستان کی تاریخ پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالیے۔ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ برصغیر میں اس کا صدیوں سے رواج ہے اور کئی سو سال سے یہاں دینی و مذہبی مدارس کا ایک ملک گیر جال بچھا ہوا ہے۔

اگرچہ ہر زمانے کے رسم و رواج اور لوگوں کی ذہنی و دماغی حالت کے مطابق الحاد و زندقہ کی لہریں اور خلافِ اسلام تحریکات بھی زوروں پر رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود علمائے حق اور حامیانِ دین و مذہب کا بھی ایک بہت بڑا گروہ اور معقول طبقہ میدانِ عمل میں مصروفِ کار رہا ہے اور مخالفتوں کے ہولناک طوفانوں کے باوصف خدمتِ دین کی کشتی کو کھیدتا رہا ہے۔ نہ مصائب و تکالیف کی آندھیاں اس کو اپنے کام سے روک سکیں اور نہ ترغیباتِ دنیا اور مال و زر کی بھاری بھرکم پیش کشیں اس کے ارادوں کی جولانیوں میں حائل ہو سکیں۔

یہ جس راہ پر گامزن تھے متوکلاً علی اللہ اسی پر گامزن رہے اور ہر قیمت پر اپنے اس مسعود و مبارک سفر کو جاری رکھا۔ فقرائے اسلام اور متوکلین علی اللہ کا یہی وہ طبقہ ہے جس نے ہمیں اسلام کی نعمتِ بے بہا سے روشنا کرایا اور جو ہمارے لیے دین و مذہب کی دولتِ لازوال سے معرفت و آگاہی کا باعث بنا۔ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ.

اہلِ حدیث کا حصہ:

یہ ایک حقیقت ہے کہ مدراسِ اسلامیہ کے قیام و اجراء اور خدمتِ دین کے اس باب میں

جماعت اہلِ حدیث کا حصہ بہت ہی نمایاں ہے۔

یہ رپورٹ تفصیلات کی متحمل نہیں اور ہم مجبور ہیں کہ اختصار کا دامن کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں، لیکن یہ امرِ واقع ہے کہ اہلِ حدیث علماء وفضلاء اور اس جماعت کے زعماء و اعیان کی مساعی اس سلسلۂ کار میں بہت زیادہ ہیں۔

سلسلہ کلام کو سمیٹنے اور دائرۂ بحث کو مختصر کرنے کے لیے آپ ذرا تکلیف فرما کر قیامِ پاکستان کی تاریخ تک کے حالات پر نظر ڈالیے اور گردن موڑ کر گذشتہ واقعات کو نظر و بصر کے احاطے میں لائیے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جماعت اہلِ حدیث اور اس کے علماء و اکابر کا عمل و کردار اس ضمن میں کتنا صاف اور نمایاں ہے۔ دہلی، یو۔ پی، بہار، بنگال، آسام، مدراس، حیدر آباد، بمبئی، کشمیر، پنجاب اور راجھستان؛ تمام صوبوں میں ان کے مدارس کا ایک وسیع جال تھا جو ہر شہر و قصبے میں بچھا ہوا تھا اور اپنی اپنی جگہ تمام مدارس پوری کامیابی سے جاری تھے۔ عوام وخواص ان میں پوری دلچسپی لیتے تھے اور علماء کی بہت بڑی تعداد نے اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو یوں سمجھیے کہ وقف کر رکھا تھا۔

وہ تکلیف میں رہتے تھے، مالی مشکلات میں مبتلا تھے۔ مادی اور اقتصادی مصیبتوں کے چکر میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ لیکن خدمتِ دین کے اس میدان میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ کوئی مصیبت ومشکل ان کے عزم وارادے کی بے پناہیوں اور اخلاص وعمل کی گرم جوشیوں کو متاثر و مجروح نہ کر سکی۔

اسلامی مدارس اور برطانوی حکومت:

علمائے اسلام کی اقتصادی و معاشی تنگ دامانیوں کو تو چھوڑیئے کہ وہ ان کی زندگی کا ضروری حصہ بن گئی ہیں، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس دور کی غیر ملی حکومت بھی اُن کی سخت ترین مخالف تھی اور ان کی ان کوششوں کو اپنے لیے نہایت خطرناک اور انتہائی خوفناک سمجھتی تھی۔ اس قسم کے واقعات سے تاریخ کے اَوراق بھرے پڑے ہیں کہ برطانوی حکومت ان کے گھروں کی تلاشی لیتی تھی اور ان کو مسجدوں میں بیٹھے دیکھ کر بے حد تکلیف محسوس کرتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ یہ مسجدیں اس کے خلاف ایک قسم کے ''تربیتی مرکز'' ہیں۔ ان میں جو لوگ تیار ہو کر نکلیں گے وہ انگریزی حکومت کے شدید ترین دشمن ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ برطانوی حکومت اپنے اس خیال میں سچی تھی۔ علماء ہمیشہ اس کے مخالف رہے اور اسلام ان کو یہی دعوت دیتا تھا کہ وہ غیر اسلامی حکومت کی کسی آن بھی حمایت نہ کریں۔ اس کو غاصب و ظالم سمجھیں اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں۔ اور یہ ایسا ہی کرتے رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد:

قیامِ پاکستان کے بعد حالات بالکل منقلب ہو گئے۔ برطانوی حکومت یہاں سے چلی گئی اور مسلمانوں کی کوششوں اور تگ و تاز کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آ گیا۔ اب علماء کی توجہ مدارس کی طرف بھی رہی اور مسلمانوں میں دینی روح کو تقویت دینے کے ساتھ ساتھ یہ چیز بھی ان کے فرائض میں داخل ہوگئی کہ وہ ہر نیک اور مفید کام میں سہولت کے ساتھ تعاون و اشتراک کریں گے۔ ان کی کوششیں ملک وقوم کی اصلاح کے لیے وقف رہیں گی اور وہ ہر آن اُن کی تعمیر و ترقی کے لیے ساعی رہیں گے۔

علماء نے یہاں نصح و خیر خواہی کا انداز اختیار کیا اور حکومت کو اپنی حکومت سمجھ کر مستحقِ امداد و تعاون ٹھہرایا، اور یہی ان کا فرض تھا۔

تعاون کی ایک بہترین صورت:

حکومت سے علماء کے تعاون و اشتراک کی ایک بہترین اور پائیدار صورت یہ ہوسکتی تھی کہ ملک میں دین کی تبلیغ کے لیے زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے۔ حکومت بھی چونکہ یہی چاہتی ہے کہ معاشرے میں اصلاحِ احوال کی کوششیں بروئے کار لائی جائیں۔ لوگوں کو غلط امور، مثلاً: چوری، ڈاکا، قتل و غارت، غصب ونہب، اغواء، زنا، چور بازاری، سمگلنگ، رشوت ستانی اور اقرباء نوازی وغیرہ عیوب سے روکا جائے، اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے میں حکومت اور علماء دونوں باہم تعاون کا ثبوت دیں اور لوگوں کو برائی سے ہٹا کر نیک راہ کی طرف لگائیں۔ اس معاملے میں بہت بڑا کردار اسلامی تعلیم اور مذہبی امور سے واقفیت ہی ادا کرسکتی ہے۔ اگر خالص دینی مدارس قائم ہوں اور لوگوں کو مذہبی تعلیم دی جائے تو وہ لازماً نیکی کی طرف دوڑیں گے اور برائی سے دامن کشاں ہوں گے، اور یہی ہم سب کا مقصدِ اصلی ہے۔

اجتماعی جدوجہد کی ضرورت:

اس اہم اور بنیادی کام کے لیے اگرچہ انفرادی کوششیں بھی مفید ہوسکتی ہیں، لیکن جو کامیابی اجتماعی صورت میں حاصل ہوسکتی ہے وہ انفرادی صورت میں نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان نے اجتماعی جدوجہد کا آغاز کیا اور ''جامعہ سلفیہ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ملک میں انفرادی مدارس خاصی تعداد میں تھے۔ لیکن خدمتِ دین و مذہب کی جو اہمیت اجتماعیت میں مضمر ہے، انفرادیت میں اس کی ادنیٰ جھلک بھی نظر نہیں آئے گی۔

جامعہ سلفیہ اور اس کی تاریخ:

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان نے یہ محسوس کیا کہ ملک میں الحاد و بے دینی، مذہب سے بے خبری و بے زاری اور اسلام سے بُعد و بے نیازی عام ہو رہی ہے اور لوگ اسلام کے صراطِ مستقیم سے ہٹ کر غلط راہوں کی طرف دَوڑے چلے جا رہے ہیں تو اس نے اپنی بساط کے مطابق خدمتِ دین کی ٹھانی اور ایک بہترین دار العلوم کے قیام کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ چونکہ جمعیت کے مخلص ارکان کی رائے میں اس دَور میں اسلامی مدارس ہی دین کی خدمت کا ایک موثر ذریعہ ہیں، اس لیے ۵/اپریل ۱۹۵۵ء کو یہ اہم ترین قدم اٹھایا گیا اور لائل پور میں ''جامعہ سلفیہ'' کا قیام عمل میں لایا گیا۔ پوری جماعت نے اس کا خیر مقدم کیا اور ملک کے ہر گوشے سے مرکزی جمعیت کے اس اقدام کی تحسین ہونے لگی۔

جامعہ سلفیہ کے قیام کا اصل مقصد:

جامعہ سلفیہ کے قیام سے اصل مقصد اللہ کے دین کی خدمت اور اس کی رضا مندی کا حصول ہے۔ موجودہ دَور کی برائیوں اور لوگوں کے خلافِ اسلام رجحانات کے پیشِ نظر پروگرام یہ ہے کہ جامعہ سلفیہ میں بہترین مقرر، بہترین خطیب، بہترین مصنف، بہترین مبلغ، بہترین مدرس، بہترین مفتی اور ایسے عالم پیدا کیے جائیں جو زمانے کی غلط تحریکات سے آگاہ ہوں اور حالات کی تمام کڑیوں پر پوری نگاہ رکھتے ہوں، اور ساتھ ہی ان کا مقابلہ کرنے اور ان کے غلط اثرات کو دور کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں۔ اس کے فارغ التحصیل طلبہ اس چیز کے حامل ہوں کہ ملک میں اپنی خدماتِ دینیہ کا ایک وسیع جال بچھا دیں گے۔

بحمد اللہ اس مقصد میں جامعہ کامیاب ہے اور اس کے اکثر فارغ شدہ طلبہ ملک میں بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں۔

عوامی تعاون کی حیرت انگیزیاں:

جامعہ سلفیہ کے سلسلے میں عوام نے جس قدر مرکزی جمعیت کے ساتھ تعاون کیا ہے، جماعت کی تاریخ میں اس قسم کا سرگرم اور حیرت انگیز تعاون کسی ادارے کے ساتھ شاید کبھی نہیں کیا گیا ہو گا۔ دوستوں نے اس کے لیے اپنے شب و روز وقف کر دیے اور اپنے قیمتی اوقات کلیتاً جامعہ کے حوالے کر دیے۔ ایک ایک کا نام لینا یہاں مشکل ہو گا۔ بے شمار حضرات نے اپنا کاروبار بند کر کے یا دوسروں کے حوالے کر کے جامعہ کی خدمت کی اور غلہ اور نقدی جمع کرنے کے لیے دور دراز دیہات کے چکر لگائے۔ اس ضمن میں انھوں نے گرمی، سردی، بارش اور آندھی کسی چیز کی بھی پروا نہیں کی۔ اس باب میں لائل پوری حضرات کی قربانیاں کہنا چاہیے سب سے زیادہ اور سب سے موثر ہیں۔ گندم اور روپے کی فراہمی میں یہ ضلع سب سے نمبر لے گیا ہے اور اس کے باہمت ارکان سب پر بازی لے گئے ہیں۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْرَ الْجَزَاءِ.

انجمنِ شبانِ اہلِ حدیث کی مساعی:

جامعہ سلفیہ کی امداد میں جن جماعتوں اور جن افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، ان میں انجمنِ شبانِ اہلِ حدیث کا رول قابلِ تعریف ہے۔ اس کے ارکان نے بالخصوص لائل پور میں جو کام کیا ہے اور جامعہ سلفیہ کی جس انداز سے خدمت کی ہے، وہ ہر لحاظ سے تحسین و آفرین کی مستحق ہے۔ تبلیغی جلسوں کا انتظام، کھالوں کی فراہمی، چندے کی مہم؛ غرض ہر کام میں شبان کے ارکان پیش پیش رہے اور ہر مقام پر اپنی خدمات کو نمایاں رکھا۔ اللہ تعالیٰ ان کو خدمتِ دین کی مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے۔

ہم توقع رکھتے ہیں کہ آیندہ بھی یہ نوجوان اسی طرح کوشش کرتے رہیں گے اور یہ ذہن میں رکھیں گے کہ آگے چل کر یہ کام انھیں کو سنبھالنا اور ان اہم ذمے داریوں سے انھیں کو عہدہ برآ ہونا ہے۔ آج کی کوششوں کی حیثیت ان کے لیے ایک تربیت اور ٹریننگ کی بھی ہو سکتی ہے۔

نئی زمین کی خرید:

جامعہ سلفیہ کی تعمیر و تعلیم پر تو خرچ ہو ہی رہا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی بہت بڑی اور شدید

ضرورت اس کے لیے نئی زمین کے حصول کی تھی۔ جب تک وہ زمین نہ خریدی جاتی، جامعہ کا نقشہ مکمل نہیں ہو پاتا تھا۔ چنانچہ گذشتہ سال ہمت کر کے اور اپنی بساط سے آگے قدم رکھ کر ایک ایکڑ سے کچھ زائد جامعہ کے ساتھ ملحقہ مزید زمین خریدی گئی اور اس کی خرید پر پینتالیس ہزار روپے کے قریب خرچ ہوئے۔ یہ خرچ اگرچہ ہمارے لیے بہت زیادہ تھا، مگر ضرورت کے ہاتھوں مجبور تھے۔ یہ رقم کسی نہ کسی طرح پوری ہوگئی۔ دوستوں نے اس سلسلے میں جامعہ کے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

اس معاملے میں میاں فضل حق (صدر جامعہ سلفیہ)، مولانا محمد اسحاق صاحب لائل پوری، حاجی محمد اسحاق حنیف (ناظم شعبہ نشر و اشاعت مرکزی جمعیت)، میاں عبدالمجید صاحب (ناظمِ مالیات مرکزی جمعیت)، مولانا محمد یعقوب صاحب لائل پوری، شیخ فیروز الدین صاحب لائل پور، مولانا عبیداللہ احرار، شیخ محمد ابراہیم صاحب لائل پور اور میاں عبدالستار صاحب (مالک: ستارہ فیکٹری گوجرانوالہ) کی مساعی خصوصیت کے ساتھ قابلِ تعریف ہیں۔ جماعت ان حضرات کی ممنون ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان حضرات کے مال و دولت میں برکت پیدا کر دے۔

تعمیرِ مسجد:

جامعہ میں تعمیرِ مسجد کا کام بہت ہی زیادہ لائقِ توجہ ہے۔ اب صحنِ جامعہ کے وسط میں چھوٹی سی ایک عارضی مسجد تعمیر ہے۔ نقشے کے مطابق ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرنے کے لیے کراچی کے ایک مخیّر اور صاحبِ ثروت بزرگ ملک التجار جناب شیخ عبدالوہاب صاحب دہلوی بن الحاج الشیخ عطاء الرحمان صاحب دہلوی مرحوم (مہتمم مدرسہ رحمانیہ دہلی) نے پیش کش فرمائی ہے۔ اندازہ ہے تعمیرِ مسجد پر کوئی ساٹھ ستر ہزار روپے خرچ ہوں گے اور اپنے وعدے کے مطابق ان شاء اللہ یہ پوری رقم شیخ صاحب موصوف بہت جلد ادا فرما دیں گے۔ اس کی پہلی قسط انھوں نے ادا فرما دی ہے۔ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ مَالِهٖ وَأَوْلَادِهٖ.

نقشے کے مطابق ان شاء اللہ مستقبل قریب میں مسجد کی تعمیر شروع ہو جائے گی۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ تمام کام بلا مزید تاخیر کے پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔

جامعہ کے اخراجات:

اس وقت جامعہ میں گیارہ اساتذہ تعلیمی فرائض انجام دے رہے ہیں اور تقریباً ڈیڑھ سو طلبہ باقاعدہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ طلبہ کے سالانہ خرچ کے لیے گندم تو تقریباً ساری کی ساری لائل پوری

حضرات کی محنت وکوشش سے ضلع لائل پور اور ایک آدھ اس کے ملحقہ ضلع سے اکٹھی ہوگئی ہے۔ مجموعی طور سے گندم کا ماہانہ خرچ تقریباً پچاس من ہے اور سالانہ چھے سو من کے لگ بھگ ہے۔ اساتذہ کے مشاہروں اور دیگر ضروریات پر تقریباً چار پانچ ہزار روپے ماہانہ اور ساٹھ ہزار روپے سالانہ اخراجات اُٹھتے ہیں، اور یہ سب احباب کے مخلصانہ تعاون اور فراخ دلانہ اشتراک سے بحمد اللہ پورے ہورہے ہیں۔

تعلیم کے علاوہ تعمیر پر جو خرچ ہورہا ہے وہ ایک مستقل خرچ ہے اور بہت زیادہ ہے۔

انگریزی، حساب اور جغرافیہ وغیرہ علوم:

جامعہ سلفیہ میں تعلیم کے کئی ممتاز اور منفرد پہلو ہیں، مثلاً اس میں طلبہ کو انگریزی تعلیم بھی باقاعدہ دی جاتی ہے۔ حساب اور جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم کا بھی بہترین انتظام ہے۔ اس کے لیے باقاعدہ استاد مقرر ہیں جو اپنے فن میں کامل ہیں اور ان کی مذہبی اور اخلاقی حالت بھی نہایت اطمینان بخش ہے۔

اس دَور میں اس تعلیم کا انتظام بڑا ضروری تھا۔ جامعہ سلفیہ میں یہ سلسلہ پورے غور وخوض کے بعد شروع کیا گیا ہے۔

اگر یہ طلبہ دینی اور دنیوی دونوں تعلیمات سے آراستہ ہوں گے اور نصاب مکمل کر کے جامعہ سے نکلیں گے تو ان شاء اللہ یہ ہر پہلو میں کامیاب رہیں گے۔ ان کا طریقِ گفتگو بھی لوگوں کو متاثر کرے گا اور ان کی دعوت وتبلیغ کا انداز بھی پرکشش اور جاذب ہوگا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تمام دینی مدارس میں یہ سلسلہ شروع ہو اور طلبہ جب فارغ ہو کر نکلیں تو اپنے آپ میں کسی چیز کی کمی نہ محسوس کریں۔ نیز گفتگو میں احساسِ کہتری کا شکار نہ ہوں اور ان کے لیے دینی اور دنیوی ترقی کے لیے راہیں کھلی ہوں۔

طلبہ کی اخلاقی حالت:

جامعہ سلفیہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں طلبہ کی اخلاقی حالت کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ ان کی ہر حرکت پر نگاہ رکھی جاتی ہے اور انھیں یہ احساس دلایا جاتا ہے کہ تنہا تعلیم کوئی چیز نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی حالت کو سدھارنا اور کردار کو بلند رکھنا نہایت ضروری ہے اور یہ تعلیم کا ایک لازمی جزو ہے۔

جس کے اخلاق اچھے نہیں ہیں اور اس کی روحانی کیفیات بلند نہیں ہیں، اگرچہ وہ کتنا ہی بڑا

عالم کیوں نہ ہو، وہ نا قابلِ التفات ہے۔ اس نے دینی تعلیم تو حاصل کر لی مگر وہ اس کی لذت سے قطعی نا آشنا اور اس کی تاثر پذیریوں سے بالکل بے خبر ہے۔ اس لیے علم کے ساتھ ساتھ روحانی قدروں کو بلند کرنا اور اخلاقی حالت کو ارفع و اعلیٰ رکھنا از حد ضروری ہے اور اس کا جامعہ سلفیہ میں بہترین انتظام ہے۔

وحدتِ نصاب:

جامعہ سلفیہ کے قیام سے ہمارا ایک بہت بڑا مقصد یہ تھا اور ہے کہ کم از کم اہلِ حدیث کے دینی مدارس میں نصابِ تعلیم ایک ہو اور طلبہ کو داخل یا خارج کرتے وقت اس کے تمام حالات کا پتا کیا جائے ۔ ایسا نہ ہو کہ جو جس وقت جس مدرسے میں گیا، اسے داخل کر لیا گیا۔ ایک تو داخلے کی ایک خاص مدت متعین ہونی چاہیے۔ اس مدت سے پہلے یا بعد کسی کو داخل نہ کیا جائے۔

دوسرے اس بات کا سختی سے خیال رکھا جائے کہ طالب علم کی سابقہ زندگی کیسی ہے؟ پہلے مدرسے کا اس کے پاس سرٹیفکیٹ ہونا چاہیے، تاکہ اگر وہ پہلے مدرسے میں کوئی غلطی کر چکا ہے تو دوسرے مدرسے میں داخلے کے وقت اس چیز کا خیال رکھا جائے۔

علاوہ ازیں تمام مدارس میں وحدتِ نصاب پر عمل ہو اور امتحانات کا سلسلہ ذرا سخت ہو۔ یہ نہ ہو کہ ایک طالب علم سالانہ امتحان میں فیل ہو گیا ہے، مگر آیندہ اسے اگلی جماعت میں داخل کر لیا گیا ہے اور اسے فیل یا کامیاب ہونے کا کوئی احساس ہی نہ رہے۔

یہ اور اس قسم کی متعدد خرابیاں ہیں جو دور ہونی چاہییں اور اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ تمام مدارس میں وحدتِ نصاب ہو۔ داخل، خارج اور امتحانات کا معقول انتظام ہو۔ موجودہ تعلیمی انتشار کو رفع کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ اس تعلیمی انتشار کی وجہ سے ہمارے مدارس کے طلبہ کی قابلیت اور ان کی صلاحیتیں ایسی نہیں جیسی کہ ہونا چاہییں۔ جامعہ سلفیہ اور اس کے منتظمین کے علاوہ ہم تمام اصحابِ مدارس، اساتذہ، مہتممین اور عامۃ المسلمین سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ جمعیت کے ساتھ اس معاملے میں پورا پورا تعاون کریں گے اور جو لوگ اس سے بلاوجہ انکار کریں، انھیں صحیح راہ پر لانے کی کوشش کریں گے۔

آیندہ عزائم:

جامعہ کی ترقی کے باب میں مرکزی جمعیت کے آیندہ عزائم یہ ہیں کہ جہاں اس میں تعلیم کا

بہتر انتظام ہو اور اس سے مبلغ، مقرر، مدرس اور مفتی حضرات کی ایک کھیپ تیار ہو کر نکلے، وہاں ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ جامعہ میں ایک ''دار الصنعت'' بھی قائم کر دیا جائے جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ لڑکے کے طبعی رجحان کے مطابق اس کو صنعت و حرفت بھی سکھائی جائے۔ مثلاً کرسیاں بننا، کپڑے بننا، بجلی کا کام سکھانا وغیرہ۔ علاوہ ازیں کتابت اور طباعت کی تعلیم کا بھی باقاعدہ انتظام ہو۔

اس کے دو فائدے ہوں گے: ایک یہ کہ تحصیلِ علم سے فارغ ہونے کے بعد لڑکے پریشان نہیں ہوں گے۔ دوسرے اگر وہ کسی وجہ سے تعلیم نہ بھی مکمل کر پائیں گے تو کچھ نہ کچھ صنعت و حرفت تو جانتے ہوں گے۔ وہ اپنے ایک محدود اور خاص دائرے میں خدمتِ دین بھی انجام دیں گے اور اپنی معاش کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ جاری رکھیں گے، اس سے وہ خود بھی آرام سے رہیں گے اور لوگ بھی انھیں اپنے پر بوجھ نہیں سمجھیں گے۔ بلکہ ایسے شخص کی تبلیغ جو خود کما کر کھاتا ہو، زیادہ جاندار اور زیادہ اثر آفرین ہوتی ہے۔

یہ کام بہت اہم ہے، بہت ضروری ہے اور بہتِ روپے کا متقاضی ہے۔ اگر جماعت نے اپنی سابق روایات کے مطابق ہماری طرف دستِ تعاون بڑھایا تو اس اہم سلسلے کو پہلی فرصت میں شروع کرنے کا مصمم ارادہ ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ.

تعاون کی درخواست:

مندرجہ بالا سطور میں اختصار کے ساتھ جامعہ کی ضروریات، خرچ کی تفصیلات اور آیندہ عزائم کی وضاحت کی گئی ہے اور تمام کوائف جماعت کے سامنے رکھ دیے گئے ہیں۔ ان کی روشنی میں جماعت کے عوام و خواص سے درخواست ہے کہ وہ جامعہ کی طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائیں اور جماعت کے اس بہت بڑے تعلیمی مرکزی ادارے کی زیادہ سے زیادہ امداد کریں۔

جامعہ کے اخراجات کا ایک نہایت ضروری حصہ اس کی لائبریری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ جامعہ کی ایک بہت بڑی لائبریری ہو۔ مگر اس میں بھی آپ کے تعاون اور اہلِ علم اور اصحابِ ذوق کی مخلصانہ مساعی کی شدید ترین ضرورت ہے۔

محمد اسماعیل

ناظمِ تعلیمات

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ سلفیہ اور دیگر جماعتی ادارے

مکرم ومحترم! .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کو بہ خوبی علم ہے کہ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان نے قرآن وسنت کی اشاعت کے لیے اپنی تمام مساعی کو تین اہم شعبوں پر مرکوز کیا ہوا ہے:

① ایک اعلیٰ دینی درس گاہ۔

② فکر انگیز اور سیرت ساز کتب کی تصنیف وتالیف۔

③ اور عام مسلمانوں کی اعتقادی وعملی اصلاح کے لیے تحریری وتقریری تبلیغ۔

ان تین کاموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے سلسلے میں جماعت نے آج تک جو کچھ کیا ہے اور اللہ کے فضل اور دوستوں کے تعاون سے ہم جہاں تک پہنچے ہیں، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

الجامعۃ السلفیہ:

مرکزی دینی درس گاہ کے دو شعبے ہیں: ① شعبۂ تعلیم ② شعبۂ تعمیر۔ شعبۂ تعلیم میں دس سال سے تدریسی خدمات انجام دی جا رہی ہیں اور اس وقت تک ڈیڑھ صد طلبہ فارغ التحصیل ہو کر ملک کے کونے کونے میں مختلف حیثیتوں سے علمِ دین کی خدمت و اشاعت کر رہے ہیں جو ہمارے لیے باعثِ برکت ہے۔

شعبۂ تعمیر کے سلسلے میں چوبیس کمرے، ایک شان دار مسجد اور بیرون جات مہمانوں کے لیے ایک عمدہ مہمان خانہ اور پوری درس گاہ کے اردگرد زیبِ نظر چار دیواری تعمیر ہو چکی ہے۔ ٹیلیفون، ڈاکخانہ، ڈسپنسری اور دیگر ضروریات مہیا کی گئی ہیں۔ آب رسانی کے لیے ایک ٹیوب ویل لگا لیا ہے۔ ابھی جامعہ سلفیہ کے منصوبے میں بہت سی عمارات زیرِ تعمیر ہیں، خصوصاً بڑا ہال، لائبریری اور اساتذۂ کرام کی رہایش گاہیں۔ ان مصارف کے لیے آخر رقم درکار ہے۔ تمام احبابِ جماعت کو چاہیے کہ اس کام

کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے پورا پورا تعاون کریں، کیوں کہ دنیا میں ہر بڑے تعمیری عمل کی کامیابی کے لیے بھی قربانی اور محنت درکار ہے۔ اللہ میاں ہمیں توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین.

جامعہ کے نصابِ تعلیم میں قدیم علوم کے ساتھ جدید علوم کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ علومِ قرآن وحدیث، تفسیر، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور تاریخ کے ساتھ ساتھ طلبہ میں وسعتِ نظر پیدا کرنے کے لیے عصری تقاضوں کے مطابق انگریزی، حساب اور معاشرتی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اس لیے طلبہ شوق ذوق سے داخلہ لیتے ہیں، چنانچہ سالِ رواں میں تعداد ڈیڑھ صد سے متجاوز رہی ہے۔ جامعہ میں تدریسی خدمات کے لیے قابل اساتذہ کا انتخاب عمل میں لایا گیا ہے، اسی وجہ سے جامعہ کا تعلیمی خرچ چار ہزار روپے ماہانہ سے متجاوز ہے۔

ادارۂ تصنیف وتالیف:

اس اہم کام پر اگرچہ جماعت اتنی توجہ صَرف نہیں کرسکی جس کا وہ فی الواقع مستحق تھا، تاہم جماعت اس مفید ترین کام سے بھی غافل نہیں ہے۔ چنانچہ جماعت کے چند مخلص افراد نے جولائی ۱۹۶۴ء کو لاہور میں جمع ہوکر اس کی داغ بیل ڈالی اور ایک مستقل ادارے کی تشکیل دی جس کا نام اہلِ حدیث اکادمی تجویز ہوا۔ اکادمی کا طے کردہ منصوبہ یہ ہے کہ اعلیٰ معیارِ حق وصداقت کے مطابق قرآنِ کریم کی تفسیر یا حاشیہ لکھوانے کا اہتمام کیا جائے، کتبِ حدیث کے مستند تراجم طبع کرائے جائیں، بچوں کی تدریسی ضروریات کے مطابق معیاری نصابِ تعلیم ترتیب دیا جائے، متوسط طبقے کے لوگوں کے لیے دینی مسائل پر مشتمل آسان کتابیں تصنیف کرائی جائیں۔ اگرچہ جماعتی معیار پر اس سلسلے میں ہنوز کوئی کام نہیں ہوسکا، تاہم مندرجہ ذیل کتابیں طبع ہوکر بازار میں آگئی ہیں:

حسن البيان فيما في سيرة النعمان:

تصنیف مولانا عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ رحیم آبادی جس میں مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرۃ النعمان کی علمی غلطیوں کو واضح کیا گیا ہے۔

الارشاد الی سبیل الرشاد:

تصنیف مولانا ابویحییٰ صاحب شاہجہاں پوری جس میں مسئلۂ تقلید کی وضاحت بڑے اچھے انداز میں کی گئی ہے۔

مسلکِ اہلِ حدیث کے مطابق، اسلام کا قاعدہ اور اسلام کی کتاب کے پانچ حصے بھی طبع ہو چکے ہیں اور احادیث کی روشنی میں طریقۂ سلف کے مطابق قرآنِ مجید کا ترجمہ وتشریح ایک مستند عالم سے لکھوایا جا رہا ہے، اس کام میں کامیابی کی امیدیں بہت روشن ہیں۔

شعبۂ تبلیغ:

اس شعبے میں کامیابی کی کوئی صحیح راہ ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ہمارے علماء اپنے منصبِ عظیم کو سنبھالنے کے لیے تیار ہو جائیں اور مسلمانوں کے اصلاحِ احوال کا جنون کی حد تک اپنے اندر شوق پیدا کر لیں۔

گزشتہ سالوں میں کانفرنسوں، تبلیغی جلسوں اور دینی اجتماعوں کا جماعت اہتمام کرتی رہی ہے اور مبلغین حضرات مختلف مقامات کے دورے کر کے تقریری تبلیغ کا فرض ادا کرتے رہے ہیں۔ لیکن اتنے کام کو ناکافی خیال کرتے ہوئے مجلسِ شوریٰ کے حالیہ اجلاس منعقدہ منٹگمری میں ایک بورڈ تشکیل کیا گیا، اس بورڈ نے اپنے اجلاس منعقدہ لاہور میں جناب میاں فضل الحق صاحب ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی ان تجاویز کو باتفاق رائے منظور کیا ہے:

1. مبلغین حضرات کی خدمات حاصل کر کے جماعت مختلف دیہات میں تبلیغی اجتماعات کا اہتمام کرے۔
2. کچھ محنتی اور اصحابِ درد علماء جماعتِ مجاہدین کے انداز پر سیرت سازی کے لیے کام کریں۔
3. ایک جماعتی تربیت گاہ قائم کی جائے جس میں تمام اہلِ حدیث مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ میں علمی ذوق پیدا کرنے کے لیے وسیع مطالعہ کرانے کا انتظام کیا جائے اور اس کے ساتھ ان میں روحانیت اور خدمت کی کیفیت پیدا کرنے پر توجہ دی جائے اور ان کے سامنے دعوت وعزیمت کے مقام پر فائز علماء کی سیرت بیان کی جائے تا کہ ان میں دینی خدمت کا ولولہ پیدا ہو سکے۔

اس مقصد کے لیے زیادہ سے زیادہ پندرہ طلبہ داخل کیے جائیں اور ان کو وظائف بھی دیے جائیں۔

شعبۂ نشر واشاعت:

نشر واشاعت کے سلسلے میں سب سے نمایاں کردار جماعتی ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' نے ادا کیا ہے جو تشکیلِ جماعت سے لے کر اب تک بحمداللہ مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ یہ پرچہ کاروباری لائنوں پر نہیں چلا ہے، بلکہ اس کے پیشِ نظر جماعتی آواز کو حکومت کے ایوانوں اور دوسرے حلقوں تک

پہنچانا مقصود ہے۔ ہم اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس طویل عرصے میں ''الاعتصام'' نے جس چیز کو خلافِ حق پایا، اس کے خلاف آواز اٹھائی اور دلائل سے اس کے مالہ و ما علیہ کو منقح کیا۔ گذشتہ سال پاک بھارت جنگ میں اخبار نے نہ صرف جماعتی کارگزاری کو شائع کیا، بلکہ جماعتی اور دیگر حلقوں سے جہاد میں عملاً حصہ لینے کی اپیلیں کیں جن پر ہر طرف سے لبیک کی آوازیں بلند ہوئیں۔ پاک و ہند کے بے شمار اخبارات، رسائل اور مجلّات نے ہمارے شائع کردہ مضامین کو اپنے ہاں شائع کیا۔ ان امور کے پیشِ نظر ''الاعتصام'' جماعتی زندگی کی اساس ہے، اس لیے اس کے اخراجات کو پورا کرنا بھی ناگزیر ہے۔ کاروباری لائنوں پر نہ ہونے کی بنا پر اس میں زیادہ تر حصہ مضامین، جماعتی خبروں کا ہوتا ہے اور اشتہارات کم و بیش نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ان کے علاوہ بعض اخراجات ہنگامی آپڑتے ہیں جن سے سال بھر نپٹنا ہوتا ہے۔ رمضان المبارک میں عموماً زکات، عشر اور صدقات ادا کیے جاتے ہیں، اس لیے جماعت کے تمام ارکان اور ہمدردوں سے اپیل ہے کہ وہ مندرجہ بالا اخراجات کو پورا کرنے کے لیے جماعت کا ہاتھ بٹائیں، نہ صرف اپنی رقوم مرکزی بیت المال میں جمع کرائیں، بلکہ اپنے حلقۂ احباب میں بھی اس کام کے لیے سر توڑ کوشش کریں۔ ایک ماہ کے عرصے میں جماعت کو اس قابل بنا دیں کہ وہ سال بھر کے اخراجات سے بے فکر ہو جائے۔ میں ارکانِ شوریٰ، عاملہ، ضلعی و شہری عہدے داروں سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ وہ اپنے فرائض کو حسبِ سابق تن دہی سے انجام دیں، اس کے لیے دورے اور ملاقاتیں کر کے احباب کو توجہ دلائیں۔ اس وقت کی ذرا سی تاخیر جماعتی کام کو پیچھے ڈال دے گی اور پھر سال بھر مختلف شعبوں کے ناظمین اور مرکزی دفتر کے لیے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ میں اس کام کو خود انجام دینا باعثِ سعادت سمجھتا ہوں اور بحمد اللہ، اپنی استطاعت کے مطابق انجام دیتا آیا ہوں، لیکن اب بیماری نے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں اس کام کے لیے وقت نکال کر دورے بھی کر سکوں اور جماعت کے افراد کی خدمت میں حاضر ہو کر انھیں اس طرف متوجہ کرا سکوں۔

زندہ جماعتوں کی یہ علامت ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنے منصوبوں کو شروع کرنے کے بعد ناکام نہیں ہونے دیتیں بلکہ رکاوٹ آجانے پر وہ ''تیز تر گام زن''[1] پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ میں دوبارہ

[1] مزید تیز چلو۔

اپیل کرتا ہوں کہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے کو اس کام کے لیے موزوں سمجھیں۔ جس ترتیب سے رقوم وصول ہوتی جائیں گی، اسی ترتیب سے الاعتصام میں اشاعت پذیر ہوتی رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اعمالِ حسنہ کی توفیق بخشے۔ ہم جماعتی کاموں کو دل جمعی اور تن دہی سے انجام دینے کے قابل ہوسکیں۔ اگر آپ اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے گا۔ ﴿ إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ ﴾ [محمد: ٧]

(مولانا) محمد اسماعیل سلفی، کان اللہ لہ

امیر جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

روداد الجامعۃ السّلفیہ لائل پور

سال ۱۹۶۳ء و سال ۱۹۶۴ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْأَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ، وَعلٰی أَتْبَاعِھِمْ مِنْ فُقَھَاءِ الْمُحَدِّثِیْنَ وَالْأَئِمَّۃِ الْمُجْتَھِدِیْنَ وَمَنْ سَلَکَ مَسَالِکَھُمْ إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ.

حضرات! تقسیم کے بعد ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء میں جماعت کی تشکیل کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، مگر ملک میں خلفشار اور اضطراب کی وجہ سے جماعت میں صحیح طور پر نظم قائم نہ رہا۔ ۱۳۶۷ھ، ۱۹۴۸ء میں جماعت کی تشکیل کے لیے کوشش شروع کی گئی۔ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے نام سے ایک تنظیم عمل میں لائی گئی جس کے لیے ظاہر ہے آرگن کی ضروری تھی، اس کے لیے گوجرانوالہ کی جماعت سے اخبار ''الاعتصام'' لے لیا گیا۔ چنانچہ ابتداء میں جمعیت اور اخبار کے دفاتر گوجرانوالہ میں رہے۔ مگر حضرت مولانا المحترم صدر جمعیت کی علالت اور سہولت کی وجہ سے دفتر لاہور میں منتقل کیا گیا۔ تاکہ مرحوم بخوبی کام کی نگرانی کرسکیں۔ جماعت میں تعلیمی انحطاط کے پیشِ نظر پہلے دن ہی سے ایک اچھی اور معیاری درس گاہ کا خیال دامن گیر تھا۔ ۵۴۔ ۱۹۵۵ء میں اسے عملی صورت دے دی گئی۔ لائل پور میں کچھ زمین بعض مخلصین نے بطور عطیہ مرحمت فرمائی۔ کچھ زمین قیمتاً خریدی گئی اور اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا گیا۔

بے سروسامانی کی وجہ سے کچھ دیر جامعہ کا تعلیمی سلسلہ لاہور میں رہا اور کچھ وقت مسجد اہلِ حدیث امین پور بازار میں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے ساتھ جامعہ کی تعمیر جاری رہی اور بالآخر تعلیم کا پورا نظام جامعہ کی اپنی عمارت میں آ گیا۔

جامعہ سلفیہ کا سنگِ بنیاد:

جامعہ کا سنگِ بنیاد ۱۹۵۵ء میں رکھا گیا۔ ۲، ۳، ۴/ اپریل ۱۹۵۵ء کو لائل پور میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تیسری سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس موقعے پر جماعت کے افراد کی ایک کثیر تعداد ملک کے اطراف واکناف سے جمع ہوگئی۔ ۴/ اپریل کو مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے اجلاس میں دار العلوم کے قیام پر بحث ہوئی اور اس کا نام جامعہ سلفیہ تجویز ہوا۔ اس کے سنگِ بنیاد کی تقریب میں مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ ، راقم الحروف اور میاں محمد باقر صاحب، حکیم نور دین صاحب نے حصہ لیا۔ اس موقعے پر ایک مخلص جنھوں نے اپنا نام ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا، سب سے پہلے مولانا عبدالواحد کی معرفت جامعہ کے سلسلے میں پچیس صد روپے عنایت فرمائے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور آفات سے بچائے۔

دوسری بہت بڑی رقم جو قریباً چار ہزار روپے کی تھی، میاں محمد عالم، دین محمد ٹھیکیداران لاہور کے والد بزرگوار میاں مولا بخش صاحب نے عنایت فرمائی۔

تیسری بڑی رقم حاجی مولا بخش مرحوم مالک نشاط ٹیکسٹائل ملز لائل پور نے عنایت کی۔ علاوہ ازیں کانفرنس کے اجلاس میں حجرِ اساسی کی تقریب پر بے شمار حضرات نے رقوم عطا فرمائیں۔ جماعت کی ایک بڑی تعداد نے سوسو روپے کے متعدد سالانہ وعدے کیے۔

بہر حال جامعہ سلفیہ کے معاونین کا حلقہ وسیع تر ہوتا گیا۔ کام کی رفتار اور ترقی کو دیکھ کر نئے نئے اصحاب نے جامعہ سلفیہ کی معاونت قبول فرمالی جو اب تک جاری ہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْراً.

جامعہ سلفیہ اپنی بساط کے مطابق مخلص دوستوں کے تعاون سے ہر چند ترقی کر رہا ہے۔

جامعہ سلفیہ کی اپنی بلڈنگ ۲۶ کمروں، ایک مہمان خانہ اور مطبخ کے علاوہ ایک گودام پر مشتمل ہے۔

جامعہ سلفیہ میں اہلِ خیر نے برقی پنکھوں کی امداد بھی فرمائی اور ضلع لائل پور ہمیشہ گندم، یعنی خوراک کے سلسلے میں کفیل ہوتا رہا ہے۔

جامعہ سلفیہ مسجد کے لیے کراچی سے شیخ عبدالوہاب صاحب نے پندرہ ہزار روپے عنایت فرمائے۔ ان کے علاوہ میاں محمد انور چنیوٹی، صوفی احمد دین، میاں فضل حق صاحبان، حاجی عبدالکریم صاحب اور حاجی فیروز دین صاحب و دیگر احبابِ لائل پور نے پوری توجہ سے جامعہ کی مسجد کو تکمیل

تک پہنچانے کی نہایت سعی فرمائی۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ.

جامعہ کی مسجد کی تکمیل ابھی باقی ہے۔ مینار تقریباً نصف تیار ہوا ہے۔ الماریاں، فرش، چِپس اور دیگر لوازمات احبابِ قوم کی توجہ کے مستحق ہیں۔

اب اس وقت جمعیت کا دفتر لاہور میں ہے اور جامعہ کا تعلیمی سلسلہ لائل پور میں۔ جامعہ کا عملہ تقریباً اٹھارہ اشخاص پر مشتمل ہے۔ طلبہ کا مطبخ اور رہائش سب جامعہ میں ہے۔ عمارت کی کمی کے سبب تعلیم کا زیادہ کام مسجد سے لیا جا رہا ہے۔ اکثر اساتذہ مسجد میں درس دیتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اصحابِ خیر ضروری عمارت کی طرف توجہ فرمائیں۔ حدیث کی تدریس کے لیے ایک ہال کی ضرورت ہے جسے جلد سے جلد تعمیر ہونا چاہیے۔ اس کے پہلو میں دوسرے علوم کی تدریس کے لیے الگ الگ کمرے ہونے ضروری ہیں۔ تاکہ اساتذہ اطمینان سے اپنے متعلقہ علوم ومضامین کی تعلیم وتدریس فرما سکیں۔

اساتذہ کی رہائش گاہوں کا مسئلہ بھی حل طلب ہے۔ کئی اساتذہ مجبوراً ان کمروں میں گزر کر رہے ہیں جو دراصل دفاتر کے لیے تعمیر کیے گئے ہیں۔ جامعہ سلفیہ کی کتب و لائبریری کے کمرے ابھی باقی ہیں۔ اس لیے سردست ہزاروں روپوں کی کتابیں دفاتر کے کمروں میں رکھی گئی ہیں۔ ان تمام حصوں کی تعمیر کے لیے اربابِ خیر اور اصحابِ جود کی توجہ درکار ہے۔

ٹیوب ویل جامعہ سلفیہ:

جامعہ سلفیہ میں پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ٹیوب ویل لگایا جا رہا ہے۔ محکمہ زرعی یونیورسٹی لائل پور کی طرف سے بورنگ اور ٹیسٹنگ کرائی جا چکی ہے۔ ٹیوب ویل کے تمام مصارف جناب میاں عبدالستار صاحب مالک ستارہ فیکٹری گوجرانوالہ نے اپنے ذمے لے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔

خوشخبری:

ہم یہ بات اپنے مخیّر احباب کی خدمت میں بہ مسرت بیان کرتے ہیں کہ حکومت نے جامعہ میں دیے جانے والے عطیات کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ کر دیا ہے اور اس کی طرف سے باقاعدہ ناظمِ مالیات کو وہ چٹھی موصول ہو چکی ہے جس میں استثناء کے احکام جاری کیے گئے ہیں۔ جو یہ ہے:

بحوالہ چٹھی مورخہ ۶۵/۹/۲۹، نمبر ۶۵، ITP۔ I۔ ۱۱۵۔ ۱۷۔ جامعہ سلفیہ میں دیے جانے

والے عطیات کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ مخیّر حضرات حسبِ سابق دل کھول کر حصہ لیں اور دیگر متمول حضرات کو بھی توجہ دلائیں۔

آخر میں ان دوستوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں جن کے تعاون سے جمعیت اہلِ حدیث اور جامعہ سلفیہ نے اپنی عمر کے اتنے سال بخیر وخوبی طے کیے ہیں:

اس زمرے میں مولانا سید محمد داود غزنوی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا عبدالمجید سوہدروی اور مولانا محمد علی ایم۔ اے قصوری مرحومین کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں جن کی پیہم کوششوں سے آج جماعت اہلِ حدیث ایک بلند مقام حاصل کر چکی ہے۔

یہ بات میں نے اپنے انتخاب کے موقعے پر بھی رفقائے کار کے سامنے پیش کی تھی کہ اصحاب کی مخلصانہ مساعی سے ہی جماعت اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ سکتی ہے۔ اصل چیز اخلاص ہے۔ اگر یہ برقرار رہا تو وہ دن دور نہیں کہ جامعہ ان شاء اللہ ایک معیاری یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لے۔

سیالکوٹ کی کانفرنس سے جماعت کے افراد کے حوصلے بلند ہوئے ہیں اور یک جہتی اور پیہم کوششیں عملاً سامنے آچکی ہیں۔

ناظمِ مالیات کی رپورٹ:

جامعہ سلفیہ کا شعبۂ مالیات نہایت ہی اہم ہے۔ اس سلسلے میں ناظمِ مالیات کی رپورٹ آپ کے سامنے ہے۔ انھوں نے ۶۴۔۱۹۶۳ء کے حسابات آپ کے سامنے رکھے ہیں۔ حسابات پوری احتیاط سے مرتب ہوئے ہیں۔ انسان معصوم نہیں، احباب اگر کہیں کوئی فروگذاشت محسوس کریں تو اس کی اطلاع دیں، تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔

دفتر کی تعمیر:

حضرت مولانا المحترم سابق امیر جمعیت کے انتقال کے بعد بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر دفتر بدلنا پڑا۔ چنانچہ اب دفتر حدیث منزل، ایبک روڈ لاہور میں ہے۔ ہماری کوشش اور خواہش ہے کہ مرکزی جمعیت کا دفتر اپنا تعمیر کرلیا جائے، تاکہ روز کی تبدیلیوں سے مخلصی مل جائے۔

اس ضمن میں میاں عبدالمجید صاحب اور الحاج محمد اسحاق حنیف صاحب نے دو دو کنال کی دو پیش کشیں کی ہیں اور دونوں منظور کر لی گئی ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور دفتر کی تعمیر ہو جائے۔

ڈسپنسری:

جامعہ کے قریب چونکہ آبادی روز بروز بڑھ رہی تھی اور طلبہ کی ضرورت بھی پیشِ نظر تھی، اس لیے ۱۹۶۴ء میں ڈسپنسری شروع کی گئی جس میں مریض طلبہ کا بھی علاج ہوتا ہے اور قریب کی آبادی کے بیسیوں مریض روزانہ مستفید ہوتے ہیں۔

مطبخ:

مطبخ کے لیے سرِدست دو کمرے استعمال ہو رہے ہیں۔ جامعہ کے مہمانوں اور طلبہ کے لیے کھانا یہیں تیار ہوتا ہے۔ سرِدست دو باورچی مطبخ میں کام کر رہے ہیں۔

باغیچہ اور ٹیوب ویل جامعہ سلفیہ:

جامعہ سلفیہ کے منتظمین نے باغیچے کے لیے ایک مالی کی خدمات حاصل کی ہوئی ہیں جس میں مختلف سبزیاں، پھل اور پھول کاشت کیے جاتے ہیں۔

جامعہ میں ایک کنواں اور ٹیوب ویل بھی ہے جس سے باغیچے کو سیراب کیا جاتا ہے۔ نیز مسجد میں وضو اور نہانے اور دھونے کے لیے اس سے پانی کا انتظام کیا جاتا ہے۔ طلبہ باغیچے سے پوری طرح مستفید ہوتے ہیں۔

جامعہ کی تعمیر کا زیادہ تر کام میاں فضل حق صاحب کی نگرانی میں ہوا اور حال ہی میں ایک بالائی کمرہ میاں محمد نور صاحب کے مصارف اور نگرانی میں تعمیر ہوا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

محمد اسماعیل سلفی، عفی عنہ

جامعہ سلفیہ کی تعمیر و تعلیم کے سلسلے میں ہماری مساعی

قیامِ پاکستان سے جو علمی نقصان جماعت اہلِ حدیث کو ہوا، وہ تاریخ کا ایک اَلم ناک باب ہے۔ جماعت کے متعدد مشاہیر اہلِ علم شہید ہوئے۔ بیسیوں مدارس تباہ و برباد اور لاکھوں روپے کے بہترین اور نایاب کتب خانے نذرِ آتش ہو گئے۔

انھیں حوادث کا اثر تھا کہ پاکستان میں جماعت کے اکابر علماء نے جب تنظیمِ جماعت کا کام شروع کیا تو قحط الرجال محسوس کرتے ہوئے ایک اعلیٰ اور معیاری درس گاہ کا قیام ضروری خیال کیا اور اسے اپنے مقاصد میں سرِفہرست جگہ دی اور مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی مجلسِ شوریٰ نے اپنی دوسری سالانہ کانفرنس منعقدہ ملتان میں مرکزی دار العلوم کے قیام کو اپنا بہترین مقصد قرار دیا۔

ملتان کانفرنس کے فوراً بعد مجلسِ عاملہ منعقدہ ۳۔۵۔۱۹۵۴ء کے اجلاس میں یہ مسئلہ پیش ہوا اور صدرِ محترم مولانا سید داود غزنوی نے اپنے مدرسے تقویۃ الاسلام کی بلڈنگ، عظیم اور نایاب کتب خانہ اور خود اپنی تمام تر خدمات مرکزی دارالعلوم کے لیے پیش کیں اور لائل پوری احباب نے اس امر کی پیشکش کی کہ اگر دارالعلوم لائل پور میں قائم کیا جائے تو ہم اس کے لیے ہر ممکن قربانی کریں گے۔

کچھ عرصہ بعد صدرِ محترم نے بعض وجوہ کی بنا پر اپنی تجویز واپس لے لی اور مجلسِ عاملہ نے دارالعلوم کے لیے لائل پور کو حتمی طور پر منتخب کر لیا اور تیسری سالانہ کانفرنس منعقدہ لائل پور کے موقعے پر اُس زمین پر ''جامعہ سلفیہ'' کا سنگِ بنیاد نصب کر دیا گیا جو اس مقصد کے لیے کوٹ امین متصل لائل پور کے ایک مرحوم اہلِ حدیث بزرگ نے وقف فرمائی تھی۔

چوں کہ یہ زمین دو متفرق ٹکڑوں میں تھی اور جمعیت کے نام اس کا باقاعدہ انتقال بھی نہ ہوا تھا، اس لیے کوشش کی گئی کہ زمین ایک جگہ ہو سکے اور باقاعدہ انتقال بھی کرا لیا جائے، لیکن اس راہ میں کئی قسم کی قانونی الجھنیں تھیں جن پر قابو نہ پایا جا سکا اور کام کو آگے نہ بڑھایا جا سکا۔ علاوہ ازیں جامعہ سلفیہ کے وسیع منصوبے کے پیشِ نظر مذکورہ زمین ناکافی تھی اور قرب و جوار کی زمین فیکٹری ایریا

ہونے کی وجہ سے انتہائی گراں تھی، اس لیے لائل پور میں ہی کسی دوسرے مقام پر مزید زمین خریدنے کا فیصلہ ہوا اور زمین کی تلاش اور انتخاب کا سلسلہ لائل پوری احباب بالخصوص محمد اسحاق صاحب اور مولانا عبیداللہ احرار کے سپرد کیا گیا، لیکن احباب جانتے ہیں کہ لائل پور کے قرب و جوار میں زمین کا حصول کتنا مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کام میں بھی کافی وقت لگا۔ بالآخر یہ احبابِ لائل پور سمندری روڈ پر زمین تلاش کرنے میں کامیاب ہوئے۔

زمین کی اطلاع ملتے ہی مورخہ ۱۱۔ ۹۔ ۱۹۵۵ء کو صدرِ محترم مولانا سید داود غزنوی اپنے متعدد رفقاء کی معیت میں لائل پور تشریف لے گئے اور زمین کو ملاحظہ فرمایا اور اس زمین کو ہر لحاظ سے جامعہ سلفیہ کے لیے موزوں پایا۔

یہ زمین ملک خضر حیات خاں کی ہے۔ لائل پور سے واپسی پر صدرِ محترم نے براہِ راست ملک صاحب سے ملنا پسند کیا۔ ملک صاحب پاکستان سے باہر گئے ہوئے تھے، اس لیے ان کی انتظار ناگزیر تھی۔ دلال کی معرفت اگرچہ قیمت کا اندازہ ہو ہی چکا تھا، تاہم ملک صاحب سے ملاقات ضروری خیال کی گئی۔ ان کی آمد پر صدرِ محترم چند احباب کی معیت میں ان سے ملے، لیکن افسوس کہ ہم جس قدر جامعہ سلفیہ کے قیام اور اس کے لیے زمین خریدنے میں بے تاب تھے، ملک صاحب اپنے مفاد کے پیشِ نظر زمین فروخت کرنے میں اتنا ہی التوا چاہتے تھے۔

مذکورہ زمین کی قیمت جس کا تخمینہ سوا لاکھ روپے کے قریب تھا، اگرچہ ہمارے وسائل سے بہت زیادہ تھی، تاہم صدرِ محترم کے ارشاد پر لائل پور کی جماعت نے چالیس ہزار اور لاہور شہر کی جماعت نے پچیس ہزار روپیہ جمع کرنے کا وعدہ اور اعلان کر دیا اور باقی رقم کی فراہمی کے لیے صدرِ محترم نے مورخہ ۱۸۔ ۹۔ ۱۹۵۵ء کو مجلسِ عاملہ کا اجلاس بلا لیا۔ مجلسِ عاملہ نے اس تمام کارروائی کی توثیق کرتے ہوئے باقی رقم تمام اَضلاع پر تقسیم کرتے ہوئے جلد از جلد اس کی ادائیگی کے عزم کا اعلان کیا۔

لیکن کسے معلوم تھا کہ پنجاب میں ہولناک اور قیامت خیز سیلاب آنے والا ہے۔ مجلسِ عاملہ کے اراکین پورے عزم سے اپنے اپنے اَضلاع میں رقوم جمع کرنے کے لیے کانفرنس کا پروگرام ہی بنا رہے تھے کہ سیلاب نے صورتِ حال ہی بدل دی اور پنجاب کا $\frac{2}{3}$ حصہ اس کی تباہ کاری کا شکار ہو گیا اور مرکزی جمعیت نے مصیبت زدگانِ سیلاب کی اِعانت کو سب سے اہم اور ضروری خیال کرتے ہوئے

اپنی تمام تر توجہات اس محاذ پر مرکوز کر دیں اور اپنی پوری قوت سے سیلاب زدگان کی امداد کی اور پورے تین ماہ ہم کسی دوسری طرف دھیان نہ دے سکے۔

سیلاب زدگان کی اِعانت کا کام ختم کرتے ہی ہم نے جامعہ سلفیہ کے مسئلے پر ازسرِنو سوچ بچار کیا تو ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگرچہ ہم اب اس پوزیشن میں نہیں کہ مجلسِ عاملہ منعقدہ ۱۸۔ ۹۔ ۱۹۵۵ء کے فیصلے کے مطابق دو مربع زمین خرید سکیں، لیکن جامعہ سلفیہ کے قیام میں مزید تاخیر کسی صورت بھی مستحسن نہیں۔ ان حالات میں یہ معاملہ پھر مجلسِ عاملہ منعقدہ ۱۵۔ ۱۔ ۱۹۵۶ء میں پیش کیا گیا۔

مجلسِ عاملہ نے حالات کا گہرا جائزہ لینے کے بعد فیصلہ کیا کہ دو مربع زمین خریدنے کا منصوبہ اور اسے عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی جائے، لیکن سرِدست اسی زمین پر جہاں سنگِ بنیاد نصب کیا گیا تھا، ایک مختصر اور سادہ عمارت تعمیر کر کے رمضان المبارک کے بعد تعلیمی کام شروع کر دیا جائے۔

مجلسِ عاملہ نے اسی اجلاس میں مولانا عطاء اللہ صاحب حنیف اور مولانا معین الدین صاحب لکھوی اور مجھ پر مشتمل سب کمیٹی کی تشکیل کی کہ ہم سب اولین فرصت میں لائل پور جائیں اور زمین کے مالکان کو مل کر زمین کے دونوں ٹکڑوں کو ایک ساتھ کرنے اور انتقال کرانے کے مسائل پر گفت و شنید کریں۔ ہم تینوں لائل پوری اراکینِ جمعیت سمیت ۲۱/ جنوری کو لائل پور سے مالکانِ زمین سے گفتگو کر کے واپس آئے ہیں اور آخری گفت و شنید مولانا محمد اسحاق، مولانا محمد صدیق صاحب اور مولانا عبدالواحد صاحب کر رہے ہیں۔

اُمید ہے کہ چند دنوں تک یہ سب مراحل طے ہو جائیں گے اور اس کے بعد فوراً ہی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ مرکزی راہنما اور مجلسِ عاملہ کے اراکین کی زبردست خواہش ہے کہ یہ سب کام رمضان شریف تک سرانجام ہو سکیں اور رمضان شریف کے بعد نئے تعلیمی سال سے جامعہ سلفیہ میں تعلیمی کام کا آغاز کر دیا جائے۔ وَأُفَوِّضُ أَمْرِيْ إِلَى اللّٰهِ.[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۷/ جنوری ۱۹۵۶ء)

جامعہ سلفیہ کا تعلیمی پروگرام

''الاعتصام'' ۲۷؍جنوری میں جامعہ سلفیہ کے سلسلے میں اعلان کیا گیا تھا کہ مجلسِ عاملہ نے تین ارکان پر مشتمل سب کمیٹی کو جامعہ سلفیہ کے لیے وقف شدہ زمین کے دو الگ الگ ٹکڑوں کو ایک ساتھ کرانے اور مرکزی جمعیت کے نام انتقال کرانے کے لیے زمین کے مالکان سے آخری گفت وشنید کے لیے منتخب کیا ہے۔ امید ہے کہ چند دنوں تک یہ سب مراحل طے ہو جائیں گے اور اس کے بعد فوراً ہی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ مرکزی راہنما اور مجلسِ عاملہ کے اراکین کی زبردست خواہش ہے کہ یہ سب کام رمضان شریف تک سرانجام پا سکیں تو رمضان شریف کے بعد نئے تعلیمی سال سے جامعہ سلفیہ میں تعلیمی کام کا آغاز کر دیا جائے۔

اگرچہ ہم بعض اہم مجبوریوں کی وجہ سے تاحال جامعہ سلفیہ والی زمین پر کوئی عمارت شروع نہیں کر سکے، تاہم ہمارا قطعی پروگرام ہے کہ رمضان المبارک کے بعد تعلیم کا آغاز کر دیا جائے اور تعلیمی کام کو جامعہ کی تعمیر تک معرضِ التوا میں نہ رکھا جائے، کیوں کہ جماعت میں علماء کا قحط روز بروز بڑھ رہا ہے اور جماعت کو اپنی ضروریات کے مطابق علماء دستیاب نہیں ہو رہے۔ مشرقی پنجاب میں بیسیوں علماء کی شہادت کے بعد گذشتہ آٹھ سال میں متعدد جید علماء اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں اور جو بقیدِ حیات ہیں، وہ بھی چراغِ سحری ہیں، اور اگر فوری طور پر اس طرف توجہ نہ کی گئی تو ہم اتنے شدید علمی بحران میں دوچار ہوں گے جس سے عہدہ برآ ہونا ہمارے بس میں نہ ہوگا۔

درجۂ تکمیل:

ان حالات میں ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تعلیمی کام کا فوراً آغاز کیا جائے اور سرِدست ایک تو درجۂ تکمیل کا اجراء کیا جائے، تاکہ مختلف مدارس کے فارغ التحصیل ذہین اور ہونہار طلبہ کو داخل کر کے قابل اساتذہ سے ان کی تعلیمی کمی کو پورا کیا جائے۔ ہم نے یہ راستہ اس لیے اختیار کیا ہے کہ قلیل مدت میں جید علماء کی ایک معقول جماعت تیار کی جا سکے اور تیار شدہ علماء کا یہ گروہ جماعت کی تعلیمی اور تبلیغی ضروریات کے لیے کفیل ہو سکے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے ذہین طلبہ کو باقاعدہ وظیفہ دیا جائے،

تا کہ یہ طلبہ اپنی ضروریات سے بے نیاز ہو کر پوری محنت سے اپنی تعلیم مکمل کر سکیں۔ ہم نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ درجۂ تکمیل کے علاوہ ایک جماعت درجۂ تخصص بھی جاری کر دی جائے، تا کہ دینیات، ادب و تاریخ اور علومِ آلیہ کے ماہر اور خصوصی عالم تیار کیے جا سکیں۔

درجۂ تخصص:

درجۂ تخصص میں سرِدست یہ درجات پیشِ نظر ہیں:

اول: درجۂ تخصص دینیات جس میں ذیل کے مضامین پڑھائے جائیں گے:

1 علومِ قرآن: تفسیر، اصولِ تفسیر، تاریخ جمع قرآن، تاریخ رجالِ قرآن، جغرافیہ ارض القرآن اور اعجاز القرآن۔

2 علومِ حدیث: حدیث، اصولِ حدیث، تاریخ جمع و تدوینِ حدیث اور تاریخِ حدیث۔ اس کے ساتھ ساتھ فتویٰ نویسی کی مشق۔

3 علومِ فقہیہ: فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ فقہ اسلامی، فقہ ائمہ اربعہ کا مطالعہ، اسلامی قانون اور رائج الوقت قوانین کی اہم دفعات کا مقابلہ، اجنبی ممالک کے دساتیر سے دستورِ اسلامی کا مقابلہ، اسلام کے اقتصادی قوانین کا دنیا میں رائج نظام ہائے اقتصادی سے مقابلہ۔

4 علمِ تصوف: اسلامی تصوف کو عجمی تصوف یا رہبانیت سے ممتاز کرنا اور صلحائے سلف کے مختلف طرق ہائے تزکیۂ نفس اور اصلاحِ قلب سے واقفیت۔

5 علمِ کلام: مباحثِ توحید، مباحثِ نبوت و رسالت، علومِ نبویہ اور عقلِ سلیم میں تطابق، تاریخِ علمِ کلام اور متکلمین کے مختلف مکاتیبِ فکر سے واقفیت اور غیر مسلم اقوام کے اختلاط سے اسلام میں جو بدعات داخل ہو گئی ہیں، ان کی نشان دہی۔

دوم: درجۂ تخصص ادب۔ اس میں عربی ادب کی بلند پایہ نظم و نثر، تاریخ لغتِ عرب، تاریخ الخطابت (جاہلیت اور اسلام میں) اس میں تاریخ مشاہیر خطبائے عرب بھی شامل ہو گی۔

علومِ معانی و بلاغت، اس انداز میں پڑھانا جس سے کلام اللہ (قرآن مجید) اور کلام الرسول (احادیثِ نبویہ) میں علومِ معانی و بلاغت کے قوانین کا اجراء ہو سکے۔ اس کے علاوہ اس درجے میں تاریخِ اسلامی کی تعلیم دی جائے گی جس میں تاریخِ دولِ اسلامیہ اور تاریخِ اشاعتِ مذہبِ اسلام بھی

شامل ہوں گی۔

سوم: درجہ تخصص علومِ آلیہ۔ اس میں منطق و فلسفہ اور علمِ ہیئت کی اس طرح تعلیم دی جائے گی کہ جدید علمِ ہیئت اور منطق و فلسفے کے جدید نظریات سے طلبہ کو واقفیت حاصل ہو۔

استدعا:

آخر میں جماعت اہلِ حدیث کے دینی مدارس کے اساتذۂ کرام اور مہتمم حضرات اور جماعت کے معزز حضرات سے درخواست کی جاتی ہے کہ ان کے مدارس کے جو طلبہ فارغ ہو چکے ہیں، یا اس سال فارغ ہونے والے ہوں، انھیں جامعہ سلفیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے ترغیب دیں، تاکہ جس قدر جلد ممکن ہو، جید علماء کی ایک معقول تعداد تیار ہو اور جماعت کی تعلیمی اور تبلیغی ضروریات باحسن وجوہ پوری ہو سکیں۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور

جامعہ سلفیہ کے تعلیمی پروگرام کا آغاز

خدا کا شکر ہے کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث ایک سال کی جدوجہد کے بعد اس لائق ہو پائی ہے کہ جامعہ سلفیہ کی عظیم الشان سکیم کے پروان چڑھنے کا مژدۂ جانفزا سنا سکے۔ جمعیت نے لائل پور میں پہلے پہل ''جامعہ سلفیہ'' کے منصوبے کا اعلان کیا اور وہیں اس کا سنگِ بنیاد رکھ دیا۔ مگر اس منصوبے کی تکمیل کے سلسلے میں ایک بڑی رُکاوٹ یہ سدِّ راہ تھی کہ جن حضرات نے جامعہ سلفیہ کے لیے زمین وقف کی، ان کی وقف شدہ زمین کے دو ٹکڑے باہم متصل نہ تھے، بلکہ کچھ فاصلے پر تھے۔ کئی ماہ کی دوڑ دھوپ کے بعد درمیانی ٹکڑے کے مالک سے تبادلہ کر کے جامعہ سلفیہ کی زمین کو باہم ملانے میں بحمد اللہ کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کے بعد کاغذاتِ مال میں جمعیت کے نام زمین داخل خارج کرانے میں بھی کئی ماہ صَرف ہو گئے۔

آج ہم اپنے قارئین کو یہ خوش خبری سنانے کے قابل ہوئے ہیں کہ کاغذاتِ مال میں زمین انجمن اہلِ حدیث لائل پور کے نام داخل خارج ہو گئی ہے، لیکن تحصیل دار کے سامنے ابھی تک وقف زمین کے مالکوں اور متبادل زمین کے مالکوں اور دیگر وارثوں کے بیان نہیں ہوئے۔ جونہی تحصیل دار صاحب کی تصدیق ہو گئی، موقوفہ زمین میں ان شاء اللہ تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی مرکزی جمعیت کے اکابر نے جامعہ سلفیہ کی زمین کے قریب کے بھٹہ کے مالک جناب میاں مولا بخش صاحب مالک نشاط ٹیکسٹائل ملز سے درخواست کی ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو، ہمیں جامعہ سلفیہ کی تعمیر کے لیے بیس لاکھ اینٹ تیار کر دی جائے اور اس کام کے لیے مولانا عبید اللہ احرار ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث شہر لائل پور اور مولانا عبدالواحد صاحب امام جامع اہلِ حدیث لائل پور کو متعین کیا گیا ہے کہ وہ جلد سے جلد اینٹیں حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

تعلیمی پروگرام:

جامعہ سلفیہ کی تعمیر کا مسئلہ ظاہر ہے کہ ابھی وقت چاہتا ہے۔ وہ دو سال میں تیار ہو یا تین سال

میں، اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس منعقدہ ۷ارمئی میں صدرِ محترم نے اپنے اس عزم کا نہایت بلیغ اور موثر انداز میں اظہار کیا کہ جامعہ سلفیہ کی تعمیر کی تکمیل تک ہم تعلیمی پروگرام کو ملتوی نہیں کر سکتے، اس لیے تعلیم و تربیت کے منصوبے کا جلد از جلد آغاز کر دیا جائے اور کسی نوع کی تاخیر و التوا نہ کی جائے۔ تعلیم و تربیت کے سلسلے میں صدرِ محترم نے جید اساتذہ کے حصول کی راہ میں مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''اس عصرِ انحطاط اور قحط الرجال کے عالم میں بھی ہمارے ہاں ایسی شخصیتیں موجود ہیں کہ جن پر خود علم و فضل ناز کر سکتا ہے، مگر یہ سب حضرات اپنے اپنے حلقوں اور دائروں میں اس طرح برسوں سے درس و تدریس کا کام انجام دے رہے ہیں کہ ان کو مجبور کر کے لائل پور بھیج دینے میں مجھے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ان مشکلات کے باوجود میں یہ عزم کر چکا ہوں کہ جس طرح بھی ہو، جامعہ سلفیہ کا تعلیمی پروگرام شروع کر دیا جائے۔''

ان حالات کی روشنی میں مجلسِ عاملہ نے یہ فیصلہ کیا کہ سرِدست اعلیٰ درجے کے مدرسین کی ایک کھیپ تیار کی جائے جو ہماری تمام تعلیمی اور تدریسی ضروریات کی باحسن وجہ کفیل اور ضامن ہو۔ اگر سرِدست ہم لائل پور کے لیے جید اساتذہ کی خدمات حاصل نہیں کر سکے تو لاہور جو خود اہلِ علم کا مرکز ہے اور یہاں کچھ مقتدر ہستیاں ایسی ہیں جو اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اگر چاہیں تو جامعہ کے تعلیمی پروگرام کی تکمیل کے لیے وقت نکال سکتی ہیں۔ یہاں دار العلوم تقویۃ الاسلام کا بہت بڑا کتب خانہ اور دوسری لائبریریاں بھی ہیں، یہاں علمی فضا بھی ہے اور ایسا ماحول بھی جس سے ذہنوں کو جلا اور روشنی حاصل ہو سکتی ہے۔ چناں چہ طے پایا کہ سرِدست دو تین سال تک جامعہ سلفیہ کی تعلیمی اور تدریسی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے یہاں علماء کی ایک ایسی جماعت تیار کی جائے جو اپنا تعلیمی و تربیتی نصاب پورا کرنے کے بعد لائل پور میں تعلیم و تدریس کا کام باقاعدہ سنبھال سکے۔

جامعہ سلفیہ کی اس جماعت (درجۂ تکمیل) میں تعلیم و تدریس کا معیار کیا ہوگا، اس کی تفصیلات تو آپ کو ''الاعتصام'' کی آیندہ اشاعت سے معلوم ہوں گی، مگر اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ علومِ قرآنی کی تعلیم کی ذمے داری مولانا سید داود غزنوی نے بنفسِ نفیس قبول فرما لی ہے۔ علومِ حدیث کے لیے مولانا عطاء اللہ حنیف کی خدمات حاصل کی گئی ہیں اور مجھ راقم الحروف نے بھی اس باب میں

اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ ادبیاتِ عربی کی تکمیل کے لیے مولانا محمد حنیف ندوی نے اپنی خدمات سے جامعہ کو نوازا ہے۔ دوسرے علومِ منطق و فلسفہ اور علمِ کلام وغیرہ کے لیے مولانا شریف اللہ (سابق صدر مدرس دارالعلوم فتح پور، دہلی) کے وسیع تعلیمی تجربے سے استفادے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ جامعہ سلفیہ میں چوں کہ ہمیں منتہی طلبہ کو لینا ہے اور ان فنون کی تکمیل کرانا ہے جو وہ پوری طرح حاصل نہیں کر سکے، اس لیے ایسے پارٹ ٹائم لیکچراروں کا بھی انتظام کیا جا رہا ہے جو طلبہ کے جنرل نالج (معلوماتِ عامہ) میں اضافہ کریں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ یہ تعلیم و تدریس ایسے اہم فریضے سے پوری ذمے داری سے عہدہ برآ ہوسکیں۔ ایک ایسے عرب مدرس کا انتظام بھی کیا جا رہا ہے جو عربی زبان میں تقریر اور تحریر کی اعلیٰ پیمانے پر مشق کرائیں، تاکہ جامعہ سلفیہ کے فارغ طلبہ آج کی مروجہ زبان عربی میں لکھنے اور بولنے کے قابل ہوں۔

طلبہ کا داخلہ:

ایسے محنتی اور ذہین طلبہ جو جامعہ سلفیہ کے درجۂ تکمیل میں داخل ہونا چاہیں، انھیں بہت جلد اپنی درخواستیں مرکزی جمعیت کے دفتر میں بھیج دینی چاہییں، تاکہ انھیں امتحان کے بعد جامعہ سلفیہ کی اس کلاس میں داخل کیا جائے۔ طلبہ کو تین سال کے لیے یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو صَرف کرنا ہوگا۔ جماعت کی طرف سے ان طلبہ کو حسبِ استعداد اور ان کی ضرورت کے پیشِ نظر وظائف دیے جائیں گے اور کوشش کی جائے گی کہ ان کے ذہن وفکر کی تربیت کے لیے ایسی سازگار آب و ہوا پیدا کی جائے جو ہر لحاظ سے ضروری اور موزوں ہو۔

اس سلسلے میں علمائے کرام سے درخواست ہے کہ وہ فارغ طلبہ یا اس سال فارغ ہونے والوں کو جامعہ سلفیہ کے درجۂ تکمیل میں تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیں، تاکہ ہم منتخب طلبہ میں سے جید علماء کی ایک معقول تعداد تیار کر سکیں۔

اہلِ خیر سے اپیل:

ہم ان تمام مخیّر حضرات سے جو دینی علوم کی ترویج کا جذبۂ صادق اپنے دل میں رکھتے ہیں، اپیل کرتے ہیں کہ وہ فراخ دلی کے ساتھ جمعیت کا ہاتھ بٹائیں اور کم از کم مالی پریشانیوں سے جمعیت کو دوچار نہ ہونے دیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مساعی کو قبول فرمائے اور ان کاموں کی انجام دہی کی توفیق بخشے![1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۵ رمئی ۱۹۵۶ء)

جامعہ سلفیہ میں کچھ لمحے

اپنی ذمے داری کے لحاظ سے تقریباً ۱۵/شوال کو مجھے جامعہ سلفیہ پہنچ جانا چاہیے تھا، مگر آغاز شوال ہی میں طبیعت کچھ اس طرح خراب ہوئی کہ سارے پروگرام ملتوی ہو گئے۔ ۲۰/شوال کے بعد کچھ افاقہ ہوا۔ خیال تھا کہ وزیر آباد سے ہو کر ۲۵/شوال تک جامعہ پہنچوں گا۔ مہتمم جامعہ کئی دفعہ بلا چکے تھے۔ ۲۳/شوال رات کو مولانا محمد اسحاق صاحب مہتمم جامعہ کا تار آیا۔ مَیں باقی پروگرام منسوخ کر کے صبح ۵ بجے کی بس سے ۱۰ بجے کے قریب جامعہ میں پہنچ گیا۔

بحمد اللہ جامعہ کی رونق قابلِ رشک ہے۔ طلبہ کی تعداد سو سے اوپر ہو رہی ہے اور ابھی تانتا بندھا ہوا ہے۔ سارے مغربی پاکستان کے علاوہ مشرقی پاکستان اور بلتستان سے بھی طلبہ کی خاصی تعداد پہنچ چکی ہے۔ اساتذہ اپنے اپنے کمروں میں مشغول تھے۔

جامعہ کی فضا امسال بہت اچھی ہے۔ سبزی کی حالت بحمد اللہ اچھی ہے۔ امسال امید ہے کہ سبزی کے لیے جامعہ کی اپنی فصل کفایت کرے گی۔ جامعہ کا باغ سرسبز ہے۔ جامعہ کے کنویں کا پانی غسل اور کھیتی وغیرہ کے لیے کافی ہے اور اس گرم موسم میں لائل پور ایسے شہر میں بسا غنیمت ہے۔

اساتذہ:

امسال قابل اساتذہ کا اجتماع جامعہ کے مستقبل کے لیے نیک فال ہے۔ شیخ الجامعہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ مولانا شریف اللہ صاحب اپنی اخلاقی رفعت، محنت، طلبہ کے ساتھ محبت کے لحاظ سے بے نظیر شخصیت ہیں۔ مولانا عبدالغفار حسن صاحب اسی سال جامعہ میں تشریف لائے ہیں۔ مولانا کی متانت، خلوص اور تعلیمی تجربہ اور انہماک؛ امید ہے طلبہ کی زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دے گا۔ مولانا عبداللطیف صاحب سمندری میں اقامت کی وجہ سے علاقے میں متعارف اور ہردلعزیز ہیں۔ آپ کا وجود جامعہ کے لیے ان شاء اللہ خیر و برکت کا موجب ہو گا۔

احبابِ لائل پور

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ مولانا محمد اسحاق (مہتمم جامعہ) مولانا عبیداللہ احرار (ناظمِ تعمیرات) مولانا محمد یعقوب صاحب بن مولانا خیر محمد صاحب مرحوم بھانبڑی جامعہ میں تشریف لائے، یہ تینوں حضرات لائل پور کے اچھے کاروباری ہیں۔ جامعہ کے کام میں جستہ اور وقت اور روپیہ صَرف فرماتے ہیں۔ کَثَّرَ اللّٰہُ أَمْثَالَھُمْ. ان کے علاوہ بہت سے رفقاء لائل پور میں جامعہ کی خدمات کو سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں۔ اس وقت دوپہر ہو چکی تھی، بعض ضروری امور کے متعلق مشورے کے بعد خیال تھا، تھوڑی دیر آرام کریں، لیکن ظہر کی اذان ہو گئی۔

جامعہ اور مسجد:

ہمارے ذہن میں جامعہ کا نقشہ چار اہم حصوں پر مشتمل ہے: دفاتر، ہال و رہایش گاہ، مسجد اور اساتذہ کے مکانات۔ معلوم ہے کہ اس منصوبے پر لاکھوں روپیہ صَرف ہو گا اور معلوم نہیں کتنی دیر میں تکمیل تک پہنچے، لیکن اس وقت مسجد نہ ہونے کی وجہ سے بے حد تکلیف ہے۔ گرمی میں ظہر، عصر اور سردی میں عشاء اور صبح کی نمازوں کے لیے بے حد دقت ہوتی ہے۔ نماز کے لیے کوئی موزوں جگہ نہیں۔ موجود کمرے طلبہ کی رہایش کے لیے بھی کم ہیں۔ اس وقت اساتذہ و طلبہ اس مختصر سی عمارت میں گزر کر رہے ہیں۔ رہایش، نماز اور اسباق؛ سب ان پندروں کمروں میں ہو رہے ہیں۔ یقیناً ان حضرات کا یہ ایثار آنے والے دَور کے لیے ایک مثالی دَور ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو جزائے خیر دے۔

مسجد کی تعمیر اور اس کے اسباب پر غور کرنے میں احباب پر زور دیا کہ آپ اس میں پہلے قدم اُٹھائیں، چناں چہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کی تعمیر میں جس قدر ریت اور بجری صَرف ہو، وہ مولانا عبیداللہ صاحب عنایت فرمائیں گے۔ جس قدر سیمنٹ خرچ ہو، وہ مولانا محمد یعقوب صاحب مرحمت فرمائیں گے۔ لکڑی کی پوری ذمے داری مولانا محمد اسحاق صاحب نے اُٹھائی۔ مجھے یقین ہے کہ اینٹوں کی کفالت صاحب الجود مولانا فضل الحق صاحب کا بھٹہ کرے گا۔ لیبر اور لوہے کے مصارف گوجرانوالہ، سیالکوٹ اور سرگودھا کے غرباء اور مساکین اٹھائیں گے۔ اس کے لیے کوشش میرا ذمہ ہو گا۔ ان شاء اللہ

جامعہ کا نقشہ:

جامعہ کے نقشے کی تکمیل کے لیے کچھ مزید زمین کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے رفیقِ محترم

حاجی محمد اسحاق صاحب (گلوب فیکٹری والے) سے بہتر کوئی آدمی نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ حاجی ظہور الٰہی صاحب اور شیخ عمرالدین صاحب تاجر چرم سیالکوٹ ان کے لیے تعاون فرمائیں گے۔

امید ہے کہ یہ مخلص رفقاء میری گزارش کو قبول فرما کر جماعت کو ممنون فرمائیں گے اور مسجد کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنا کر اپنے لیے باقیاتِ صالحات کا ذریعہ بنائیں گے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۵/مئی ۱۹۵۹ء)

جامعہ سلفیہ لائل پور

جامعہ سلفیہ کا منصوبہ شروع کرتے وقت اس راہ کی بہت سی مشکلات کا علم تھا۔ تجربے سے مزید مشکلات کا بھی علم ہوا ہے۔ دنیا میں کون سا کام ہے جس میں مشکلات نہیں؟ جو لوگ جامعہ کے نظام کو چلا رہے ہیں، وہ اِجمالاً ان دقتوں سے آگاہ ہیں۔ اس لیے کسی مایوسی کے بغیر بحمد اللہ کام چل رہا ہے۔ گرانی کی وجہ سے اخراجات میں خلافِ اُمید اضافہ ہوا ہے۔ مشاہرات پر گرانی کا اثر ہے۔ احباب کی توجہ اور تعاون سے پھر بھی بحمد اللہ کام بڑھ رہا ہے۔ امسال ان مشکلات کے باوجود چالیس ہزار سے ایک ایکڑ زمین کا مزید سودا کر لیا گیا ہے۔ اربابِ خیر کی توجہ سے اُمید ہے کہ یہ رقم بھی فراہم ہو جائے گی۔

گزشتہ سال جب حکومت نے پتوکی کانفرنس روک دی، آپ کے خادم بے حد متفکر تھے کہ وقت کیسے گزرے گا؟ ساٹھ ستر ہزار کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ سارے ذمے دار حضرات اس وقت بیم و رجا میں وقت گزار رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوستوں نے یہ مرحلہ بھی خاموشی سے طے کر لیا۔ آج سال گزر رہا ہے اور شکر ہے نہ جامعہ مقروض ہے نہ زیرِ بار۔ یقیناً ہم جمع نہیں کر سکے، لیکن اس کا احسان ہے، سال اِتمام تک پہنچ گیا اور ہمیں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی۔

اس وقت جامعہ کا سب سے اہم مرحلہ جامعہ کی عمارت ہے۔ گرانی کے اس دَور میں اس کے لیے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے اور یہ اَحباب کی پوری اور صحیح توجہ ہی سے اِتمام تک پہنچ سکتی ہے۔ جامعہ کی تاسیس کے وقت محترم حاجی مولا بخش صاحب چنیوٹی نے جامعہ کے متعلق بہت ہی سہارا دیا اور سچ یہ ہے کہ لائل پور میں جامعہ کی تعمیر اور تاسیس کا ایک اہم سبب مرحوم حاجی مولا بخش صاحب کی حوصلہ افزائی اور ان کے پُر امید مواعید تھے۔ مرحوم کا وعدہ تھا، جامعہ پر جتنی اینٹ خرچ ہو، وہ اصلی لاگت پر (جو اس وقت ۱۸ روپیا ہزار تھی) جامعہ کو عنایت فرمائیں گے۔ جامعہ کی چار دیواری اپنے مصارف سے بنائیں گے۔ سالانہ دو ہزار روپے عنایت فرمائیں گے۔ چناں چہ پہلی قسط دو ہزار لائل پور کانفرنس

میں انھوں نے عنایت فرما دی۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً مرحوم کی طرف سے جامعہ کی اعانت ہوتی رہی۔

اب مرحوم حاجی صاحب اللہ کو پیارے ہو چکے۔ ان کے لڑکے دولت مند ہیں۔ ان کے وسیع کاروبار ہیں۔ نشاط مل حاجی صاحب کی زندہ یادگار ہے۔ اگر وہ ان فقراء کی جھونپڑیوں کو عظیم الشان عمارت کی صورت دینا چاہیں، ان کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ اگر ایسا نہ ہو سکے تو تمام اہلِ توحید و سنت کا فرض ہے کہ وہ جامعہ کی تعمیر کو تکمیل تک پہنچائیں۔

محترم حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف اور میاں عبدالمجید صاحب کی تجویز تھی کہ پندرہ بیس دوست چار چار ہزار روپیہ سالانہ عنایت فرما کر تعلیمی اخراجات کی بہت سی ضرورت کو پورا کر دیں۔ گذشتہ سال اسی قسم کی جرأت مندانہ اعانت سے ساٹھ ستر ہزار روپے کے اخراجات پورے ہوئے۔

رجب اور رمضان:

اب صدقات کے مہینے آ رہے ہیں۔ احباب تھوڑی سی توجہ فرما دیں تو تعلیم کے علاوہ ایک لاکھ روپیا سالانہ بھی ہم عمارت پر خرچ کر دیں تو چند سالوں میں بقدرِ ضرورت عمارت بن سکتی ہے۔ یہ گزارشات اسی مقصد کے لیے کی جا رہی ہیں کہ اواخر رمضان تک تعلیم کے علاوہ تعمیر فنڈ کے لیے کم سے کم ایک لاکھ روپیا جمع ہو جانا چاہیے۔

سب سے بہتر تجویز یہ ہے کہ شہری اور اَضلاع کی جماعتیں عمارت کے مختلف حصے اپنے ذمے لے لیں اور بتدریج ان کی تکمیل کرا دیں۔ اس سے منتظمینِ جامعہ کا بہت سا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ محترم الحاج شیخ عبدالوہاب نے مسجد کا ذمہ لے لیا ہے۔ اسی طرح اور اصحابِ ثروت دار الحدیث ہال، دار المطالعہ، اساتذہ کے مکانات، دار الصنعہ کے حصص، اپنے ذمے لے کر جامعہ کو مستغنی فرمائیں تو ان کا احسان ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا موجب، اور ہم حساب و کتاب کی جواب دہی سے بچ جائیں گے۔

تربیت:

جامعہ کے متعلق اَحباب کے خطوط اور زبانی اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ طلبہ کے اخلاقی احتساب کی بے حد ضرورت ہے۔ طلبہ کی باہم آویزش، گفتگو میں بے اعتدالی، آدابِ تلمذ سے بے اعتنائی، اسے کتنا ہی معمولی سمجھا جائے، یہ اخلاقی نقص ہے جس کی اصلاح ہمارا فرض ہے۔ پرانے دینی مدارس میں یہ ضرورت اساتذہ کے حسنِ اخلاق اور تقوے سے خود بہ خود پوری ہو جاتی تھی۔ اساتذہ کا تقدس،

ہمدردی اور حسنِ اخلاق ایک ایسا موثر ذریعہ ہوتا تھا کہ ہوسٹل سپرنٹنڈنٹ کی ہمارے مدارس میں کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں کی گئی۔

مگر اب طلبہ کی کثرت، اساتذہ کی تعلیمی مشغولیت، کچھ ماحول کی گندگی اور انگریزی مدارس کی تقلید کی وجہ سے طلبہ کی اخلاقی اَقدار اور اساتذہ کی مشفقانہ توجہات کم ہو گئی ہیں۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مدارس کی طرح جامعہ میں بھی اخلاقی احتساب کی آسامی خالی ہے اور اُسے پر کرنا ضروری ہے۔

ادارۂ اہتمام:

جامعہ میں اہتمام کی ذمے داری ایک آدمی پر نہیں، بلکہ یہ کام مولانا محمد صدیق، مولانا اسحاق، مولانا عبیداللہ صاحب احرار اور مولانا محمد یعقوب کے سپرد ہے۔ عمومی انتظام میں مولانا محمد اسحاق صاحب نے کافی وقت دیا اور ان کی مساعی قابلِ شکریہ ہیں، انھوں نے اَن تھک محنت کی۔

تقسیمِ کار کے اصول پر خیال تھا کہ اخلاقی احتساب کی ذمے داری مولانا محمد صدیق صاحب اپنے ذمے لے لیں گے، وہ لائل پور اہلِ حدیث جامع مسجد کے خطیب ہیں۔ مستند عالم ہیں، بہترین خطیب اور مناظر ہیں۔ ان کی موجودگی سے اخلاق کے علاوہ طلبہ اور بھی کئی قسم کے فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مولانا جامعہ کے لیے کوئی وقت نہیں نکال سکے۔ اب تو غالباً انتخابات کے جھمیلوں سے بھی ان کو چند دن سے دلچسپی نہیں۔ اگر فارغ وقت جامعہ کو دیں تو یہ دین کی ایک بہت بڑی خدمت ہو گی۔ اگر وہ ہماری گزارش کو شرفِ قبولیت نہ بخش سکیں تو بہر حال جامعہ سلفیہ کمیٹی کو اس اسامی کے لیے سوچنا پڑے گا۔ مالی حالات اچھے ہوں تو الاؤنس وغیرہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی بزرگ اس کے لیے اپنی خدمات پیش فرمائیں تو بہت ہی مبارک ہو گا۔ میری نظر میں دو تین بزرگ ہیں، وہ یہ کام بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔ غرض یہ ضرورت پیشِ نظر ہے جسے ان شاء اللہ پورا کیا جائے گا۔

ہمارے زکی الحس دوست:

جامعہ میں طلبہ کی تعداد عموماً سو سے اوپر ہوتی ہے۔ بچے مختلف مقامات سے آئے ہوتے ہیں، بلکہ مختلف ممالک سے، مشرقی بنگال اور بلتستان تک کے طلبہ موجود ہیں۔ پھر ان کا تعلق مختلف النوع کنبوں اور خاندانوں سے ہے، اس لیے ان کے عادات اور اَخلاق کا اختلاف لازمی ہے۔ ہمارے بیرونی دوست جامعہ جاتے ہیں تو وہ پہلے ہی سوچ لیتے ہیں کہ جامعہ شاید فرشتوں کی بستی ہو گی، وہاں

ملائکہ آباد ہیں، وہاں اَتقیاء کی جماعت اوراد و وظائف میں مشغول ہوگی۔ ان کا یہ حسنِ ظن قابلِ تعریف ہے، لیکن جامعہ نو آموز طلبہ اور ناتجربہ کار بچوں کا ایک مکتب ہے۔ وہاں لڑائی جھگڑا، شور ہنگامہ، اس کے علاوہ بیسیوں غلطیاں ممکن ہیں۔ اس لیے ہمارے زکی الحس حضرات کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے، بلکہ منتظمینِ جامعہ کو اپنے مفید مشوروں سے ممنون کرنا چاہیے۔ طعن و تشنیع کے بغیر اپنی رائے کا اظہار کرنا چاہیے۔ یہی نصیحت کا مفید طریقہ ہے۔

میں بعض اوقات اپنی ڈاک پڑھتا ہوں تو مجھے احباب کے ارشادات پر ہنسی آتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''میں جامعہ گیا، دو طالب علم لڑ رہے تھے، میں نے خود دیکھا، وہ عصر کے بعد کھیل رہے تھے۔ ایک اُستاد لیٹا ہوا تھا۔ طلبہ ہنس رہے تھے۔ یہ خاک اسلام کی خدمت کریں گے۔ بڑی مدت سے جامعہ کے متعلق سن رہے تھے، دیکھنے کا شوق تھا، لیکن دیکھ کر افسوس ہوا۔ خدا کے لیے قوم کا روپیہ برباد نہ کیجیے۔''

یہی حضرات سیدھی زبان سے مشورہ دیں تو ہم ان کے ممنون ہیں۔ ہماری خواہش ہے احباب اپنے مشوروں سے ہم پر نوازش فرمائیں، تاکہ ہم ان کی روشنی میں جامعہ کو بہتر بنا سکیں۔

ان کے اس لب و لہجے سے نقصان ہوتا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ لائل پور اور بعض دوسرے مقامات میں جامعہ اور جمعیت کی نفاق انگیز مخالفت ہوتی ہے۔ ان خطوط کو اسی نوع سے شمار کر کے انھیں ردی کی ٹوکری میں پھینک دیتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: «اَلْمُسْلِمُ مِرْآةُ الْمُسْلِمِ»[1] اگر احباب اپنے مشورے ناصحانہ انداز سے ارشاد فرمائیں تو ہم ان کے شکر گزار ہوں گے۔

غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب سے جمعیت اور جامعہ کی تاسیس عمل میں آئی، بحمد اللہ ہم آگے بڑھے ہیں، جماعت میں حرکت بھی ہے۔ جماعت کے وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اخلاص سے مخالفت بھی مفید ہو سکتی ہے اور نفاق آمیز نصیحت سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔[2]

---

[1] ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ''یحییٰ بن عبید اللہ'' کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (١٨٨٩) ضعيف الجامع، رقم الحديث (١٢٧٠٢) البتہ ان الفاظ «اَلْمُؤْمِنُ مِرْآةُ الْمُؤْمِنِ» کے ساتھ یہ روایت سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٩١٨) میں حسن سند کے ساتھ مروی ہے۔

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (١٦/ دسمبر ١٩٦٠ء)

جامعہ سلفیہ کا وفد سیالکوٹ میں

جامعہ سلفیہ کا وفد مشتمل بر صدر جمعیت ضلع گوجرانوالہ مولانا فضل الحق صاحب مالک چناب رائس ملز حافظ آباد، مولانا عبدالستار صاحب مالک ستارہ فیکٹری اور راقم الحروف صبح ۷ بجے مولانا فضل الحق صاحب کی کار سے سیالکوٹ پہنچے۔

احبابِ سیالکوٹ نے نہایت خلوص اور فراخ دلی سے وفد کے ساتھ تعاون فرمایا۔ سب سے پہلے حافظ محمد شریف صاحب مالک ونڈر کلاتھ ہاؤس ملے۔ اس کے بعد حاجی ظہور الٰہی صاحب، محمد شفیع صاحب سیٹھی، شیخ محمد نذیر صاحب اور مولانا محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات ہوئی۔

ان حضرات کی قیادت میں ہم سیالکوٹ کے احباب سے ملے۔ قریباً دو گھنٹے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مبلغ ۳۵۸ روپے کی رقم احبابِ سیالکوٹ نے مرحمت فرمائی، جس کی فہرست نیچے شائع ہو رہی ہے۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِيْ أَهْلِهِمْ وَمَالِهِمْ وَأَعْمَالِهِمْ.

سیٹھی صاحب اور میاں نذیر صاحب کے ہم ممنون ہیں کہ وہ پورا وقت وفد کے ساتھ رہے۔ ان کے وسیع رسوخ اور تعارف سے اللہ تعالیٰ نے کامیابی مرحمت فرمائی۔

حاجی ظہور الٰہی صاحب نے اپنی جیب خاص سے مبلغ ایک ہزار روپیہ مرحمت فرمایا۔ اس کے علاوہ جس قدر احباب نے وعدے فرمائے، حاجی صاحب نے وہ رقوم اپنی جیب سے اسی وقت نقد ادا فرما دیں۔ اس لیے حاجی صاحب کی بھرپور جیب بے حد مفید ثابت ہوئی۔ حاجی صاحب کی اخلاص بھری گفتگو بھی وفد کی کامیابی میں برابر کی حصے دار ہے۔

جامعہ کے مقاصد کی تقدیس کا یہ اثر تھا کہ کئی بریلوی دوستوں نے بھی کھلے دل سے اعانت فرمائی، حالاں کہ مسلک اہلِ حدیث سے انھیں چنداں اتفاق نہ تھا۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

یہ سوچ رہا ہوں کہ مولانا فضل الحق اور مولانا عبدالستار صاحب کا شکریہ میں ادا کروں یا وہ میرا شکریہ ادا کریں۔ بالآخر طبیعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ مجھے ہی ان کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان کی کار

جماعت کی کار کی طرح استعمال ہو رہی ہے۔ وہ حافظ آباد سے کراچی تک پھیلے ہوئے کاروبار کو چھوڑ کر ایک درویش صفت ساتھی کی طرح کام کر رہے ہیں۔

سیالکوٹ سے واپس ہوتے وقت وزیر آباد اپنے محترم دوست شیخ عبدالحمید صاحب کے پاس پہنچے، انھوں نے پانچ صد روپیہ اپنی جیب خاص سے مرحمت فرمایا اور وعدہ فرمایا کہ وہ جمعۃ المبارک تک مبلغ ایک ہزار روپیہ اور جماعت کو بھیجنے کی کوشش فرمائیں گے۔

اس ضمن میں ہم اپنے محترم بزرگ عمر الدین صاحب تاجر چرم کے پرخلوص برتاؤ سے بے حد متاثر ہوئے ہیں جنھوں نے گذشتہ سال بھی ایک ہزار روپیہ مرحمت فرمایا۔ اس دفعہ بھی پانچ صد روپیہ مرحمت فرمایا اور پانچ صد روپیہ عن قریب بھیجنے کا وعدہ فرمایا۔

عن قریب ارکانِ وفد کاموں کی منڈی اور حافظ آباد بھی پہنچیں گے۔ دونوں مقام کے احباب کو پہلے سے تیار رہنا چاہیے۔

آخر میں تمام احباب کو عموماً اور ارکانِ عاملہ اور شوریٰ کو خاص طور پر توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ کام کرنے سے ہوگا، آپ اپنی ذمے داریوں کو محسوس کریں۔

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ، یکے از ارکانِ وفد

فہرست رقوم:

آمدہ از جماعت اہلِ حدیث سیالکوٹ برائے جامعہ سلفیہ:

حاجی ظہور الٰہی صاحب	۱۰۰۰ روپیہ
الحاج شیخ عمر دین صاحب	۵۰۰ روپیہ
شیخ محمد نذیر صاحب	۵۰ روپیہ
شیخ عنایت اللہ صاحب سوداگر چرم	۱۰۰ روپیہ
شیخ فضل کریم صاحب سوداگر چرم	۱۰۰ روپیہ
حاجی شیخ جلال الدین صاحب سوداگر چرم	۲۰۰ روپیہ
شیخ عبدالمجید صاحب کپور اینڈ کمپنی	۱۰۰ روپیہ
شیخ غفوری حاجی اللہ دتہ صاحب رئیس	۲۰۰ روپیہ

شیخ محمد صدیق محمد انور صاحب	۲۰۰ روپیہ
چودھری فضل حسین صاحب سپرٹ ہاؤس	۲۰۰ روپیہ
حاجی محمد اسماعیل احمد کمپنی	۱۰۰ روپیہ
حاجی محمد حسین محمد سلیم سوت والے	۲۰۰ روپیہ
شیخ امام الدین صاحب	۵۰ روپیہ
شیخ محمد شفیع صاحب سیٹھی	۲۰۰ روپیہ
حاجی شیخ خدا بخش صاحب	۲۰۰ روپیہ
مولوی محمد اسماعیل صاحب حکیم خطیب جامع احمد پورہ	۱۰۰ روپیہ [1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۵/ مارچ ۱۹۶۰ء)

مدرسہ مرکزیہ اہلِ حدیث

جامعہ محمدیہ گوجرانوالہ کو مدرسہ مرکزیہ جماعت اہلِ حدیث پنجاب کی صورت میں منتقل ہوئے ڈیڑھ سال گزر رہا ہے۔ اس سے پہلے مدرسے کی یہ حالت تھی کہ عموماً ایک صدر مدرس اور دو مدرس تعلیم دیا کرتے تھے۔ طلبہ کی عام تعداد اٹھارہ بیس اور زیادہ سے زیادہ پچیس تک ہوا کرتی تھی۔ نظامِ اوقات اور ضروریاتِ مدرسہ و طلبہ کی طرف کما ینبغی توجہ نہیں کی جاتی تھی۔ اور جیسا کہ عام مساجد میں پرانے طریقِ تعلیم کا دستور ہے، تعلیم کا کام بطور ثواب جاری تھا۔ اس ڈیڑھ سال میں طلبہ کی تعداد چالیس سے زائد اور مدرسین کی چار تک رہی تھی۔ نظام اور نصاب میں اتنی ترمیم و اصلاح ہو چکی ہے کہ اب مدرسہ پنجاب و ہندوستان کے منظّم مذہبی مدارس کے بفضلہٖ تعالیٰ مساوی ہے اور اس قسم کے مدارس کی تمام خصوصیات اس میں موجود ہیں۔

طلبہ کی ضروریات مہیا کی جاتی ہیں۔ حاضری روزانہ، اصلاحِ تقریر و تحریر اور امتحان سہ ماہی و شش ماہی و سالانہ وغیرہ باقاعدہ تقریری و تحریری ہوتے ہیں۔ جمعیت تنظیم اہلِ حدیث صوبہ پنجاب کی طرف سے اس پر مبلغ پینتالیس روپیہ مشاہرہ مدرسین، اور مبلغ دس روپے ماہوار اخراجات طلبہ کی مد میں صَرف ہوتے ہیں اور باقی مصارف کی کفیل مقامی جماعت ہے۔ لیکن اس بنا پر کہ یہ مدرسہ ایسی جماعت کا ہے جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر زمانے کی ضروریات میں پیش روی و راہنمائی کا شرف بخشا ہے اور اس لحاظ سے کہ مدرسہ مذکور صوبہ کی جماعت اہلِ حدیث کے لیے تعلیمی و اصلاحی مرکز کا حکم رکھتا ہے، اس کا موجودہ مذہبی مدارس کا مرتبہ و حیثیت میں رہنا نہ ضروریاتِ وقتیہ پورا کرنے کے لیے کافی ہے نہ جماعت اور مسلمانوں کے لیے چنداں مفید۔ اور نہ جماعت اہلِ حدیث کے حقیقی مرتبہ و شان کے شایان ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مدرسہ کو اغراضِ تعلیم اور نصاب کے اعتبار سے اس بلند درجہ تک پہنچایا جائے کہ مقاصدِ بالا کے حصول کے علاوہ اس میں اصلاحی و تعلیمی نمونہ ہونے کی خصوصیات بھی نمایاں طریق پر موجود ہوں۔

مدرسہ مذکور اب تک حسبِ دستور دینی مدارس جامع اہلِ حدیث گوجرانوالہ میں تھا۔ طلبہ کے خور و نوش کا انتظام مختلف گھروں سے دونوں وقت روٹیاں لانا اور تقسیم کر کے کھانا تھا، اگرچہ حسبِ ضرورت کپڑا وغیرہ دیا جاتا تھا، لیکن اس میں کوئی باقاعدگی اور خصوصیت نہ تھی۔ طلبہ کی تفریح، ریاضتِ بدنیہ، اوقاتِ فارغہ کی حفاظت، بعد از تعلیم صورتِ معاش اور اوقات و افعال میں نظم و ضبط کے احساس کا کوئی انتظام نہ تھا، لیکن رمضان المبارک کے بعد تعلیم کا کام بجائے مسجد کے مدرسے کی اراضی میں جاری کیا جائے گا۔

طلبہ کی رہایش اور خور و نوش کا انتظام ایک ہی جگہ خود پکانے اور کھانے کا ہو گا، ان کی تفریح اور ورزش کا ضروریاتِ وقتیہ کے مطابق اور صنعت و حرفت کا حالاتِ زمانہ کے موافق بندوبست کیا جائے گا۔ ورزش اور صنعت کا انتخاب اور نصاب، نصابِ تعلیم کی طرح ماہرینِ فن کے مشورے سے کیا جائے گا۔ طلبہ کی تمام ضروریات ایک نظم و ضبط کے ماتحت صرف طلبہ ہی سے پوری کرائی جایا کریں گی اور محتاج کام بطورِ فن لکھ دیا جائے گا اور اس امر کی پوری کوشش کی جائے گی کہ کسی طالب علم کا ایک لمحہ بھی سلسلۂ ضبط و نظام سے باہر نہ رہے۔ اور مدرسہ فراغت و رخصت کے بعد بجز ذاتِ باری تعالیٰ کسی کا محتاج نہ ہو۔ بایں ہمہ سہولت و سادگی اس کا اصل الاصول ہو گی۔

آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے کس قدر سرمایہ اور آپ کی توجہ کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے کہ آپ میری معروضات کو تخیلات کا محل تصور فرمائیں اور اس کی تعمیر کے لیے کروڑوں کے خزانوں اور مشکلات کے پہاڑوں کا خیال آپ کی توجہ کو اس کی طرف دستِ اعانت نہ بڑھانے دے۔ لیکن میں نہایت ادب سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ نے اس رمضان المبارک میں اپنے مدرسے کی طرف معمولی سی توجہ بھی مبذول فرمائی اور صرف اتنا ذہن نشین فرما لیا کہ آپ کے ان بچوں کو مدرسے میں ہر اس چیز کی ضرورت ہے جو آپ کے گھر میں بے کار پڑی ہے۔ تو ان شاء اللہ سب مشکلیں طے ہو جائیں گی اور بفضلہٖ تعالیٰ آیندہ رمضان تک اپنے مقاصد کو بہت حد تک پورا ہوتا ملاحظہ فرمائیں گے۔

بے شک ان اغراض کے حصول کے لیے ہم بے حد کوشش سے بے شمار مشکلات پر غلبہ اور مدتِ دراز کی ضرورت سے بے نیاز ہو جائیں گے، لیکن جماعت اہلِ حدیث کا اخلاص و ایثار اور

قرآن و حدیث کی راہنمائی میں عمل ایسی چیزیں ہیں جو تمام کوششوں کا سرمایہ، مشکلات و مانعات کا تریاق، زمانے کی صدیوں کو سالوں، سالوں کو دنوں اور دنوں کو منٹوں میں تبدیل کر سکتی ہیں۔ اس لیے یہ یقینی ہے کہ اگر جماعت اہلِ حدیث پنجاب اس کی طرف معمولی سی توجہ بھی فرمائے تو دنوں میں مدرسہ مرکزیہ اور جمعیت تنظیم اپنی ہستی کو ممتاز و مخصوص درجہ تک پہنچا سکتی ہے اور اپنی کوتاہیوں، کمزوریوں اور نقائص کو جلد از جلد قوت و ہنر میں تبدیل کر کے دوسروں کے لیے نمونہ بن سکتی ہے۔

ہم مدرسے کے لیے آپ سے سیکڑوں یا ہزاروں کے خواہاں یا صرف سونا چاندی اور روپیہ کے طالب نہیں، بلکہ آپ سے صرف وہی چیز طلب کرتے ہیں جو آپ کے پاس موجود اور آپ کی ضرورت سے زائد ہو۔ مثلاً علم و ہنر، مشورہ، وقت، غلہ، کپڑا، لکڑی، تیل اور گھی وغیرہ وغیرہ میں سے جس چیز سے آپ اپنے بچوں کی اعانت فرما سکتے ہوں۔ ہم اسی کے طالب اور اس کے لیے بصدقِ دل سپاس گزار ہوں گے۔

ہماری نظر میں جو کا نصف سیر جو بہ خلوصِ نیت جماعت کے بچوں کے لیے بھیج دیا جائے، اتنا ہی اہم مفید اور ضروری ہے جتنا کہ ہزاروں روپیہ۔ اس لیے میں درخواست کرتا ہوں کہ از راہِ کرم آپ اس رمضان المبارک میں اپنے مرکزی مدرسے کو اپنے صدقات و خیرات سے فراموش نہ فرمائیں اور اس کی اعانت میں اگر تانبے کی ایک پائی، کپڑے کی ایک بالشت اور جَو کا ایک سیر بخوشی و رضا مندی بھیجنے کی وسعت رکھتے ہوں تو اس سے بھی دریغ نہ فرمائیں۔[1]

[1] اخبار ''مسلمان'' سوہدرہ (۱۵؍ دسمبر ۱۹۳۳ء)

مسجد اہلِ حدیث مالیر کوٹلہ اور امام الہند مولانا آزاد

جماعتِ اسلامی سے ادباً گزارش

عرصہ ہوا، مالیر کوٹلہ کی جماعتِ اہلِ حدیث میں نزاع ہوا۔ جماعت کے بعض افراد جماعتِ اسلامی سے متاثر تھے اور بعض غیر متاثر تھے، اس نزاع کا اثر ہم لوگوں تک بھی پہنچا۔ اس وقت جو سمجھ میں آیا، نصیحت کے طور پر احبابِ مالیر کوٹلہ سے عرض کر دیا گیا، لیکن احبابِ مالیر کوٹلہ نے بوقتِ ضرورت استعمال کے لیے اسے محفوظ رکھا۔

معاملہ بڑھتا رہا۔ حکومت نے مداخلت کی اور بالآخر معاملہ حضرت امام الہند کے ہاتھ میں چلا گیا۔ حضرت مولانا کی جلالتِ قدر سے یہ امید نہ تھی کہ وہ کوئی جانبدارانہ فیصلہ فرمائیں۔

حضرت مولانا کا فیصلہ:

حضرت مولانا کا فیصلہ جب اخبارات میں آیا تو ہم لوگوں کو اس سے بے حد مسرت ہوئی۔ حضرت مولانا کے فیصلے میں دینی بصیرت، سیاسی بالغ نظری کے علاوہ جماعتی نفسیات کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی جماعتِ اہلِ حدیث اور جماعتِ اسلامی کے وقار کو بھی اس سے کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا، بلکہ ضمناً دونوں جماعتوں کے موقف اور ان کی اہمیت بھی اس سے ظاہر ہوتی تھی، اور دونوں کے لیے مولانا کے فیصلے میں احترام کے جذبات موجود تھے، اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا کے سوا ان مصالح کو کوئی دوسرا شاید صحیح طور پر ملحوظ بھی نہ رکھ سکتا۔

یقین تھا کہ جماعت کے دونوں گروہ اس فیصلے پر مطمئن ہو جائیں گے اور کوئی نزاعی مسئلہ باقی نہیں رہے گا۔ شرعی ادب اور اخلاقی رفعت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اس فیصلے کے خلاف کوئی آواز نہ اُٹھتی۔ ہندوستان کے ماحول میں مسلمانوں کی آبرومندی بھی اسی میں تھی کہ فیصلہ طوعاً قبول کر لیا جائے۔

کتابچہ:

مگر میری تعجب کی کوئی حد نہ رہی، جب مالیر کوٹلہ سے بذریعہ ڈاک ایک کتابچہ موصول ہوا، جس میں مولانا کے فیصلے پر تنقید کی کوشش کی گئی ہے۔ تنقید نہیں، بلکہ ایک قابلِ احترام شخصیت پر کیچڑ اُچھالنے کی یہ ناتمام کوشش ہے۔ ثالث تسلیم کر لینے کے بعد یہ اندازِ تنقید نہ شرعاً درست ہے نہ اخلاقاً۔ اس کا یہ اثر ہوگا کہ آیندہ کوئی شریف آدمی آپ کو پوچھے گا بھی نہیں کہ آپ میں وجۂ نزاع کیا ہے، اور اخلاق کی دنیا میں آپ کی کوئی قیمت نہ ہوگی۔

١ یہ تنقیح بالکل بے معنی ہے کہ نزاع اہلِ حدیث کے دو گروہوں میں ہے۔ جماعتِ اسلامی کا دامن اس سے بالکل پاک ہے۔ نزاع کا ایک سبب تو بہر حال یہ ہے کہ جماعت اہلِ حدیث کا ایک گروہ جماعتِ اسلامی سے متاثر ہے اور دوسرا نہیں۔ مولانا کے فیصلے سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ مولانا نے فیصلے کے آغاز میں لکھا ہے کہ جماعت کے دونوں فریق چاہتے ہیں کہ معاملہ آپ کے سامنے پیش ہو۔ الخ (کتابچہ، ص:۴۴)

صفحہ (۴۵) میں بھی مولانا نے اسے دہرایا ہے۔ بالآخر یہ تفرقہ یہاں تک بڑھا کہ بعد میں دو جماعتیں ہوگئیں، ہماری دانست میں نہ مولانا پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے، نہ جماعتِ اسلامی کا دامن اس آویزش سے پاک ہی ہوسکتا ہے۔

٢ مولانا نے کہاں فرمایا ہے کہ مساجد میں سیاسیات کا ذکر نہ آنا چاہیے؟ اس کے لیے مولانا کے خلاف کتابچے کے مولف نے الہلال اور البلاغ کی ورق گردانی کی بے فائدہ تکلیف فرمائی۔ فیصلے میں متعدد مقامات پر سیاسی کے ساتھ مذہبی جماعتوں کا بھی ذکر فرمایا، جس کا مقصد بالکل واضح ہے کہ مختلف افکار کی حامل جماعتیں مذہبی ہوں یا سیاسی؛ اُن کو دوسرے طریقِ فکر کی مساجد کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ اس میں شک نہیں کہ جماعتِ اسلامی سے متاثر حضرات اہلِ حدیث بھی ہوں تو ان کا طریقِ فکر غیر متاثر حضرات سے یقیناً مختلف ہوگا۔ اس لیے کسی فریق کو دوسرے کی مساجد پر قابض ہونے کی کوشش کرنا مناسب نہیں۔ اگر متاثر حضرات کے پاس کوئی مسجد ہو تو غیر متاثر فریق کو اصولاً اس پر قابض ہونے کی سعی نہیں کرنی چاہیے۔ وقت کی سیاسی تحریکات سے بے تعلقی کا تذکرہ مولانا کے فیصلے میں ضرور ہے۔ کتاب وسنت کی سیاست

سے اجتناب کی تلقین مولانا نے نہیں فرمائی۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی وقتی سیاسی نظریہ مولانا کی نظر میں کتاب و سنت سے ماخوذ نہ ہو۔ اس پر آپ حضرات کو اپنے اپنے نظریات پر غور فرمانا چاہیے۔ اس کا یہ مطلب کیسے سمجھا گیا کہ مولانا مساجد میں سیاسی تذکرہ مناسب نہیں سمجھتے؟ مولانا کے فیصلے کا مطلب یہ ہے کہ لا دینی سیاسیات میں مسجد، منبر اور دین کی پناہ نہیں لینا چاہیے۔

۳ مولانا کے فیصلے میں اس تہمت کے لیے بھی کوئی گنجایش نہیں کہ مولانا آزاد مسلکِ اہلِ حدیث کو ایک فرقہ یا پارٹی تصور فرماتے ہیں۔ پھر مولانا کے فیصلے سے اسے خواہ مخواہ کشیدہ کرنے کی کوشش کرنا ایک نازیبا کوشش ہے۔ مولانا کے فیصلے میں اگر کوئی ایسی چیز تھی بھی تو اس پر غیر متاثر حضرات کو احتجاج کا حق تھا۔ آپ حضرات نے تو مودودی صاحب کے نظریات سے کچھ نہ کچھ استفادے کی کوشش فرمائی ہے۔

مَیں نے مولانا کا فیصلہ بار بار پڑھا ہے، مجھے کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس سے یہ سمجھا جائے کہ اہلِ حدیث کوئی فرقہ ہے، یا ان کا مقصد کتاب و سنت کے سوا کچھ اور بھی ہے، بلکہ ان کا مقصد تو یہ ہے کہ مسلکِ اہلِ حدیث کو ''وقتی'' سیاست کی آمیزش سے پاک رکھنا چاہیے۔

اس لیے احبابِ مالیر کوٹلہ سے ادباً گزارش ہے کہ وہ اس قسم کے کتابچوں کی اشاعت بند فرمائیں۔ مولانا پر خواہ مخواہ کیچڑ اُچھالنے کی سعی نہ کریں، بلکہ آپ حضرات کو مولانا کا ممنون ہونا چاہیے کہ مولانا کے فیصلے نے آپ سب حضرات کو عدالتوں کی خجالت سے بچا دیا۔

مولانا سے خلش:

ہمیں علم ہے کہ جماعتِ اسلامی کے اکابر سے لے کر اصاغر تک مولانا آزاد سے دیرینہ خلش رکھتے ہیں۔ کبھی اُن کے علم پر اعتراض ہوتا ہے، کبھی ان کی عربیت پر بحث ہوتی ہے، کبھی اُن کے سیاسی نظریات پر چہ میگوئیاں ہوتی ہیں۔ میرا خیال تھا کہ یہ بیماری صرف پاکستانی اکابر تک محدود ہو گی، مگر آپ کے کتابچے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی جماعتِ اسلامی کا ذہن بھی مولانا کے متعلق صاف نہیں۔

مجھے دُکھ ہوا کہ مولانا کے ارشادات سے کھینچ تان کر وہ بات نکالی جا رہی ہے جو شاید مولانا کے وہم میں بھی نہ ہو۔ یہ تو شکر ہے کہ مولانا عام علماء کی طرح ذکاوتِ حس کے مریض نہیں، ورنہ

کبھی کی ایک جنگی صورت پیدا ہو گئی ہوتی۔ کون نہیں جانتا کہ اہلِ علم میں ایک طبقہ چھچھور پن کو حمیتِ دینی کا نام دے کر ہر بے عنوانی کر سکتا ہے؟ جماعتِ اسلامی کو کتابچے میں اس لہجے سے بچنا چاہیے تھا، مگر افسوس کہ وہ نہیں بچ سکی۔ مولانا کے فیصلے سے مولانا محمد امین صاحب[1] یا بعض دوسرے دو چار دوستوں کو ذاتی طور پر تکلیف ہونا قدرتی بات ہے، اور ثالث بھی مجبور ہے، وہ دونوں مخالف فریقوں کو کیسے خوش کر سکتا ہے؟ اصلاحِ ذات البین کے پیشِ نظر اس تکلیف کو گوارا کرنا چاہیے۔

علمائے کرام کے فتوے:

مولانا کے فیصلے میں جماعتِ اسلامی کے عقائد یا ان کی اقتداء کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کوئی معمولی اشارہ بھی نہیں، مگر کتابچے کا کافی حصہ اُن فتووں سے بھر دیا گیا ہے جن سے جماعتِ اسلامی کو شاید کچھ فائدہ پہنچ سکتا ہو، اور یہ فتوے غالباً مولانا کے فیصلے سے بہت پہلے کے حاصل کیے گئے ہیں۔ مولانا کے فیصلے کے ساتھ ان کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ جوڑ لگانے کے لیے مولوی عبداللطیف صاحب کی تقریر کا تذکرہ یوں ہی ڈالا گیا، حالانکہ رفعتِ اخلاق کا تقاضا یہ تھا کہ اس قسم کی تیز اور مبالغہ آمیز تقریر کا ذکر بھی نہ کیا جاتا، خصوصاً جبکہ جماعت کے سنجیدہ حضرات نے اس قسم کا کوئی فتویٰ آپ کے خلاف نہیں دیا تھا، مگر پروپیگنڈے کی عادت بھی ایک مرض ہے۔ جو لوگ اس کے مریض ہیں، وہ کوئی نہ کوئی بہانہ نکال لیتے ہیں۔ ان فتووں کی حیثیت پروپیگنڈے سے زیادہ نہیں۔ جس ذہن سے میں نے فتویٰ دیا تھا، مجھے اس کا یہ مصرف معلوم ہوتا تو میں اس کے اس طرح استعمال کی کبھی اجازت نہ دیتا۔ باقی حضرات کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دعایت کے اس طریقے کو پسند فرماتے ہیں یا نہیں؟

بعض اکابر علمائے اہلِ حدیث کے فتوے:

علماء کے فتووں میں مولانا نذیر احمد صاحب، مولانا عبدالجلیل رحمانی، مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی، مولانا داود صاحب اور مولانا رضاء اللہ صاحب کے فتوے کافی احتیاط سے لکھے گئے ہیں۔

---

[1] مولانا محمد امین اثری، جو اس مسجد کے امام تھے اور جماعتِ اسلامی سے متاثر۔ انھی کی بنا پر مسجد میں نزاع کی صورت پیدا ہوئی تھی۔ آپ محدثِ ہند علامہ محمد عبدالرحمان مبارک پوری کے برادر بزرگوار حکیم محمد شفیع کے فرزند تھے اور بعمر چار سال والد کی وفات کے بعد آپ کی تربیت مولانا مبارک پوری ہی کے سایۂ عاطفت میں ہوئی۔ آپ ۱۹۹۸ء میں فوت ہوئے۔ ہندوستان کے معروف محقق اور عالمِ دین غازی عزیر مبارک پوری آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔

ان میں اکثر حضرات نے مسلکِ اہلِ حدیث کے ساتھ مولانا مودودی اور ان کی تحریک کا بھی پورا پورا احترام ملحوظ رکھا ہے۔ جماعتِ اسلامی پر اگر تنقید کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو اس کے اظہار میں الفاظ کے متعلق خاصا بُخل ان حضرات کے پیشِ نظر رہا ہے۔ مولوی عبداللطیف کو جس طرح آڑے ہاتھوں لیا گیا ہے، اس کا عُشرِ عشیر بھی جماعتِ اسلامی کے متعلق مرقوم نہیں، جس کی طرف مصنف کتابچہ نے صفحہ (۱۱) پر توجہ دلائی ہے۔ مفتی کے لیے میرے دل میں پورا احترام ہے، ان کی دقتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کا مجھے اعتراف ہے، ان کے تفقہ فی الدین اور تقوے کا مجھے پورا پورا احساس ہے۔ اپنی بے مائیگی اور قلتِ معرفت کے ساتھ اپنی نارسائیوں سے بھی بے خبر نہیں ہوں، اس کے باوجود ان اہلِ علم کی آرا، اور حضرت امام الہند کے فیصلہ کن ارشادات میں جو فرق محسوس ہو رہا ہے، اس کی افادی حیثیت میں کوئی خفا نہیں۔

جماعت کا موقف:

میں نے کئی سال تک جماعتِ اسلامی کا لٹریچر بڑی عقیدت مندی سے پڑھا۔ مولانا ابو الاعلیٰ سے ذاتی تعارف بھی ہے اور تھوڑے بہت مراسم بھی۔ دستور کے مسئلے میں ان سے پورا پورا تعاون رہا۔ کبھی مخالفت کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

ہندوستان میں جماعت اہلِ حدیث کا شاندار ماضی میرے سامنے ہے۔ وہ تمام خدمات میری نظر میں ہیں جو احیائے دین کی راہ میں حافظ عبداللہ صاحب غازی پوری اور مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی کے انتقال تک جماعت کے پیشِ نظر رہیں۔ ان کی ایک ایک کڑی میری نظر میں ہے۔ مَیں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ احیائے دین کی راہ میں جو قربانیاں ہمارے اکابر نے کی ہیں، ان کی نظیر کسی دوسری جماعت میں نہیں۔ اس وقت بھی ہم نے اس مقصد کے لیے جو کچھ کیا ہے، گو ہم نے اس کی تشہیر نہیں کی، مگر اپنی بساط کے لحاظ سے کم نہیں۔ اگر اس میں کوئی کمی ہے تو اس کی ذمے داری ان حضرات پر ہے جو اپنا موقف چھوڑ کر دوسری سٹیجوں کے لیے پا بہ رکاب اور چشم براہ رہتے ہیں۔

حضرات علماء کا تاثر:

حضرات علماء نے جماعتِ اسلامی کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا، وہ انتہائی حزم و احتیاط پر مبنی ہے۔ یہی علم و دیانت کا تقاضا بھی ہے، لیکن اس احتیاط میں جماعتی نفسیات کو نظر انداز کر دیا گیا

ہے، اور یہی وہ خوبی ہے جو حضرت امام الہند کے فیصلے میں نمایاں ہے، جسے جماعتِ اسلامی کے اربابِ حل و عقد نے ناپسند فرما کر حضرت مولانا پر کیچڑ اُچھالنا شروع کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو حضرات کسی دوسری جماعت سے متاثر ہوتے ہیں اور اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ وہ دوسری میں شامل ہو جاتے ہیں، اپنے ماحول کے بجائے دوسرا ماحول بدلنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں، وہ لازماً اپنے مزاج میں اتنی لچک پیدا کر لیتے ہیں جس سے دوسرے قالب میں فٹ ہونا انھیں چنداں گراں معلوم نہیں ہوتا۔ یہ باور کرنا پڑے گا کہ ان کی وابستگی جماعت سے اس قدر قائم نہیں رہتی جو جماعت کے ایک مخلص کارکن میں ہو سکتی ہے۔ مزاج، ذہن، طریقِ فکر میں جب تک نمایاں تبدیلی نہ ہو، دوسرے ماحول میں سازگار ہونا مشکل ہوتا ہے، خصوصاً اہلِ حدیث؛ جن کے مزاج میں سنت کے ساتھ ایک معیاری محبت، توحید سے والہانہ وابستگی، بدعات سے اجنبیت اور تنفر، کتاب و سنت کے ساتھ علی نہج السلف رابطہ؛ یہ ایسی خصوصیات ہیں کہ دوسری جماعت میں اجتماعی طور پر اس مزاج کا پایا جانا مشکل ہے، اس لیے کوئی مخلص اہلِ حدیث بھی اپنی صفوں سے الگ ہو جائے، جماعت کے ساتھ تاریخی ربط تو مانا جا سکتا ہے، لیکن سلفی مزاج کا صحیح طور پر قائم رہنا مشکل ہے۔

مولانا نذیر احمد صاحب اور برادرِ محترم مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی کے ارشادات میں یہ چیز قریباً نظر انداز ہو گئی ہے۔ وہ یہ تصور نہیں فرما سکے کہ دوسری جماعت کے تاثر کے بعد نفسیات میں کتنا بڑا اِنقلاب رونما ہوتا ہے!

پاکستان کے متاثرین:

پاکستان میں بہت سے اہلِ حدیث حضرات جماعتِ اسلامی سے متاثر ہیں۔ ان کی میری نظر میں خاص طور پر عزت و احترام ہے۔ یہ حضرات جماعتِ اسلامی سے دیرینہ متاثر ہیں، اس کے ساتھ عملاً اور عقیدتاً بھی اہلِ حدیث ہیں۔ بعض حضرات خاندانی طور پر مسلکِ اہلِ حدیث کے محسن ہیں، ان کے بزرگوں نے مسلکِ اہلِ حدیث کی مدتوں خدمت کی ہے اور ہم لوگ ان کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ یہ حضرات جماعتِ اسلامی کے سرگرم کارکن ہیں، لیکن جماعت اہلِ حدیث کے لیے وہ ٹھنڈے کارکن بھی نہیں، ان کے علم و فضل، مال و دولت سے جماعت کو اتفاق ہے، تاکہ فائدہ پہنچے، ان کے عقیدے میں اب بھی کوئی فرق نہیں، وہ سنت کے عملاً پابند ہیں، لیکن اب اس پابندی میں

تعدیہ نہیں۔ جماعتِ اسلامی کے نظام میں وہ اپنے مسلک کی تبلیغ کر ہی نہیں سکتے۔ تاثر کے بعد ان کے رجحانات بہت حد تک مغلوب ہو چکے ہیں۔ جماعتِ اسلامی کی حیثیت ایک عوامی جماعت کی ہے، وہ اپنے حلقۂ اثر میں روافض تک کو شامل کرنا اور رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر قادیانی کفر بازی کا مشغلہ چھوڑ دیں تو شاید جماعتِ اسلامی ان سے بھی روابط پیدا کرنے کی سعی کرے۔ صحیح المزاج اہلِ حدیث جو امر بالمعروف کی ذمے داریوں کو سمجھتا ہو، یقیناً جماعتِ اسلامی کے موجودہ نظام میں سازگار مقام حاصل نہیں کر سکتا اور نہ وہ اپنے عقیدے میں رسوخ رکھتے ہوئے جماعتِ اسلامی میں مدغم اور منضم ہو سکتا ہے۔

مولانا عبدالغفار حسن ہوں یا مولانا محمد امین، وہ جماعتِ اسلامی کے رکن ہوتے ہوئے کبھی اس ذہن اور مزاج کی اشاعت نہیں فرما سکتے جس کی دعوت صدیوں سے جماعتِ اہلِ حدیث نے دی ہے۔ یہی جماعتی نفسیات ہیں جن کو حضرت امام الہند کی نکتہ رس نگاہ نے بھانپا اور یہ جرأت مندانہ فیصلہ دیا کہ مولوی محمد امین صاحب کو جماعت اہلِ حدیث کا منبر استعمال نہیں فرمانا چاہیے۔ مولانا کا فیصلہ ایک اصولی فیصلہ ہے۔ اگر کوئی جامد اہلِ حدیث جماعتِ اسلامی کے منبر پر قبضہ کرتا تو مولانا یقیناً یہ فیصلہ دیتے کہ اہلِ حدیث کو جماعتِ اسلامی کے منبر پر قابض نہیں ہونا چاہیے۔ تعجب ہے کہ ایسے اساسی اور بنیادی فیصلے پر مالیر کوٹلہ کی جماعتِ اسلامی یا اس سے متاثر اہلِ حدیث حضرات کو مولانا کا یہ فیصلہ ناگوار ہو رہا ہے!!

ہم میں اکثر ایسے لوگ موجود ہیں جو جماعتِ اسلامی کی دستوری مساعی کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کے ساتھ بوقتِ ضرورت پورا تعاون کیا ہے، لیکن ہم نے بحمد اللہ کبھی سوچا بھی نہیں کہ ہمیں جماعتِ اسلامی میں انضمام یا اشتراک کی ضرورت ہے!!

انفرادی اشتراک:

جماعتِ اسلامی کے لیے بھی یہی مناسب ہے کہ وہ اہلِ حدیث رفقاء کو توڑنے اور جماعت اہلِ حدیث کے خلاف پروپیگنڈے کی کوشش نہ کریں۔ اگر ان کو جماعت کا اجتماعی تعاون حاصل ہو جائے تو اس انفرادی اشتراک سے کہیں بہتر ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں جماعتوں کے اربابِ حل و عقد تیز مزاج لوگوں کا پورا احتساب کریں اور ایسی کوئی چیز نہ ہونے دیں جس سے دونوں جماعت میں تصادم کا امکان ہو سکے۔

مالیر کوٹلہ کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ انڈیا کی جماعتِ اسلامی میں ایسے لوگوں کی کمی ہے جو تدبر سے باہمی تصادم کو سدھار سکیں۔ اس کتابچے کی اشاعت سے میرے اس خیال کی مزید تائید

ہوتی ہے۔ یہ کتابچہ ایک مذموم کوشش ہے، جس سے اصلاح کے بجائے فساد کی زیادہ امید کی جا سکتی ہے، اور مولانا کو اس میں لپیٹنا اور بھی شرارت آمیز کوشش ہے، جس سے پرہیز ضروری ہے۔ مولانا محمد امین صاحب کی خدمت میں مودبانہ گزارش ہے کہ وہ اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر اپنے خداداد علم و شرافت سے دونوں فریق کو شر سے بچائیں۔

اور علمائے اہلِ حدیث سے گزارش ہے کہ ہر نئی تحریک میں آپ حضرات شریک ہونے کی کوشش نہ کریں، بلکہ باہم سر جوڑ کر بیٹھنے کی کوشش فرمائیں اور جو کام کرنا ہو، اجتماعی طور پر ﴿ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ﴾ [الشوریٰ: ۳۸] کے اصول پر کریں۔ ایسی انفرادی بھاگ دوڑ سے نہ آپ کی آبرو میں اضافہ ہوگا اور نہ دین ہی کو کچھ فائدہ ہوگا۔

آخر میں مودبانہ گزارش ہے کہ اس سمع خراشی میں اگر کوئی لفظ سمع گرامی پر گراں گزرا ہو تو مَیں اس کے لیے معافی چاہتا ہوں۔[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۸؍ فروری ۱۹۵۵ء)

مسجد ڈپٹی باغ سیالکوٹ میں نزاع
اور
اخبار ’’ترجمانِ اسلام‘‘

مکرم مدیر ’’ترجمانِ اسلام‘‘! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲/ اگست ۱۹۵۸ء کے ’’ترجمانِ اسلام‘‘ میں مسجد ڈپٹی باغ سیالکوٹ کے متعلق اطلاع پڑھ کر افسوس ہوا۔ مَیں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ اس مسجد میں قریباً دس گیارہ سال سے جماعت اہلِ حدیث قابض ہے۔ تعمیر، امامت اور خطابت کی تمام ذمے داری جماعت اہلِ حدیث کے سپرد ہے۔ جماعت اس پر اب تک قریباً تیس ہزار روپیہ صَرف کر چکی ہے۔ اس عرصے میں کبھی اکثریت یا اقلیت کا یہاں سوال پیدا نہیں ہوا۔

مولوی محمد علی اور علامہ خالد محمود صاحب نے ذاتی مناقشات اور مقامی باہمی رنجشوں کی بنا پر اہلِ حدیث کے خلاف یہ محاذ قائم کیا ہے۔ وہی اس کی سرپرستی فرما رہے ہیں۔ ہمیں سیالکوٹ کے پولیس افسران پر تعجب ہے کہ وہ فریق اور نزاع کے بانیوں سے منصف اور ثالث کا کام لے رہے ہیں۔

اقلیت اور اکثریت کا جو سوال اس وقت اہلِ حدیث کے خلاف اُٹھایا گیا ہے، اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو آیا محلّہ احمد پورہ میں جامع شہابیہ پر مولوی محمد علی صاحب قابض رہ سکتے ہیں؟ مولوی محمد علی دیانتاً یہ فرما سکتے ہیں کہ اگر وہاں آپ کو اہلِ حدیث کا تعاون حاصل نہ ہوتا تو آج شہابیہ اکثریت کے قبضے میں ہوتا اور وہاں کے خطیب علامہ یعقوب ہوتے۔

علامہ خالد محمود کے لیے اگر خطابت کا کوئی موقع نہیں تو اس کے لیے برادرانہ کوشش کی جا سکتی ہے۔ اس شر انگیزی سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے، یہ ساری شورش ان دونوں موحد بزرگوں کی پیدا کردہ ہے اور ترجمان کا نوٹ بھی شاید انہی حضرات کے قلم کا مرہونِ منت ہے۔

صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: «مِنْهُمْ تَبْدَأُ الْفِتْنَةُ وَفِيهِمْ تَعُودُ»[1] (الحدیث)

بظاہر مسجد کے کیس میں کوئی کمزوری نہیں، نہ ہمیں اس ہنگامے سے چنداں خطرہ ہے۔ البتہ ذاتی رنجشوں کو اگر مسائل میں لپیٹ کر اس طرح مناقشات کی صورت دی گئی تو اسلام کے ان متحدہ مقاصد کو ضرور نقصان پہنچے گا جن کے ترجمانِ اسلام اور جمعیت علماء اس وقت علمبردار ہیں، اور یہ مقاصد ان دونوں بزرگوں کی خوشنودی سے کہیں زیادہ ضروری ہیں۔

میری نظر میں ''ترجمانِ اسلام'' کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ وہ ان مناقشات میں دخیل ہو اور اربابِ غرض کا آلۂ کار بنے۔

حضرت مولانا احمد علی، مولانا غلام غوث اور مولانا عبدالواحد سے مَیں گزارش کروں گا کہ وہ جمعیت علمائے اسلام کے ان اراکین کو اس غلط روش سے روکیں اور ہوائی اطلاعات کے بجائے خود جا کر تحقیق فرمائیں کہ اس ہنگامے کی تہہ میں کیا ہے اور ترجمان کے کالموں کو اس گندگی میں آلودہ ہونے سے بچائیں۔

ہمارے لیے یہ صورتِ حال بے حد ناپسندیدہ ہے کہ جس جماعت کے صدر مولانا احمد علی صاحب ہوں، اس جماعت کے نامور کارکن جماعت اہلِ حدیث کی مساجد پر بریلوی مفسدوں کا قبضہ دلانے کے لیے اہلِ حدیث سے برسرِ پیکار ہوں۔ یہ نامور کارکن اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس عاقبت نااندیشانہ طرزِ عمل کے نتائج کس قدر دور رس ہو سکتے ہیں...!

مجھے امید ہے کہ جمعیت علمائے اسلام مغربی پاکستان کے اکابر اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کریں گے اور عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔[2]

---

[1] شعب الإيمان (١/ ٥٩) اسے ذکر کرنے کے بعد امام بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۵ر ستمبر ۱۹۵۸ء)

منڈی جڑانوالہ میں اہلِ بدعت کی دھاندلی

منڈی جڑانوالہ اور اس کے اطراف میں انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد اہلِ توحید کی کافی تعداد آباد ہو چکی ہے۔ اپنی سہولت اور ضرورت کے لحاظ سے ان لوگوں نے منڈی میں ایک مسجد کی بنیاد رکھی، وہاں کے بعض شرارت پسند اہلِ بدعت نے اسی مسجد میں الگ نماز اور اذان کا انتظام کر لیا۔ ایک ہی مسجد میں بیک وقت دو اذانیں اور نمازیں ہونے لگیں، پولیس کی بروقت مداخلت سے رفت گذشت ہوتی رہی۔

پچھلے ہفتے اطلاع ملی ہے کہ شرارت پسند عنصر نے چند غنڈوں کے ساتھ مل کر مسجد کی دیوار گرا دی ہے، کام کرنے والے مزدوروں کو بھی زدوکوب کیا ہے اور تعمیر کا کام بند کرا دیا ہے۔

پولیس کی روش اور بھی قابلِ تعجب ہے کہ اس شرارت پسند عنصر سے دو آدمی گرفتار کیے اور امن پسند بانیانِ مسجد سے چھے آدمی۔ قانون کی عدل گستری کا یہ پہلو نہایت ہی تعجب انگیز ہے کہ وہاں شر پسند اور امن پسند عنصر کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور دونوں سے ایک ہی طرح کا معاملہ کیا گیا ہے۔ ہم ڈپٹی کمشنر لائل پور سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ معاملے کو مناسب اور ذی فہم ہاتھوں کے سپرد کریں، تاکہ انصاف کا خون نہ ہو اور حق دار محروم نہ ہوں۔

جماعت اہلِ حدیث لائل پور کا فرض ہے کہ وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے۔ مسٹر عبدالقیوم صاحب اور جناب حکیم نورالدین صاحب سے خصوصیت سے توقع ہے کہ وہ اسے سلجھانے کی کوشش فرمائیں گے۔ اہلِ حدیث مہاجرین کے حقوق کسی طرح بھی ضائع نہ ہونے چاہییں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ مفلوک الحال مسافر شریروں کا تختۂ مشق بنیں۔ اور دفتر کو بھی صحیح اطلاعات سے باخبر رکھیں۔

جڑانوالہ کے اطراف میں اہلِ توحید کی بہت بڑی تعداد آباد ہے۔ اگر حکومت نے اس طرح لاقانونی کی اجازت دے دی تو مشکلات بڑھ جائیں گی، عوام کا بھی نقصان ہوگا اور حکومت کا وقار بھی محفوظ نہیں رہ سکے گا۔[1]

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث آل پاکستان، گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۸/ اپریل ۱۹۵۰ء)

مسجد اہلِ حدیث میاں چنوں

میں پچھلے ہفتے سندھ سے واپسی پر منڈی میاں چنوں میں اترا۔ میاں چنوں میں انقلاب ۱۹۴۷ء کے بعد مسجد اہلِ حدیث کی بنیاد رکھی گئی، مسجد کی ظاہری صورت پتا دے رہی ہے کہ مقامی جماعت کی مالی حالت اچھی نہیں۔ مسجد نہایت سادہ، چھت نہایت نیچے، گرم علاقوں میں ایسی چھت صحت کے لیے بالکل غیر مفید ہے، مگر جماعت کے مساکین اس پر مطمئن ہیں کہ سنت کے مطابق نماز ادا کرنے کے لیے اطمینان بخش موقع حاصل ہے۔

مقامی احناف:

پسماندہ علاقوں میں ہمارے احناف کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی مساجد میں اہلِ حدیث کو نماز کی اس لیے اجازت نہیں دیتے کہ بعض مسنون اعمال انھیں ناگوار ہیں، وہ اپنی مساجد کو ان اعمال کی ترویج کے لیے پسند نہیں کرتے۔

اگر اہلِ حدیث اپنی مساجد بنالیں تو یہ انھیں اور بھی ناگوار ہوتا ہے۔ اہلِ توحید کے لیے آرام و آسایش بہرحال انھیں ناگوار ہے۔ بے نمازوں، بے روزوں، شراب خوروں کے ساتھ مدارات بلکہ مساوات کر سکتے ہیں، لیکن ایک سنی المسلک اہلِ حدیث نمازی کے ساتھ وہ کوئی رعایت نہیں فرما سکتے۔ ان کی دوستی کی روش پر تعجب ہوتا ہے۔ آخر یہ کیا چاہتے ہیں؟ اسلام نے اپنے مخالف غیر مسلموں کو عبادت کے لیے مسجدِ نبوی میں جگہ دی۔ ہمارے ان دوستوں کی شرافت کا یہ حال ہے کہ اہلِ حدیث اپنی مساجد میں نماز ادا فرمائیں تو یہ بے چارے دکانوں پر بے قرار ہو جاتے ہیں، اپنے مکان اور مسجدوں پر ان کے لیے نیند حرام ہو جاتی ہے۔

میاں چنوں کی جامع مسجد منڈی کے خطیب صاحب بھی اس قسم کے مضطرب اور بے قرار دل لے کر آئے دن منڈی میں کوئی نہ کوئی شورش بپا فرماتے رہتے ہیں، تاکہ وہ اہلِ توحید کے ساتھ الجھنے کی راہ پیدا فرما سکیں۔

مسجد اہلِ حدیث کو تعمیر اور آباد ہوئے عرصہ گزر چکا ہے۔ وہاں امام اہلِ حدیث ہے اور اہلِ حدیث انجمن بھی موجود ہے، جس کا اپنے حلقے میں گہرا اثر ہے۔ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے ساتھ اس کا الحاق بھی ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرت ملا صاحب اس امید میں ہیں کہ وہ منڈی میاں چنوں میں اہلِ حدیث کی آواز کو ختم کر سکیں گے۔

جہلاء کی روز مرہ شرانگیزیوں سے متاثر ہو کر جماعت نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ مسجد کے دروازے پر پتھر لگا دیں اور اس پر اہلِ حدیث کی صراحت کر دیں، تاکہ عوام اور خود امام صاحب منڈی سمجھ لیں کہ بہر حال مسجد ان مساکین کے سر چھپانے کی جگہ ہے، جہاں نماز اور عبادت کا تعلق ہے۔ اہلِ حدیث مساجد میں کہیں کسی کو روکا نہیں جاتا۔

ناجائز حرکت:

پتھر لگانے کے بعد ہمارے بریلوی دوست بے حد مشتعل ہوئے، سنا ہے ان کے سرخیل وہی امام صاحب ہیں۔ یہ بزرگ ایک مجمع کی صورت میں فساد پر آمادہ ہو کر آئے کہ پتھر کو اُکھاڑ دیں۔ تعجب ہے کہ ہمارے بریلوی دوست پتھروں سے کیوں گھبراتے ہیں؟ مسجد کی تعمیر اہلِ حدیث نے کی، امام اہلِ حدیث، مدرسہ اہلِ حدیث، جمعیت اہلِ حدیث موجود، مگر پتھر سے بے قراری پیدا ہو رہی ہے!!

معلوم ہوا ہے کہ مقامی پولیس کا رویہ شریفانہ ہے۔ انھوں نے ہر چند اس معاملے میں مفاہمت کی کوشش کی اور یہی ان کا فرض تھا، جس کے لیے ہم مقامی پولیس افسران کے ممنون ہیں کہ انھوں نے فرض شناسی کا ثبوت دیا۔

ثالثی:

آخر صورت یہ طے قرار دی گئی کہ چار ثالث اس امر کا فیصلہ کریں۔ یہ صورتِ فیصلہ ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ ایک جماعت نے اپنے حقوق حاصل کیے، اپنے روپے سے اپنا آشیانہ بنایا، آشیانے کی پیشانی پر اپنا نام لکھا، کسی کو کیا حق ہے کہ یہ پتھر اُکھاڑنے کا فیصلہ کرے؟ یہ ثالثی اگر حق دار کو حق دلانے کے لیے ہو تو ہمیں اعتراض نہیں، لیکن کوئی ایسا فیصلہ جس میں جماعت کی حق تلفی ہو، جذبات مجروح کیے جائیں، شر پسند افراد و شرارت انگیز ملاؤں کی حوصلہ افزائی کی جائے، یہ ہمیں منظور نہیں ہوگا۔

منڈی میاں چنوں کے مقامی حکام اور ضلع ملتان کے افسرانِ بالا سے ہم درخواست کرتے ہیں کہ پاکستانی سرزمین میں ان شرارت پسند عناصر کو سنگین سزائیں دی جائیں، تاکہ انھیں شرارت کی دوبارہ جرأت نہ ہو۔

اگر مسجد کی تعمیر میں کوئی قانونی سقم ہو تو فریقین کے لیے نہیں، بلکہ حکومت کے لیے قانونی عدالتوں کے دروازے کھلے ہیں، وہ قانونی چارہ جوئی کریں۔

میاں چنوں اور ملحقہ جماعتوں اور جماعت اہلِ حدیث ملتان کو میں دفتر کی طرف سے توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ وہ اس معاملے پر کنٹرول کریں اور اپنے امن پسند اور مظلوم بھائیوں کی پوری پوری مدد کریں۔ دفتر ہر ممکن اعانت کے لیے ہر وقت تیار ہے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (یکم جون ۱۹۵۱ء)

مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی کی زبان بندی

اخبارات سے یہ معلوم کر کے مجھے تعجب ہوا کہ حکومت نے مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کے رکن مولانا محمد یحییٰ حافظ آبادی کی تین ماہ کے لیے زبان بندی کر دی ہے۔ مجھے بعض ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ یہ زبان بندی ساہو والہ ضلع سیالکوٹ کی ایک تقریر کی بنا پر عمل میں لائی گئی ہے جو انھوں نے حوادثِ محرم اور شیعانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کی۔

مولانا محمد یحییٰ اور ان کے اندازِ بیان سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ان تیز بولنے والوں سے نہیں ہیں جن کو اپنی زبان پر قابو نہ ہو۔ میری قطعی رائے ہے کہ یا تو رپورٹر متعصب شیعہ ہے، یا کم علم جو تقریر کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکا۔

اگر میری یہ اطلاع صحیح ہے کہ مولانا کی زبان بندی ساہو والہ کی تقریر کی بنا پر ہوئی ہے تو اس کے مقابلے میں شیعہ حضرات کی ان بے اعتدالیوں پر غور فرمایا جائے جو تعزیہ اور گھوڑے کے متعلق ہر جگہ ہو رہی ہیں۔ ضلع گوجرانوالہ کے ڈپٹی کمشنر صاحب غالباً شیعہ ہیں، جس کا اثر یہ ہے کہ اس سال چالیسویں پر بھی تعزیہ نکالا گیا اور جلوس میں اہلِ سنت کے جذبات کو مجروح کیا گیا۔ اربابِ انتظام کو اس طرف بھی توجہ مبذول کرنا چاہیے اور حقائق کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرنا چاہیے۔[1]

[1] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۱۲/نومبر ۱۹۵۴ء)

دار الحدیث مدینہ منورہ

دار الحدیث مدینہ منورہ کا ذکر آپ نے اخبار ''اہلِ حدیث'' امرتسر میں اکثر پڑھا ہوگا۔ اس وقت ہم لوگ اس کے انتظامات پر مطمئن نہ تھے، لیکن سیدی حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب مغفور کی دور اندیش نگاہیں اس نام کو زندہ رکھنا چاہتی تھیں۔ وہ احباب کی کراہت کے باوجود دار الحدیث مدینہ منورہ کے لیے مالی اعانت کی اپیل فرماتے رہے اور جو کچھ جمع ہوتا، پوری احتیاط سے مدینہ پہنچاتے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُ، وَاجْعَلْ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ.

اس وقت مدرسے کی عمارت اپنی نہ تھی۔ آج سے چند سال پہلے صاحب الجواد الخیر محترم حافظ حمید اللہ صاحب دہلوی مغفور نے اپنی جیب خاص سے مبلغ -/۹۰۰۰۰ (نوے ہزار) روپے میں ایک وسیع بلڈنگ خرید کر دار الحدیث کے لیے مخصوص فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ بَرِّدْ مَضْجَعَهُ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي أَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ.

بلڈنگ مدینہ منورہ کی آبادی کے لحاظ سے کافی وسیع ہے اور اگر اس میں مناسب اصلاح ہوجائے تو وہ کافی حد تک اپنے مصارف کو برداشت کر سکتی ہے، لیکن آمدن کے ذرائع کی کمی کی وجہ سے دار الحدیث کا نظم ہمیشہ تشنہ نہ رہا۔ دار الحدیث کا حساب و کتاب عرصے سے حکومت کی تحویل میں ہے۔ اس کمی اور تنگ دستی کے باوجود اخی المحترم الشیخ الاستاذ عبدالرحمان الافریقی السّلفی ہزار تحسین کے مستحق ہیں، جن کی مساعی سے یہ نام چلتا رہا۔ المغفور حافظ حمید اللہ صاحب دہلوی اس کی مزید اصلاح اور توسیع کے خواہش مند تھے، مگر موت نے انھیں اتنی مہلت نہ دی ؏

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

شیخ ابن مزاحم السّلفی قاضی القضاۃ مدینہ منورہ دار الحدیث کے انتظامات کی نگرانی فرماتے ہیں۔ اس وقت ہماری اطلاع کے مطابق دار الحدیث میں آٹھ مدرس ہیں اور قریباً دو صد طالب علم۔ بڑی

خوشنما عمارت میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ بئرِ بضاعہ[1] کے بالکل پہلو میں ہے۔

شیخ عبدالرحمان افریقی کچھ عرصے کے لیے ریاض گئے تھے۔ مگر معلوم ہوا ہے کہ وہ بہت جلد واپس تشریف لا رہے ہیں اور بمثلِ سابق دار الحدیث میں صدر مدرس کے فرائض انجام دیں گے۔

اس وقت دار الحدیث قریباً پندرہ ہزار (۱۵۰۰۰) روپے کا مقروض ہے۔ پاکستان اور ہندوستان جب تک اس دارالحدیث کی سرپرستی نہ فرمائیں، دار الحدیث اطمینان سے کام نہیں کر سکے گا۔ مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے کہ برادرم محترم شیخ محمد یحییٰ صاحب بن حافظ حمید اللہ دار الحدیث کے نظام سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ میری دلی خواہش ہے کہ ہندوستان کی جماعت اہلِ حدیث دار الحدیث کی مالی طور پر سرپرستی کرے اور دار الحدیث کو مستغنی کر دے۔ پاکستان و ہندوستان کے حجاج دار الحدیث کی عمارت میں بلا کرایہ قیام فرمائیں اور اپنے صدقات سے دار الحدیث کو مستغنی کریں۔[2]

---

[1] مدینے کا ایک کنواں، جس کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے۔

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۸/ جولائی ۱۹۵۲ء)

دار الحدیث مدینہ منورہ

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ دار الحدیث مدینہ منورہ کے لیے ایک وسیع عمارت مرحوم صاحبِ خیر حافظ حمید اللہ نے قریباً ایک لاکھ روپے میں خرید کر وقف فرمائی تھی۔ آج تک مدرسے کا نظم و نسق مولانا احمد دہلوی فرماتے رہے۔ مولانا احمد صاحب کے انتقال کے بعد حکومتِ سعودیہ نے دار الحدیث کا نظام مولانا عبدالرحمان صاحب افریقی کے سپرد فرمایا۔ اب تمام انتظامات حکومتِ سعودیہ کی سرپرستی میں مولانا عبدالرحمان افریقی فرمائیں گے۔

مولانا عبدالرحمٰن بہت بڑے عالم اور راسخ اہلِ حدیث ہیں۔ اس لیے جماعت اہلِ حدیث پاکستان کو اس درس گاہ کی سرپرستی کرنا چاہیے اور اسے مالی طور پر مستغنی کر دینا چاہیے۔

قیامِ مدینہ:

جو حجاج مدینہ منورہ جائیں، بہتر ہے کہ وہ دار الحدیث میں قیام فرمائیں۔ وہاں سامان کے لیے کمرے موجود اور سونے کے لیے سامنے کھلا میدان ہے۔ اس طرح آپ بدعات سے محفوظ رہیں گے اور سنت کے مطابق روضۂ اطہر کی زیارت کر سکیں گے۔ باقی ضروری انتظامات مولانا افریقی فرمائیں گے۔

اہلِ حدیث علماء کے لیے:

اہلِ حدیث علماء سے جو حضرات حج کے لیے تشریف لے جائیں، وہ مکہ مکرمہ میں مولانا محمد شریف صاحب اشرف سے ضرور ملیں۔ مولانا کا قیام رباط ٹونک میں ہے۔ وہ حرم میں روزانہ درس دیتے ہیں۔ ان سے مل کر مسلک اہلِ حدیث کی تبلیغ و اشاعت کے متعلق جس قدر کوشش ممکن ہو سکے، فرمائیں۔ مولانا سے آپ کو اور بھی معلومات اور فوائد حاصل ہو سکیں گے۔ مولانا محمد شریف اشرف لاہور کے رہنے والے ہیں۔ وہ پنجابی اور اُردو اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان سے ملاقات ہر لحاظ سے مفید رہے گی۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۵/ مئی ۱۹۵۶ء)

جماعت اہلِ حدیث کی
زیرِ تعمیر اور زیرِ تجویز مساجد

اللہ کا شکر ہے کہ جماعت میں تاحال نماز کی عادت اکثر پائی جاتی ہے، لیکن مشکل یہ ہے، ہمارے عام بھائیوں میں اتنی وسعتِ خیال نہیں۔ وہ گوارا نہیں فرماتے کہ ایک اہلِ حدیث ان کی مساجد میں اپنے طریق پر نماز گزار سکے۔ جھگڑے سے بچنے کے لیے عموماً علاحدہ مساجد کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔ اس لیے جماعت کی غربت کے باوجود بوجھ جماعت کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ قدرتی طور پر احباب اس کے لیے مرکز ہی کی طرف توجہ فرماتے ہیں۔ مرکزی دفتر کے پاس اس قسم کا کوئی فنڈ نہیں۔ مرکزی فنڈ بہ مشکل سابقہ ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا احباب کو مندرجہ ذیل گزارشات پر غور فرمانا چاہیے:

1. مسجد اپنی ضرورت کے مطابق شروع کریں۔ وسیع کام عموماً انجام تک مشکل پہنچتا ہے۔
2. کوشش فرمائیں کہ آپ کے قرب و جوار کے لوگ اس میں حصہ لیں، جو آپ کے حالات کو اصالتاً جانتے ہوں۔ دور دور تک سفراء کا جانا بہت سی بدگمانیوں کے دروازے کھولتا ہے۔
3. مساجد سادہ بنائی جائیں۔ عمارت، اخراجات کے تکلفات زیر باری کا موجب ہوتے ہیں۔
4. اگر ضرورتاً کہیں دور جانا پڑے تو اپنی ضلعی جماعت کی طرف سے شناختی دستاویز ضرور ہمراہ رکھیں، تاکہ آپ کے متعلق شبہہ نہ رہے اور ''الاعتصام'' میں بھی اعلان کرا دیں۔
5. اس وقت مندرجہ ذیل مساجد زیرِ تعمیر ہیں، جن کی طرف اصحابِ خیر کی توجہ ضروری ہے:

① پنڈی گھیپ، ضلع کیمبل پور	② بھکر، ضلع میاں والی
③ لیہ، ضلع مظفر گڑھ	④ حویلی لکھا، ضلع منٹگمری
⑤ قصبہ کنجاہ، ضلع گجرات	⑥ بالاکوٹ، ضلع ہزارہ

7 جوہر آباد، ضلع سرگودھا

یہ سب مساجد خصوصی توجہ کی مستحق ہیں۔ ان میں لیہ مسجد کے لیے زمین خرید لی گئی اور بیعانہ دے دیا گیا ہے۔ باقی رقم واجب الادا ہے، جس کے لیے مولوی عبداللہ مظفر گڑھی کی معیت میں ایک وفد احباب کی خدمت میں آ رہا ہے۔ امید ہے احباب ان سے تعاون کریں گے۔ یہ حضرات قابلِ اعتماد ہیں۔

بھکر کی مسجد کے لیے بقدرِ ضرورت زمین خرید لی گئی ہے، بلکہ مدرسے کے لیے بھی زمین حاصل ہو چکی ہے۔ بھکر کی مرکزی اہمیت کے پیشِ نظر یہاں مدرسہ اور مسجد عالی شان ہونی چاہیے، لیکن شہر میں جماعت بہت کم ہے اور کام کرنے والوں میں مولانا عبدالعزیز صاحب سعیدی کی حیثیت امتِ وحدہ کی ہے۔ مولانا اس کام میں شب و روز ایک کر رہے ہیں۔ اصحابِ خیر اس دور افتادہ علاقے کی ان دونوں مساجد کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

جوہر آباد اور کنجاہ کی مسجدوں کی چھت ابھی تک باقی ہے۔ چھت کے سوا ان مساجد میں نماز ادا کرنا مشکل ہو گا۔

بالا کوٹ کے مسئلے کو جماعتی سطح پر سوچنا چاہیے۔ دو کنال اراضی میاں فضل حق صاحب کی مساعی سے مبلغ چھے ہزار میں خرید لی گئی ہے۔ نقشہ وغیرہ بن جانے کے بعد اس کے مصارف کا تخمینہ بذریعہ ''الاعتصام'' احباب کے سامنے عرض کر دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ جامعہ سلفیہ کی مسجد کا کافی حصہ بن چکا ہے اور کافی کام باقی ہے۔ احباب اس مرکزی مسجد کی طرف توجہ فرمائیں تو بہتر ہے، ورنہ محترم شیخ محمد انور صاحب لائل پور اور میاں فضل حق صاحب کے اموال اور اولاد میں اللہ تعالیٰ برکت فرمائیں، ان کی جیبیں اس کی کفالت کر رہی ہیں۔ یہ فرضِ کفایہ ان شاء اللہ ادا ہو کر رہے گا۔

ایک تیسرے بزرگ مولوی عبیداللہ صاحب فیروز پوری نے بھی جامعہ کی تعمیر میں بہت کام کیا، مگر اب بے چارے بوڑھے ہو چکے ہیں اور تھک چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں خیر کی مزید توفیق مرحمت فرمائے۔[1]

محمد اسماعیل، مدرس گوجرانوالہ

امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۷/ نومبر ۱۹۶۴ء)

کنجاہ (گجرات، پنجاب) میں مسجد اہلِ حدیث

آج سے قریباً اسّی سال قبل قصبہ کنجاہ میں سردار کھڑک سنگھ ریٹائرڈ تھانے دار رہتے تھے۔ ان کے تین لڑکے تھے۔ بڑے لڑکے کا نام مول سنگھ تھا۔ والد نے مول سنگھ کو مسجد میں مولوی امام علی صاحب کے پاس تعلیم کے لیے بھیجا۔ مول سنگھ یہاں مسلمان ہو گئے۔ والدین کو علم ہوا تو انھوں نے سختی کی۔ مول سنگھ بھاگ نکلے۔ یہ مول سنگھ حضرت مولانا ابو القاسم بنارسی کے والد حضرت مولانا محمد سعید تھے۔ مولانا گھر سے اتنی دیر باہر رہے کہ وہ واقعی مولانا محمد سعید بن کر کنجاہ تشریف لائے۔ شہر کی جامع مسجد میں اسلام کی صداقت کے متعلق تقریر کی۔ چھوٹا بھائی ہیرا سنگھ مولانا سے متاثر ہوا، لیکن کھل کر اسلام کا اظہار نہ کر سکا۔ باقی خاندان اس نعمت سے محروم رہا۔ مولانا بالالتزام اپنے عزیزوں کی مدد فرماتے رہے اور مستقل اِقامت بنارس میں اختیار کر لی۔

عجیب بات ہے کہ یہ قصبہ پڑھے لکھے اور کاروباری لوگوں کی اقامت گاہ ہے، جو متحدہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک کاروباری ضرورت کے ماتحت جاتے رہے۔ لیکن توحید وسنت کی چاشنی سے بدستور محروم رہا۔ پڑھے لکھے لوگوں کی اعتقادی حالت عوام سے مختلف نہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تبلیغی اور تنظیمی مساعی سے اس قصبے میں بھی اب توحید وسنت کا کافی اثر ہوا ہے۔ خدا کرے مولانا محمد سعید بنارسی اور حضرت مولانا ابو القاسم کی رُوحیں اس تبدیلی سے جنت الفردوس میں مسرور ہوں۔ یہاں مسجد اہلِ حدیث کے لیے زمین خرید لی گئی ہے۔ عنقریب تعمیر شروع ہونے والی ہے۔ مقامی جماعت ان شاء اللہ مسجد کی تعمیر کرے گی۔ ناظرینِ ''الاعتصام'' سے استدعا ہے، اگر آپ حضرات اس معاملے میں اعانت فرمائیں تو جماعت آپ کی ممنون ہوگی۔

امدادی رقوم: مولوی محمد شریف صاحب چغتائی رنگ والے بازار کلاں، کنجاہ۔ ضلع گجرات کے پتے پر ارسال کی جائیں۔

محمد اسماعیل

ناظمِ اعلیٰ جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۲؍ مارچ ۱۹۶۳ء)

قصبہ بھائی پھیرو میں مسجد اہلِ حدیث کی تعمیر

قصبہ بھائی پھیرو اپنے محلِ وقوع کے لحاظ سے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں مختصر جماعت اہلِ حدیث موجود ہے۔ چوں کہ تمام قصبے میں جماعت اہلِ حدیث کی کوئی مسجد نہیں تھی، اس لیے ارکانِ جماعت بڑی دقت محسوس کر رہے تھے۔ بالآخر جماعت کے چند مخلص احباب نے کمال ہمت سے ایک مکان قیمتاً خرید کر مسجد کی بنیاد رکھ دی ہے اور توکل علی اللہ تعمیر شروع کر دی ہے۔

چوں کہ مقامی جماعت انتہائی کمزور اور قلیل ہے، اس لیے تمام مخیّر اصحاب اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے مخلص احباب سے مَیں استدعا کرتا ہوں کہ اس مسجد کی تعمیر کے لیے فیاضی کے ساتھ حصہ لیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور

جامع مسجد اہلِ حدیث جوہر آباد

جوہر آباد تھل میں جامع مسجد اہلِ حدیث کی شدید ضرورت تھی۔ اب اس کی تعمیر شروع ہو چکی ہے، لیکن روپے کی قلت ہے۔ وہاں کی جماعتی آبادی اتنی نہیں ہے کہ اتنا بڑا کام تنہا کر سکے۔ ہر مقام کی جماعت کو اس سلسلے میں جوہر آباد کی جماعت سے تعاون کرنا چاہیے اور مخیّر حضرات کو دل کھول کر روپے سے امداد کرنا چاہیے۔

آپ اپنا چندہ ''مولانا فتح محمد پٹیالوی، آئرن مرچنٹ، متصل ہسپتال ریل بازار، خوشاب، ضلع سرگودھا'' کے پتے پر ارسال فرمائیں یا ''دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان، شیش محل روڈ، لاہور'' میں پہنچا دیں اور مسجد جوہر آباد کی تصریح کر دیں۔

نیز مولانا عبداللہ صاحب ارشد خطیب جامع مسجد جوہر آباد آپ کے پاس مسجد کے لیے فراہمیِ چندہ کی غرض سے آ رہے ہیں، آپ ان سے پورا پورا تعاون کریں۔[2]

[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور

[گجرات میں مسجد کی تعمیر]

سید محمد شاہ صاحب گجرات پنجاب میں اسٹیشن کے قریب ایک مسجد بنا رہے ہیں۔ اسٹیشن کے قریب کوئی مسجد نہیں۔ نمازیوں کے علاوہ رات کے وقت بعض مسلمان مسافروں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے اصحابِ خیر سے امید ہے کہ اس مسجد کی امداد کر کے اجر حاصل کریں۔ شاہ صاحب موصوف کوئی پیشہ ور سائل نہیں، بلکہ تجارت سے اپنی روزی کماتے ہیں۔

انھوں نے اپنی جیب سے بھی روپے اس مسجد پر صَرف کیے ہیں۔ اب مجبوراً یہ اعلان شائع کرا رہے ہیں۔

محمد اسماعیل[1]

۲۲/ ۱۱/ ۴۴ء

[1] ہفت روزہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر (۱۲/ فروری ۱۹۴۵ء)

تعمیرِ مسجد کے لیے فراہمیِ زر کی ضرورت

مولانا [عبدالعزیز] سعیدی کی اس اپیل سے پورا پورا اتفاق ہے۔ میں اور میاں فضل حق بھکر گئے۔ مسجد کا مذکورہ قطعہ دیکھا۔ وہاں کی مقامی جماعت کی معاشی حالت کا اندازہ کیا۔ یہ مسجد واقعی ہر لحاظ سے اس قابل ہے کہ اصحابِ خیر اس کی طرف توجہ دیں۔

مولانا سعیدی اس کام میں اپنا وقت دے رہے ہیں۔ میری دانست میں وہ واقعی قابلِ اعتماد ہیں۔ اس کے علاوہ پنڈی گھیپ، ضلع کیمبل پور اور بالا کوٹ ضلع ہزارہ کی مساجد بھی مستحق ہیں۔ اصحابِ خیر ان کی طرف توجہ فرمائیں۔ ایسے علاقوں میں مسجد اور توحید و سنت کی اشاعت اضعافاً مضاعفہ اجر کا موجب ہوگا۔[1]

والسلام
محمد اسماعیل
امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۲/ مئی ۱۹۶۴ء)

رسالہ رحیق کے لیے اپیل

میں نے ''رحیق'' کی متعدد اشاعتوں کو بغور پڑھا۔ ادارہ رحیق نے آثارِ سلف کے احیاء اور جدید بدعات کے خلاف جس جرأت سے قدم اُٹھایا ہے، یہ وقت کی آواز تھی۔ رحیق کو زندہ رکھنا اور اسے اہلِ حضرات تک پہنچانا، بلکہ ان مریضوں تک پہنچانا جن کی بیماری کا یہ صحیح علاج ہے، تمام اہلِ توحید کا فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ ادارہ رحیق کو توفیق مرحمت فرمائے کہ وہ اپنی آواز ہر کان تک پہنچا سکے۔[1]

والسلام

محمد اسماعیل، کان اللہ لہ

گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۳؍ مئی ۱۹۵۷ء)

حادثۂ فاجعہ اور مخیّر حضرات

قحط الرجال کے اس دور میں ہماری جماعت کو تازہ نقصان یہ پہنچا ہے، ایسا نقصان جس کی جلد تلافی بظاہر مشکل ہے کہ جماعت کے مشہور پُر جوش اور سراپائے اخلاص مبلغ مولوی محمد ابراہیم صاحب خادم تاندلیانوالہ کشتی کے حادثے کی نذر ہو گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

مجھے میرے رفقاء سمیت اس سے سخت صدمہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عاشقِ توحید و سنت اور دل دادۂ حریت کو جنتِ بریں میں اعلیٰ مقام عنایت فرمائے۔

مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مرحوم نہ صرف کثیر العیال، بلکہ مقروض بھی تھے۔ گو اپنا کاروبار بھی کرتے تھے، مگر تبلیغی کاموں میں انہاک کے باعث معاش کے لیے وہ زیادہ وقت نہیں دے سکتے تھے، اس وجہ سے آمدنی نہایت محدود رہی۔ نیز خود دار ہونے کی بنا پر کسی سے اپنی مشکلات بیان نہ کرتے۔ اب صورتِ حال یہ ہوگئی ہے کہ ان کی اولاد سے کوئی بھی بوجھ اُٹھانے کے قابل نہیں۔

میں تمام جماعت خصوصاً متمول و مخیّر احباب کو اس طرف توجہ دلانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ مرحوم مولانا ابراہیم خادم کے بچوں کی کفالت اور اُن کے قرض کی ادائیگی میں ہاتھ بٹائیں۔ مرحوم نے اپنی زندگی تبلیغ کے لیے وقف کر رکھی تھی۔ ہمارا اسلامی اور اخلاقی فرض ہے کہ مرحوم کا بوجھ ہلکا کرنے میں پوری کوشش کریں۔

یہ اعانت میاں عبد المجید صاحب (ناظمِ مالیات مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مجیدیہ فلور ملز، مصری شاہ لاہور) کے نام روانہ کی جائے، تاکہ باقاعدہ نظم کے تحت پس ماندگان تک پہنچ سکے۔[1]

(مولانا) محمد اسماعیل

(امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان)

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۱ / جولائی ۱۹۶۷ء)


دروس وخطابات

مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے تفسیری افادات

ترتیب: فیض لدھیانوی

آج سے تقریباً بارہ سال پہلے قیامِ گوجرانوالہ کے دوران میں وقتاً فوقتاً مجھے مولانا محمد اسماعیل ذبیح رحمہ اللہ (خطیب جامع اہلِ حدیث چوک نیائیں) کے مواعظِ حسنہ سننے کی سعادت نصیب ہوئی تھی۔ میری یہ پرانی عادت ہے کہ مجھے کسی صاحبِ علم و دانش کی کوئی بات پسند آئے تو میں گھر آ کر اپنی یادداشت کے مطابق اسے اپنی ڈائری میں درج کر لیتا ہوں۔

نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن مجید کے سلسلے میں یوں تو مولانائے مرحوم کی تفسیری تقریر روزانہ خاصی طویل ہوتی تھی، لیکن میں نے وہی باتیں نوٹ کی ہیں جن کو یاد رکھنا میں اپنے نزدیک ضروری خیال کرتا تھا۔ ناظرینِ ''الاعتصام'' کو ان شذرات میں بظاہر کوئی خاص تسلسل نظر نہیں آئے گا، لیکن مطالعہ کے بعد وہ بلاشبہہ یہ محسوس فرمائیں گے کہ ہر ٹکڑا اپنی جگہ مکمل اور معنی خیز ہے۔ (فیض لودھیانوی)

1 جنّ کی خصوصیات:

قرآن پاک کی سورۃ الرحمان سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں کو بھی عقل دی گئی ہے، ورنہ اس طرح دونوں کو یکساں طور پر غور و فکر کرنے کی دعوت نہ دی جاتی۔ قرآن کریم ہی سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ جنوں کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور وہ بھی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ ان باتوں کے علاوہ ہمیں ان کی نسبت اور کوئی بات معلوم نہیں۔

2 شیطان کی سرکشی:

فرشتوں نے انسان کے متعلق خون ریزی کا خدشہ ظاہر کر کے کچھ اچھی رائے کا اظہار نہ کیا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ ان کے دل میں انسان کا احترام پیدا کیا جائے۔ چناں چہ باری تعالیٰ نے فرشتوں کو

حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں۔ سب فرشتوں نے اس حکم کی تعمیل کی، لیکن شیطان نے انکار کر دیا۔

امام رازی رحمہ اللہ ذرا منطقی اور فلسفی قسم کے بزرگ گزرے ہیں، ان کے نزدیک شیطان کا یہ استدلال وزن دار تھا کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں، جس کا خاصہ بلندی کی طرف جانا ہے اور آدم علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا گیا ہے، جس کا خاصہ پستی کی طرف مائل ہونا ہے، لیکن شیطان کا فرض یہ تھا کہ وہ اختلافِ رائے کے باوجود سب سے بلند ہستی (خدا) کا حکم مانتا اور نافرمانی کر کے راندۂ درگاہ نہ بنتا۔

امام رازی رحمہ اللہ کی اس نکتہ آفرینی سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی گھر ہو یا کوئی انجمن، اس کے افراد و ارکان کو کسی معاملے میں اختلافِ رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے۔ لیکن جب کافی رد و کد اور بحث و تمحیص کے بعد گھر کا سربراہ یا انجمن کی اکثریت کسی بات کا آخری فیصلہ کر دے تو پھر کسی فرد یا کسی رکن کو اس فیصلے کی مخالفت کا حق نہیں پہنچتا، بلکہ گھر کے تمام افراد اور انجمن کے تمام ارکان کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس فیصلے کی پوری پوری پابندی کریں۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان نے اگر اپنی برتری کا خیال ظاہر بھی کر دیا تھا تو وہ برتری انسان کے مقابلے میں تھی، لیکن اس اختلاف کے بعد اس کو چاہیے تھا کہ وہ سب سے اعلیٰ اور سب سے برتر ہستی (پروردگار) کا حکم مانتا اور سرکشی کر کے ذلیل نہ ہوتا۔

3 ایمان اور تکبر:

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے شیطان کا انکار بر بنائے توحید پرستی نہیں، بلکہ بر بنائے تکبر تھا۔ تکبر خدا تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تکبر اور ایمان کسی دل میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ جس دل میں تکبر ہے وہ سراسر ایمان سے خالی ہے اور جس دل میں ایمان ہے، وہاں تکبر کا گزر بھی نہیں ہوگا۔

4 تکبر کسے کہتے ہیں؟

تکبر کی تعریف یہ ہے کہ انسان حق بات کو جھٹلائے اور دوسروں کو اپنے مقابلے میں ذلیل و حقیر خیال کرے۔ جس شخص میں یہ دو بُری عادتیں ہوں گی، وہ متکبر سمجھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کو عاجزی اور انکسار پسند ہے۔ فرشتوں کا یہ اندازہ صحیح نہیں تھا کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد خونریزی کرے گی۔ آج

ہم دیکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایسے ایسے برگزیدہ لوگ بھی گزرے ہیں جن کے دم قدم سے دنیا کا امن قائم رہا۔ ہر مسلمان کو عاجزی اور انکساری اختیار کرتے ہوئے امن پسند ہونا چاہیے۔

5 سجدۂ تعظیمی جائز نہیں:

تعظیم عبادت ہی کا ایک جزو ہے۔ معبود کی عظمت دل میں نہ ہوگی تو عابد کی سجدہ ریزی بے کار ہے۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سجدۂ تعظیمی کسی بزرگ کے سامنے جائز ہے، درست نہیں۔ یہ خواہ مخواہ کا جواز پیدا کیا گیا ہے۔ سجدۂ تعبدی صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اس کے سوا باقی ہر قسم کا سجدہ شریعتِ محمدیہ میں ناجائز ہے۔ آدمی گناہ کو گناہ سمجھے تو اسے توبہ کی توفیق حاصل ہوگی۔ اگر اس نے اس کے جواز کی راہ تلاش کی تو سمجھو شیطان کامیاب ہے۔

6 تین سجدے:

قرآنِ کریم کی رو سے تین سجدے غیرِ خدا کو ثابت ہوتے ہیں۔ فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے مع افرادِ خاندان حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیزِ مصر بننے کے بعد سجدہ کیا، لیکن نبیِ کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں غیرِ خدا کو سجدہ کرنا شرک قرار دیا گیا۔ اب یہ ایک ایسا گناہ قرار دیا گیا ہے جو ناقابلِ معافی ہے۔ مشرک بہ ہر حال جہنم رسید ہوگا۔

7 مسیلمہ کی سرکوبی:

مسیلمہ (جس نے بعد میں تاریخ میں مسیلمہ کذاب سے شہرت پائی) یمن کا رہنے والا تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا، بلکہ ایک جھوٹا موٹا قرآن بھی مقابلے میں تیار کر لیا تھا۔ حالت یہ تھی کہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس کے گرد جمع ہو گئے تھے اور فتنۂ ارتداد بہت تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے اسامہ رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر روانہ کیا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ٹائیفائڈ بخار (تپِ محرقہ) میں مبتلا تھے۔ لشکر ابھی روانہ ہی ہوا تھا کہ فوراً بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔

اسامہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو وہ راستے ہی سے واپس آ گئے۔ بعد ازاں مسیلمہ پر حملہ کرنے کے

سلسلے میں بڑی بحث ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سوا باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حملہ نہ کرنے کا مشورہ دیتے تھے۔ شاید اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہو کہ خزانے میں گنجایش نہ ہو اور زکات وصول نہ ہونے کے باعث آمدنی کم ہو گئی تھی، لیکن خلیفۂ وقت نے فرمایا کہ جو جھنڈا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمایا ہے، اب وہ واپس نہیں ہو سکتا۔ میں اکیلا ہی مسیلمہ کے ساتھ جنگ کروں گا۔ کوئی میرا ساتھ دے چاہے نہ دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی عزیمت کا حال دیکھا تو اختلافِ رائے کے باوجود اپنے سربراہ کے فیصلے کو تسلیم کر لیا اور باقاعدہ لشکر کی صورت میں مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گئے۔ خدا تعالیٰ کی نصرت سے اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔

8 خیر و شر لازم و ملزوم ہیں:

خدا نے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا، وہاں نمرود بھی سرکشی کے ترک پر آمادہ نہ ہوا۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا، وہاں فرعون کو بھی تخت و تاج کا مالک بنایا۔ قومِ عاد کی طرف جہاں ہود علیہ السلام کو ہادی بنا کر بھیجا، وہاں روایتی شداد کو بھی ضلالت کے راستے پر ڈال دیا۔ جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے سرفراز فرمایا، وہاں ابوجہل بھی کفر میں پختہ ہی ہوتا چلا گیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی مشیت کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا میں خیر کے ساتھ ساتھ شر کا وجود بھی باقی رہے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خیر کے مقابلے میں آج شر زیادہ ہے۔

9 دعا کی قبولیت کا مسئلہ:

اپنی خواہش ظاہر کرنے اور دعا مانگنے کا حق ہر انسان کو حاصل ہے، چاہے وہ نیک ہو یا بد، لیکن خدا تعالیٰ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ وہ نیک کی ہر دعا ضرور قبول کرے اور بد کی کوئی دعا بھی قبول نہ کرے۔ یہ درست ہے کہ وہ اپنے نیک بندوں کی اکثر دعائیں قبول فرماتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اپنے بدکار بندے کی کوئی دعا بھی قبول نہ کرے۔ بعض اوقات وہ پیغمبر کی التجا کو رد کر دیتا ہے، چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا اپنے بیٹے کے حق میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اپنے باپ کے حق میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اپنے چچا ابوجہل کے حق میں منظور نہیں کی، حالاں کہ یہ دعائیں نیک جذبات پر مشتمل تھیں۔ اس کے برعکس اس قادرِ مطلق نے جو کسی کے سامنے بھی جواب دہ نہیں ہے، شیطان کی دعا کو منظور فرمایا اور اس کی خواہش کے مطابق اسے قیامت تک

اس بات کی چھٹی دے دی کہ وہ عام انسانوں کو گمراہ کرے۔ واضح رہے کہ ”عباد اللہ المخلصین“ اس ملعون کی زد سے باہر ہیں۔

⑩ جنت اور دوزخ:

جنت نہایت امن اور ابدی راحت کا مقام ہے، لیکن اس تک پہنچنے کا راستہ بے حد دشواریوں سے معمور ہے۔ دوزخ نہایت تکلیف اور انتہائی ذلت کا مقام ہے، لیکن اس تک پہنچنے کا راستہ بڑی آسایشوں اور عیاشیوں سے پُر ہے۔

⑪ اجتماعی گناہ:

جس طرح ”مرگِ انبوہ جشنے دارد“ ایک حقیقت ہے، اسی طرح جب کوئی گناہ اجتماعی صورت اختیار کر جائے تو عام لوگوں کے دلوں سے اس کے گناہ ہونے کا احساس کم ہو جاتا ہے، بلکہ مٹ جاتا ہے۔ وہ زبانی طور پر برائی کو برائی تو کہہ دیتے ہیں، لیکن اس کو اختیار کرتے ہوئے ذرا نہیں شرماتے، مثلاً: تمبا کو پینے والے اور نہ پینے والے تمام لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ بالکل بے کار چیز ہے، لیکن آج یہ برائی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ہر ناصح کی نصیحت بے کار ہو کر رہ گئی ہے یا، مثلاً: آج کل ڈاڑھی منڈانے کا رواج اس قدر عام ہو گیا ہے کہ نمازیوں کی صفوں کی صفیں بے ریش دکھائی دیتی ہیں۔ حالاں کہ ڈاڑھی منڈانا بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ ہے، لیکن فی زمانہ اجتماعی گناہ ہونے کی وجہ سے اس معصیت کا احساس لوگوں کے دلوں سے ختم ہو گیا ہے۔

ایک مرتبہ شاہ صاحب (غالباً سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ مرحوم مراد ہیں) بمبئی گئے۔ انھوں نے وہاں دیکھا کہ ہر سیٹھ نے سونے کے بٹن اور سونے کی انگوٹھی پہن رکھی ہے۔ (ان دو چیزوں کا وہاں بہت رواج ہے، بلکہ یہ سیٹھ ہونے کی نشانیاں سمجھی جاتی ہیں) آپ نے جب ان لوگوں کو منع کیا تو وہ سب ہنسنے لگ گئے۔ حالاں کہ مرد کے لیے سونا پہننا شرعاً حرام ہے۔ مطلب یہ کہ جب بہت سے نادانوں میں ایک دانا گھر جائے تو وہ اسے نادان سمجھ کر ہنسی اڑاتے ہیں۔ یہ سب اثر اجتماعی گناہ کا ہے۔

شیطان نے انکارِ سجدہ کی بحث کے وقت یہی کہا تھا کہ میں اول گناہ کو مزین کر کے لوگوں کے سامنے پیش کروں گا، دوسرے اسے اجتماعی رنگ دوں گا، تا کہ لوگ اس کے ارتکاب سے گھبرائیں نہیں۔

(12) غصہ، حسد اور کینہ:

کسی ناپسندیدہ بات پر دل میں ناراض ہونے کی ایک لہر اُٹھی اور تھوڑی دیر کے بعد ختم ہو گئی، اسے غصہ کہتے ہیں۔ یہ انسان کی فطرت ہے، جوش اور غضب ہر بشر میں پایا جاتا ہے، لیکن اُسے دوام نہیں ہونا چاہیے۔

کسی سے ناراض ہونے کے بعد دل میں یہ آرزو پیدا کرنا کہ اس کی فلاں نعمت زائل ہوجائے تو اچھا ہے، اِسے حسد کہتے ہیں۔ یہ بہت معیوب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس جذبے سے محفوظ رکھے۔

کسی کے خلاف اپنے دل میں انتقامی جذبات کا پرورش کرنا، بدلہ لینے کے لیے موقعے کی تلاش میں رہنا، کینہ کہلاتا ہے۔ یہ بھی ایک بدترین خصلت ہے۔

(13) نعمت کی قسمیں:

نعمت کی دو قسمیں ہیں: مادی نعمت اور روحانی نعمت۔ اللہ تعالیٰ جسمانی آسایش کا سامان عطا فرمائے تو یہ مادی نعمت ہے اور اگر روح کی سلامتی کا سامان عطا فرمائے تو یہ روحانی نعمت ہے۔ اگر کوئی شخص جسمانی آسایش کا سامان حاصل کرنے کے لیے کسی کو فریب دے اور اس کے بعد قانون کی گرفت میں آنے کے اندیشے سے ہر وقت بے چین رہے تو وہ خسارے میں ہے، کیوں کہ اس نے جسم کی خاطر ایک ناجائز حرکت سے اپنی روح کو ذبح کر لیا ہے۔ اب وہ بظاہر ایک کھوکھلا سا بدن ہے، جو لوگوں کو حرکت کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

(14) اہلِ جنت کی زندگی:

جنت میں جانے والے لوگوں پر انعاماتِ الٰہی کی بارش ہوگی۔ ان کے دل ہر قسم کے مخالفانہ جذبات سے پاک ہوں گے۔ وہ کسی قسم کی اُکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں کریں گے۔ اُنھیں موت کا کوئی کھٹکا نہ ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اہلِ جنت اور اہلِ دوزخ کا فیصلہ ہوچکنے کے بعد موت کو ایک جانور کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے جنت و دوزخ کے درمیان ایک مقام پر ذبح کر دیا جائے گا۔[1] جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اب کسی کے لیے کوئی موت نہیں ہے۔ اہلِ جنت اس خبر سے خوش ہوں گے اور اہلِ دوزخ رنجیدہ۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٤٥٣) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٨٤٩)

15 نیکی کی زینت:

ایک نیکی دوسری نیکی کی زینت ہے۔ روزہ رکھ کر اسے شراب سے افطار کرنا پہلی نیکی کو بھی برباد کرنا ہے۔

16 اسلامی تاریخ کا ایک پہلو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار بہادروں میں ہوتا تھا۔ چناں چہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں انھوں نے متعدد لڑائیوں میں شریک ہو کر اپنی خداداد شجاعت کے جوہر دکھائے۔ لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوئی لڑائی نہیں لڑی، بلکہ صرف وزیر اور حکومت کے مشیر کی حیثیت سے کام کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں جو اختلافات رونما ہوئے، ان کی وجہ چاہے کچھ بھی ہو، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چار و ناچار ان میں حصہ لینا پڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب خلافت کا منصب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا تو وہ بڑھاپے کے باوجود پھر جنگوں میں شرکت فرمانے لگے۔ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہما ان کے مخالفین سے مل گئے تھے، کیوں کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا دی جائے، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصلحتاً ایسا کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

17 غفور رحیم کا مطلب:

غفر کے معنی ہیں ڈھانپنا۔ خدا تعالیٰ بندوں کے بعض گناہوں پر پردہ ڈال دے گا اور انھیں ظاہر نہ ہونے دے گا۔ ان معنوں میں وہ غفور ہے۔ کسی کے حق میں مغفرت کی دعا کا یہی مطلب ہے کہ پروردگار اس کی خطاؤں کو پوشیدہ رکھے اور اسے رسوا نہ ہونے دے۔

رحم کے معنی ہیں ترس کھانا۔ خدا تعالیٰ بندوں کے اچھے اعمال کی واجبی جزا سے بڑھ کر انھیں نوازے گا اور ان کے جائز حق سے زیادہ انعامات مرحمت فرمائے گا۔ ان معنوں میں وہ رحیم ہے۔ کسی کے لیے رحمت کی دعا کا یہی مطلب ہے کہ پروردگار اس پر زیادہ سے زیادہ مہربانی فرمائے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کی ان دو صفتوں کا بہت زیادہ ذکر آیا ہے۔

18 آپس میں سلام کرنا:

قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ آپس میں سلام کرنا فرشتوں کا بھی شیوہ ہے، چناں چہ جب

کچھ فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس غلامِ علیم، یعنی دانش مند بیٹے (حضرت اسحاق علیہ السلام) کی ولادت کا مژدہ لے کر آئے تو انھوں نے سب سے پہلے سلام عرض کیا۔

(19) نیک نامی کا اثر:

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا نام ہاجرہ علیہا السلام تھا اور حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ کا نام سارہ علیہا السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور بھی کئی بیٹے تھے، لیکن ان دو کا نام زیادہ مشہور ہے۔ بلکہ ان کی نیک اور پیغمبرانہ زندگی کے سبب اُن کی مائیں بھی تمام عالمِ اسلام میں ممتاز ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نیک اولاد کی نیک نامی کا اثر لازماً والدین پر بھی پڑتا ہے۔

(20) مشیتِ الٰہی کا ظہور کبھی بلا اسبابِ عادیہ بھی ہو جاتا ہے:

عام حالات میں پیغمبر بھی عوام الناس کی طرح اسباب کا محتاج ہوتا ہے، لیکن جب پروردگار کوئی خاص بات اسباب کی کڑیاں ملائے بغیر ظہور میں لانا چاہے تو خود بہ خود ایسا ہو جاتا ہے اور کوئی رکاوٹ راہ میں حائل نہیں ہوتی، مثلاً: حضرت زکریا علیہ السلام کے ہاں بڑھاپے میں لڑکا پیدا ہوا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں بھی پیری کے عالم میں حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ دونوں بزرگ خود بھی حیران تھے کہ اس عمر میں ایسا کیوں کر ہو سکتا ہے، لیکن خدا کی مشیت چوں کہ اسی طرح تھی، اس لیے ایسا ہو کر رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم نے بھی حیران ہو کر فرشتوں کو یہی کہا تھا کہ مجھے کسی مرد نے ہاتھ نہیں لگایا۔ پھر میرے ہاں لڑکا کیوں کر پیدا ہو گا؟ لیکن خدا نے اسباب کی قید کو دور کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ کو باپ کے بغیر پیدا کیا اور اپنی مشیت کا تقاضا پورا فرمایا۔

(21) دل کی موت:

غلط کار انسان دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو بتقاضائے بشریت اگر کوئی غلطی کر بیٹھیں تو جلد یا بدیر اس کا احساس کر کے استغفار کرتے ہیں اور اس غلطی کی نہ صرف تلافی کرتے ہیں، بلکہ آیندہ بھی محتاط رہتے ہیں کہ اس قسم کی غلطی کا ان سے اعادہ نہ ہو۔ دوسرے وہ جنھیں اپنی غلط کاری کا قطعاً احساس نہیں ہوتا اور غلطی کرنے کے بعد خوشی محسوس ہوتی ہے اور نہ برائی کے بعد افسوس ہوتا ہے۔ دل کی موت اسی کیفیت کا نام ہے۔

22 مایوسی کفر ہے:

اللہ کی رحمت سے انسان کو کسی حالت میں بھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ یہ گناہ، بلکہ کفر ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ سخت مایوسی کے عالم میں بھی وہ اچانک ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ پانسا پلٹ جاتا ہے اور کامیابی کی صورت جلوہ گر ہو جاتی ہے۔ مومن کا دل حق تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ البتہ جن لوگوں کا دل مردہ ہو چکا ہو اور جو ضلالت کی گہرائی میں گر چکے ہوں، وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ شرک کے سوا پروردگار ہر قسم کے گناہ معاف کر دے گا۔ قرآن پاک میں کئی جگہ تلقین کی گئی ہے کہ خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

23 لفظ آل کے معنی:

آل کا لفظ کئی بار آیا ہے۔ اس کے معنی کو صرف گھر کے افراد تک محدود کرنا درست نہیں، بلکہ آل سے مراد وہ تمام لوگ ہیں جو رشتے داری کا تعلق رکھنے کے علاوہ ہم خیال اور ہم عقیدہ بھی ہوں، اس اعتبار سے کسی پیغمبر کے تمام متبعین اس کی آل ہیں، مثلاً: آلِ موسیٰ اور آلِ لوط وغیرہ۔ فرعون کے پیروکاروں کو بھی قرآن نے آلِ فرعون کہا ہے۔

24 مردود بیوی:

حضرت نوح علیہ السلام [کی بیوی] کی طرح حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی مردود ہے، کیوں کہ وہ مخبری کا کام کرتی تھی اور اپنے پیغمبر شوہر کی تمام تبلیغی سکیموں کا راز قبل از وقت فاش کر دیتی تھی۔ یہاں یہ نکتہ ملحوظِ خاطر رہنا چاہیے کہ پیغمبر کی بیوی کافرہ تو ہو سکتی ہے، لیکن وہ زانیہ ہرگز نہیں ہوتی۔

25 نجات کے لیے اچھے اعمال کی شرط:

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں پیغمبرانہ زوجیت کا درجہ رکھنے کے باوجود قابلِ تعزیر ہیں۔ اس سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آجاتی ہے کہ محض کسی نیک آدمی کے قرب میں رہنے یا اُس کی خدمت انجام دینے سے نجات لازم نہیں ہو جاتی، بلکہ نجات کے لیے اچھے اعمال کی شرط لازمی ہے۔ جو لوگ کسی پیر یا بزرگ کے پاس اُٹھنے بیٹھنے اور اس کی خدمت کرنے کو نجات کا ذریعہ خیال کرتے ہیں، انھیں آنکھیں کھولنی چاہییں۔

26 یہود و نصاریٰ کا حضرت لوط علیہ السلام پر شرمناک الزام:

یہودی اور عیسائی حضرت لوط علیہ السلام کو پیغمبر تسلیم نہیں کرتے، بلکہ از راہِ شرارت اُن پر اپنی بیٹیوں سے زنا کا الزام لگاتے ہیں۔ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔ واضح رہے کہ حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔

27 سنگین گناہ کا سنگین عذاب:

حضرت لوط علیہ السلام ہجرت کے بعد سدوم کی بستی میں اقامت گزیں ہو گئے تھے۔ اُن کی قوم خلافِ وضع فطری فعل میں بُری طرح مبتلا تھی اور معاشرہ بے حد بگڑا ہوا تھا۔ آپ کی کوشش کے باوجود راہِ راست پر نہ آئے۔ اِغلام کی شناعت و برائی کے علاوہ وہ عام مسافروں کو راہ بتانے کے بجائے گمراہ کر دیتے تھے اور پھر خوب مذاق اُڑاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد و ثمود کی طرح آخر کار قومِ لوط کو بھی ہلاک کر دیا اور آج ان کا نام ونشان بھی کہیں باقی نہیں ہے۔ چوں کہ ان کا گناہ سنگین قسم کا تھا، اس لیے ان پر عذاب بھی سنگین قسم کا نازل ہوا، یعنی زمین کا تختہ اُلٹ دیا گیا اور حضرت لوط علیہ السلام کی تمام قوم مَنوں خاک کے نیچے زندہ دفن ہو کر ختم ہو گئی۔ مغلوں کی سلطنت کو زوال آیا، لیکن ان کی نسل آج تک باقی ہے۔ کسی قوم کی پوری نسل کا نابود ہو جانا حقیقتاً بہت بڑا عذاب ہے۔

28 حد اور تعزیر میں فرق:

جن گناہوں کی سزا اسلام نے خود مقرر کر دی ہے، اس سزا کو حد کہتے ہیں، مثلاً: ثبوت مہیا ہو جانے پر زانی اور زانیہ کی سزا بہر حال انھیں سنگسار کرنا ہے، یا شرعی شہادتوں کی بنا پر چور کا ہاتھ بہر حال کاٹنا چاہیے۔ اس میں کوئی رعایت نہیں کی جا سکتی۔

تعزیر اس سزا کو کہتے ہیں (جو شریعت میں متعین نہیں کی گئی) جس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے اور حاکمِ وقت جرم کی نوعیت کے پیشِ نظر اپنی صوابدید سے جیسی سزا مناسب سمجھے، دے سکتا ہے۔

29 زنا اور یورپ:

اسلام نسب کی حفاظت کا بہت زیادہ حامی ہے، اس لیے اس نے زانی اور زانیہ کے لیے سخت ترین سزا مقرر کی ہے، تاکہ لوگوں کے اَنساب میں گڑ بڑ نہ ہو، لیکن یورپ اس سنگین سزا کا نام سن کر چیخ اٹھتا ہے۔ وہ آج تک شور مچا رہا ہے کہ اسلام نے زنا کی سزا بہت زیادہ رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے

کہ اسلام میں نہ حرام زادوں کی گنجایش ہے نہ حرام خوروں کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے زانیوں اور چوروں کو سخت سزا دینے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ شرک اور کفر بھی سنگین گناہ ہیں، لیکن ان سے مشرک اور کافر خود ہی متاثر ہوتا ہے، معاشرے کو نقصان نہیں پہنچتا۔ مشرکوں اور کافروں کو اللہ تعالیٰ آخرت میں پوری سزا دے گا۔

30 برائیوں کا حل:

اسلام نے جہاں زنا کی اتنی سخت سزا مقرر کی ہے، وہاں بیک وقت چار نکاحوں کی اجازت دے کر اس کا حل بھی پیش کر دیا ہے۔ جہاں چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نافذ فرمایا ہے، وہاں غریبی کو دور کرنے کے لیے زکات اور صدقات ادا کرنے کا فرض بھی مالداروں پر عائد کر دیا ہے۔ پالیسی ہمیشہ یک طرفہ ناکام ہوتی ہے۔ ان احکامات کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ضابطہ شکنی کا ثبوت دے اور زنا یا چوری کا ارتکاب کر کے خواہ مخواہ معاشرے میں فتور پیدا کرنے کی کوشش کرے تو وہ واقعی سخت سے سخت سزا کا مستوجب ہے۔

31 مخالفینِ حق کے چار درجے:

پہلا درجہ ''اِعراض'' کا ہے، جس کے لفظی معنی ہیں: روگردانی۔ اپنی دیگر مصروفیات کے باعث حق سے کوئی واسطہ نہ رکھنا اور نہ حق کی مخالفت میں کوئی خاص سرگرمی دکھانا۔ یہ محرومی اور بدنصیبی کی دلیل ہے۔

دوسرے درجے کا نام ''کفر'' ہے، جس کے معنی ہیں: چھپانا یا کسی نعمت کا انکار کرنا۔ کسی خاص ہنگامہ آرائی کے سبب بے تعلق لوگوں کے سامنے اگر حق خود ہی پہنچ جائے تو اس کو تسلیم کرنے سے کترانا۔ یہ مقام اِعراض سے بدتر ہے۔

تیسرے درجے کا نام ''نفاق'' ہے، جس کے معنی ہیں: دورُخی چال چلنا۔ مصلحتاً کبھی حق کو قبول کر لینا اور کبھی اُس سے پھر جانا۔ ہوا کا رخ دیکھ کر بھاری پلے کی طرف ہوجانا۔ یہ مقام کفر سے بدتر ہے۔

چوتھے درجے کا نام ''استہزاء'' ہے، جس کے معنی ہیں: مضحکہ اُڑانا۔ حق کے دلائل کو بے وقار کرنے کے لیے مسخرہ پن دکھانا۔ سچی بات کو بے وزن کرنے کے لیے مذاقیہ انداز اختیار کرنا۔ یہ مقام بھی کفر سے بدتر ہے۔

(32) گوشت خوری کا مسئلہ:

ہندو دھرم کے قائلین کو گوشت خوری کے سلسلے میں ''رحم'' کی بدہضمی ہے اور نام نہاد مسلمانوں کو طیب مال کی آڑ میں ''حلال خوری'' کی بدہضمی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی اعتدال کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ضرورت کے وقت حلال جانور کا ذبح کر لینا اور اس سے فائدہ اُٹھانا بالکل جائز اور فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ البتہ بلا ضرورت بارہ مہینے گوشت خوری کا عادی ہونا قابلِ اعتراض ہے۔ اس عادت کو پورا کرنے کے لیے بعض اوقات نہایت کام کے جانور ضائع ہو جاتے ہیں۔

اسلام نے گوشت خوری کو مباح قرار دیا ہے، روزانہ کھانے کا حکم نہیں دیا۔

(33) چوپایوں کی اہمیت:

قرآن کی اصطلاح میں چوپایوں کو جمال کہا گیا ہے۔ چوپائے واقعی انسان کے لیے زینت کا سبب ہیں۔ خصوصاً دیہاتی لوگوں کے بینک اُن کے یہی ریوڑ ہیں۔ اُن کو جب روپے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ اپنا ایک آدھ جانور بیچ کر رقم فراہم کر لیتے ہیں اور جب کبھی کہیں سے دولت اُن کے ہاتھ لگتی ہے تو وہ چوپائے خرید کر اُسے محفوظ کر لیتے ہیں۔

انسان کے لیے دودھ کی حفاظت بہت مشکل تھی، جانور تازہ دودھ کا ذخیرہ لیے پھرتے رہتے ہیں۔ اُن کے تھنوں کو گویا تالے لگے ہوئے ہیں۔ مجال ہے جو ذرا سا دودھ بھی ضائع ہو جائے۔ انسان کو جب بھی ضرورت پڑتی ہے، ان سے دودھ حاصل کر لیتا ہے۔

(34) عمل میں اِفراط وتفریط:

کسی عمل میں نہ افراط اچھی ہے نہ تفریط، بلکہ اعتدال بہتر ہے، جسے قرآن کی زبان میں ﴿ قَصْدُ السَّبِيْلِ ﴾ [النحل: ۹] کہتے ہیں۔

عبادت میں بھی افراط وتفریط مناسب نہیں۔ بعض لوگوں نے فاقہ کشی اور چلہ کشی کو عبادت قرار دے رکھا ہے، یہ افراط ہے۔ اور بعض لوگ فرائض وسنن کی پروا نہ کرتے ہوئے صرف جمعے کی نماز پڑھ لینے کو عبادت خیال کرتے ہیں، یہ تفریط ہے۔

35 تصوف اور افراط و تفریط:

آج کل بعض صوفیوں کے عجیب وغریب مشاغل دیکھنے میں آرہے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یاد رکھو کہ صحیح تصوف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تصوف ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا ولی اور کوئی بڑے سے بڑا صوفی بھی رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چوتھی، پانچویں اور چھٹی صدی میں جس نام نہاد تصوف نے زور پکڑا، اس میں کچھ تو ہندو دھرم کے تصوف کا اثر غالب تھا اور کچھ یہودیت کا۔ جس عمل میں افراط ہوگی، لازماً اس کا ردِّ عمل بھی ہوگا اور یہ ردِ عمل تفریط پذیر ہوگا۔

36 احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معانی:

تحمید کے معنی ہیں: سراہنا، تعریف کرنا، پے بہ پے کسی کو اچھا کہنا۔ حامد اس سے فاعل ہوگا، یعنی تعریف کرنے والا۔ احمد اسمِ تفضیل ہے، یعنی بہت زیادہ تعریف کرنے والا۔ نبیِ کریم، ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دنیا میں کسی پیغمبر نے بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان نہیں کی، حتیٰ کہ خود خدا نے انھیں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راتوں کو زیادہ دیر تک عبادت نہ کیا کریں۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ خدا کی تعریف کرنے والے ہیں۔

محمد اسمِ مفعول ہے، یعنی تعریف کیا گیا۔ دنیا میں کسی پیغمبر کی تعریف رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہیں کی گئی، حتیٰ کہ آپ کے بدترین دشمنوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور امین تسلیم کیا ہے۔ قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کا ذکر یوں ہی جاری رہے گا۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر مخلوقِ خدا میں کسی کی تعریف نہیں کی گئی۔

37 رازِ حکیمانہ:

بعض شر پسند مخالفین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''مذمم'' رکھ چھوڑا تھا۔ جس کے معنی ہیں: مذمت کیا گیا۔ (یہ لفظ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد ہے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو فرمایا کہ اس میں ایک حکیمانہ راز ہے۔ میرا خدا مجھے مخالفین کی گالیوں سے بچانا چاہتا ہے۔ یہ لوگ بزعمِ خود مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں، میرا نام تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔[1]

[1] دیکھیں: صحیح البخاري، رقم الحدیث (۳۳٤۰)

38 قدرتِ الٰہی کے مظاہر:

قرآن کا منشا یہ ہے کہ انسان زراعت اور ہیئت کا علم باقاعدہ سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ایسی قوم کے لیے، جو نباتات اور نجوم میں غور وفکر کرتی ہو، ان چیزوں کو خدا کی نشانیاں بتایا ہے۔ اگر انسان میں غور وفکر کا مادہ نہ ہو اور وہ مظاہرِ قدرت کو دیکھ کر سوچ بچار نہ کر سکے تو اس کے لیے قرآن کا پڑھنا بے کار ہے۔ مفکرین کے لیے تو کتاب خانۂ عالم کا ورق ورق معرفت کا درس دیتا ہے۔

39 تذکر وتشکّر سے محروم لوگ، دہریہ اور مشرک:

دہریہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ اس کا یہ فعل تذکّر سے محرومی کا نتیجہ ہے اور مشرک خدا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی دوسرے کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے۔ اس کا یہ فعل تشکر سے خالی ہے۔

40 موحد اور مشرک:

بخلاف اس کے موحد کا ذہن ہمیشہ مائل بہ تذکر وتشکر رہتا ہے۔ وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا۔ اُسے خواہ کتنی ہی ناکامیوں کا سامنا ہو۔ وہ اپنے خالقِ حقیقی کا دَر چھوڑ کر کسی اور کے دروازے پر نہیں جاتا۔ اس کے برعکس مشرک جب کسی ناامیدی کا شکار ہوتا ہے تو فوراً کسی پیر یا فقیر یا کسی قبر یا کسی بت اور مورتی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس کی منت مان کر حصولِ مدعا کی کوشش کرتا ہے۔ حالانکہ پیر ہو یا فقیر؛ وہ بھی اُسی طرح خدا کا محتاج ہے جس طرح یہ مشرک۔ یاد رکھو کہ دریا کا سفر کرتے ہوئے ''یا خضر المدد'' کہنا صریحاً شرک ہے۔

41 عقائد کی کمزوری:

دنیا میں فائدے اور نقصان ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن جاہل لوگ انھیں اپنے پیروں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ کسی کے ہاں بیٹا ہوا تو کہتے ہیں کہ پیر کی دعا سے ہوا اور کسی کی بھینس مرگئی تو کہتے ہیں کہ پیر کی بددعا سے مری۔ ایسے نادانوں کو کون سمجھائے کہ نفع ونقصان خدا کے ہاتھ میں ہے۔ پیروں فقیروں کا اس میں ذرا بھی دخل نہیں ہے۔

42 جہالت کی باتیں:

پیر پرستوں کی زبان سے اکثر اس قسم کے جملے سننے میں آتے ہیں کہ فلاں پیر بڑی کرنی والا

ہے۔ یعنی جو کچھ چاہے کر گزرتا ہے، یا اللہ تعالیٰ سے کرا لیتا ہے یا فلاں فقیر کا کہا خدا نہیں موڑتا۔ یعنی اس کے کہنے پر عمل کرنے سے انکار نہیں کرتا۔ گویا ان جاہلوں کے نزدیک عاجزی اور مجبوری بہرحال خدا ہی کے حصے میں آتی ہے۔ (معاذ اللہ) واقعہ یہ ہے کہ یہ سب بے سروپا باتیں ہیں۔ توحید کے پرستاروں کو ایسے نادانوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔

43 پانی کی قدر:

دنیا کی ہر چیز پانی سے زندہ ہے۔ ہمارے ہاں پانی کی کثرت ہے۔ اس لیے ہم اس کی قدر نہیں کرتے اور ذرا تنکا بھی گلاس میں نظر آئے تو اُسے پھینک دیتے ہیں۔ حالاں کہ جہاں پانی قطرہ قطرہ دستیاب ہوتا ہے اور مقطر کر کے پیا جاتا ہے، وہاں ایک گلاس پانی کی بہت زیادہ قدر ہوتی ہے۔

اگرچہ زمین کے پانی کا مزہ ایک ہے، لیکن وہ ہر درخت کے پھل میں جا کر قدرتِ خداوندی سے الگ الگ مزہ پیدا کرتا ہے۔

44 نعمتوں کی انتہا:

فرمانِ الٰہی: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ کے درس میں فرمایا:

حساب والوں نے ہزار دہ ہزار، لاکھ دہ لاکھ، کروڑ دہ کروڑ، ارب دہ ارب، کھرب دہ کھرب، نیل دہ نیل، سنکھ دہ سنکھ اور پدم دہ پدم جیسے بڑے بڑے عدد وضع کیے، لیکن خدا کی نعمتوں کا شمار پھر بھی نہ ہو سکا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں بڑے سے بڑا عدد بھی بے کار ہو کر رہ گیا ہے۔ جہاں عدد بے کار ہو جائے، وہاں اِحصاء کیا ہو گا؟ جس کے معنی ہیں: گھیرنا یا احاطہ کرنا۔

45 سکونِ قلبی:

سب سے بڑی دولت سکونِ قلبی ہے۔ جو لوگ زر و مال کی خاطر سرگرداں پھر رہے ہیں، وہ سکونِ قلبی کی نعمت سے محروم ہیں۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج یورپ میں کم از کم پچیس فی صد لوگ دماغی عوارض میں مبتلا ہیں اور وہاں آئے دن اچانک حرکتِ قلب بند ہو جانے سے موتیں ہو رہی ہیں۔ بینک بیلنس، کار، کوٹھی اور اس قسم کی دوسری آسایشیں روحانی کیف سے دور کا واسطہ بھی نہیں رکھتیں۔

46 اَساطیر الاولین (زبان کے کرشمے):

اُسطورہ عربی زبان میں جھوٹی کہانی کو کہتے ہیں۔ اساطیر اس کی جمع ہے۔ کفار قرآن کے

بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس میں صرف اساطیر الاولین درج ہیں۔ یہ صرف اُن کی دریدہ دہنی تھی۔ انسان اگر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا چاہے تو وہ اچھی سے اچھی چیز کے متعلق بھی بُرے سے بُرے الفاظ استعمال کرسکتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ بُری سے بُری چیز کو پسند کر کے اُسے اہمیت دینا چاہے تو وہ اس کی شان میں اچھے سے اچھے الفاظ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ صرف زبان کے کرشمے ہیں۔ زبان کا یہ ٹکڑا اپنی مٹھاس سے جہاں کسی معاملے کو سنوار سکتا ہے، وہاں اپنی کڑواہٹ سے کسی معاملے میں بگاڑ بھی پیدا کرسکتا ہے۔

کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کے درمیانی دس پاروں میں عموماً پہلی قوموں کے مختلف قصے بیان کیے گئے ہیں، لیکن ان میں مبالغہ آرائی نام کو نہیں ہے، بلکہ اس کے بیان کرنے کا مقصد محض عبرت دلانا ہے، تاکہ آنے والی نسلوں کو معلوم ہو کہ بد اعمالی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ عاد و ثمود کو نام کی زندگی بھی قرآن ہی نے عطا فرمائی ہے۔ ورنہ آج ان بد اعمال قوموں کا نشان تک کہیں باقی نہیں۔

47 اِخفا اور سر میں فرق:

''اِخفا'' کے معنی ہیں بات کو دھیما کرنا، تاکہ وہ دوسروں کے کان تک نہ پہنچ سکے اور ''سرّ'' کے معنی ہیں بات کو بالکل اپنے دل میں چھپا رکھنا، تاکہ کسی کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ بہت سے معاملات باپ بیٹے سے نہاں رکھتا ہے اور بیٹا باپ سے، لیکن اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ بات سے یکساں خبردار ہے۔

48 مُردوں سے مرادیں مانگنا:

سورت نحل میں ﴿ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ﴾ کے الفاظ موجود ہیں۔ جن سے صاف ظاہر ہے کہ مردہ لوگ کسی حاجت مند کی مراد پوری کرنے سے قاصر ہیں، بلکہ وہ کچھ نہیں جانتے۔ انھیں تو خود اپنی نسبت اتنا بھی معلوم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴾ [النحل: ٢١]

49 بُری رسم کے اِجرا کا گناہ:

جو شخص اپنے مفاد کی خاطر کسی بُری رسم کو جاری کرے گا، دنیا میں جب تک وہ بُری رسم باقی رہے گی، اس کا بانی یا موجد بھی سزا میں برابر کا حصہ دار بنتا رہے گا۔ گویا مرنے کے بعد بھی اُس کے نامۂ اعمال کی سیاہی بڑھتی رہے گی۔

50 پیغمبر اور معجزہ:

ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نہ کوئی معجزہ ضرور عطا فرمایا ہے۔ پیغمبر اپنی طاقت سے کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ خدائے قادر وقدیر کے لیے ہر بات آسان ہے۔ اس نے جس وقت بھی کوئی معجزہ مخلوقات کو دکھانا چاہا، پیغمبر کے ذریعے اس کو ظاہر فرما دیا۔ یاد رہے کہ مداریوں کی طرح ہر وقت اور ہر جگہ معجزوں کا اظہار کرتے پھرنا پیغمبر کا شیوہ نہیں ہے۔ ایسا کرنا ویسے بھی اُس کی شان کے منافی ہے۔

51 جائز و ناجائز:

ایک ماں بچہ پیدا ہونے پر خوشی کا اظہار کرتی ہے، نہ صرف وہ بلکہ اس کا سارا خاندان مسرور ہوتا ہے۔ مبارک بادیں دی جاتی ہیں۔ دعوتیں اُڑتی ہیں۔ قریب و دور کے رشتے دار زچہ و بچہ کے لیے حسبِ توفیق تحائف لے کر آتے ہیں۔ اس کے برعکس ایک ماں وہ ہے جو بچہ پیدا ہوتے ہی رسوائی کے خوف سے اُس کا گلہ گھونٹ دیتی ہے اور پھر اُس کی نعش کو چھپانے کے لیے سو حیلے کرتی پھرتی ہے۔ یہ سارا فرق صرف جائز و ناجائز کی وجہ سے ہے۔ پہلا بچہ حلال زادہ ہے جو باقاعدہ نکاح کے بعد عالمِ وجود میں آیا اور دوسرا بچہ حرام زادہ ہے جس کے ماں باپ نے اسلام کے قانون سے بغاوت کر کے غلط راہ اختیار کی اور اُن میں اتنی جرأت باقی نہ رہی کہ وہ بدنامی کا سامنا کر سکیں۔ انسانی دنیا میں جائز و ناجائز کا یہ فرق بہت عالمگیر ہے اور حیا کا کوئی شعبہ اس اصول سے خالی نہیں۔ اسلام نے ہر فعل کو ایک ضابطے میں ڈھال دیا۔ اس پر عمل کرتے ہوئے انسان نہایت پاکیزہ اور بے خوف زندگی بسر کر سکتا ہے۔

52 بدنصیبی کی انتہا:

ائمۂ کفر ابوجہل اور ابولہب وغیرہ خانہ کعبہ کا بڑا احترام کرتے تھے، لیکن اُن کا ذہن چوں کہ شروع ہی سے نبی اکرم ﷺ کے خلاف تھا، اس لیے وہ آخر وقت تک اپنے کفر پر ڈٹے رہے۔ جب بدنصیبی مقدر ہو چکی ہو تو صاف اور درست بات بھی انسان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے حصے میں "خِزْيٌ" (رسوائی) کے سوا اور کچھ نہیں آتا۔ وہ دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کی ذلت برقرار رہے گی۔ جن لوگوں کی ابتدائی زندگی فسق و فجور میں گزری

ہو، لیکن وہ اپنی عمر کے آخری دَور میں صالح و متقی بن گئے ہوں، خدا تعالیٰ کی رحمت سے اُن کی مغفرت ہو جائے گی۔ یاد رہے کہ زبانی طور پر موحد ہونا کافی نہیں، انسان کا عمل بھی موحدانہ ہونا چاہیے۔

53 حق گوئی کی پاداش:

جو شخص جتنا حق گو ہو گا، اتنا ہی اُسے تکلیفوں کا سامان کرنا پڑے گا۔ دنیا میں سب سے زیادہ تکلیفیں پیغمبروں کو آتی ہیں، کیوں کہ وہ سب سے زیادہ حق گو ہوتے ہیں۔ جوں جوں وہ حق گوئی سے کام لیتے ہیں، لوگ ان کے خلاف ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے پیغمبر کی شان چوں کہ تمام پیغمبروں سے اونچی ہے، اس لیے ان تمام کے مقابلے میں اُنھیں تکلیفیں بھی بڑے پیمانے پر برداشت کرنی پڑیں۔

54 مخالفت کا اصول:

نبی اکرم ﷺ نے اصولاً بت پرستی کی مخالفت کی ہے۔ قرآن نے بھی دلائل و براہین سے بت پرستی کو بُرا کہا ہے، لیکن بتوں کو گالیاں نہیں دی ہیں۔ قرآن نے مسلمانوں کو بھی ہدایت کی ہے کہ تم کافروں کے بتوں کو بُرا نہ کہو، ورنہ وہ تمھارے خدا کو بُرا کہیں گے۔ البتہ اصولی طور پر بت پرستی اور خدا پرستی کا فرق بیان کرتے ہوئے بت پرستی کے فعل کی مذمت کی جا سکتی ہے۔

آج سے تقریباً پچاس سال پیشتر ہندوستان کے دو گروہوں نے انگریزوں کا ہم خیال ہو کر اسلام کو نقصان پہنچانا شروع کیا تھا: اول آریہ سماجی۔ دوسرے مرزائی۔ پہلا گروہ جا و بے جا قرآن پر اعتراضات کرتا تھا اور دوسرا گروہ جواباً ایسا رویہ اختیار کرتا تھا کہ حمایت کی آڑ میں الٹا قرآن کی مخالفت ہو جاتی تھی۔

55 ”عَيْنُ السَّخَطِ تُبْدِيْ الْمَسَاوِيَا“:

نبی اکرم ﷺ کا بیس پچیس سال کی عمر میں چالیس سال کی ایک عورت (حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) سے نکاح کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ حضور کو اپنے جذباتِ شباب پر کس قدر قابو تھا اور وہ کس درجہ متقی، پرہیزگار اور کسی بیوہ کی دلجوئی کرنے والے تھے۔ اُن کے مخالفین اعتراض کرتے وقت حقیقت سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور تعریف کے پہلو کو بھی اعتراض بنا لیتے ہیں۔ اگر اس کے برعکس معاملہ ہوتا تو نفسانیت کے اعتبار سے واقعی قابلِ اعتراض تھا۔

56 ناپاک ذہنیت کا مظاہرہ:

﴿ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُونَ ﴾ [النحل: ٣١] یعنی جنت میں پرہیزگاروں کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اس پر آریہ لوگوں نے اعتراض کیا تھا کہ کیا اہلِ جنت وہاں چرس بھنگ بھی پی سکیں گے اور کیا وہاں شرمناک جنسی برائیوں کا ارتکاب جائز ہوگا؟ حقیقتاً یہ بیہودہ اعتراض ان کی ناپاک ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ ورنہ اس آیت سے پہلے صاف طور پر مذکور ہے کہ ﴿ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴾ [النحل: ٣٠] یعنی جنت بہت اچھا گھر ہے پرہیز گاروں کا۔ ظاہر ہے کہ اس جگہ وہی لوگ جائیں گے جن کا ذوق سلیم ہوگا اور جو پرہیز گاری کے معیار پر پورے اُتر چکے ہوں گے اور جو اس قسم کی بیان کردہ برائیوں کا خیال تک بھی دل میں نہیں لا سکتے۔ جن لوگوں نے مادی دنیا میں رہتے ہوئے ایسے غلط امور کا ارتکاب نہیں کیا، وہ جنت جیسے پاکیزہ ماحول میں کیوں ایسی حماقت کرنے لگے؟

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ انسان کی تربیت میں اس کے ماحول کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔

57 جنت کی توقع:

نماز، روزہ اور دوسرے نیک اعمال کو بہ روئے کار لانے کے بعد جنت کی توقع رکھنا کوئی گناہ نہیں ہے۔ ایماندار آدمی مرتے وقت اس خیال سے بہت خوش ہوتا ہے کہ محنت و مشقت کا دور ختم ہو گیا ہے اور اب صِلہ پانے کا وقت آ رہا ہے۔ بالکل اس مزدور کی طرح جو سارا دن کام کرنے کے بعد شام کو اُجرت پانے کے خیال سے خوش وخرم ہو۔

58 غلاظت کی قسمیں:

غلاظت دو قسم کی ہے: ایک جرمی اور دوسری حکمی۔ پہلی قسم کی غلاظت کا تعلق جسم سے ہے، جو پانی سے دور ہو جاتی ہے اور دوسری قسم کی غلاظت کا تعلق انسان کے اخلاق و عقائد سے ہے، جسے ہم روحانی گندگی بھی کہہ سکتے ہیں، یہ توبہ کے بغیر زائل نہیں ہوتی۔

59 صحیح تصوف:

چوتھی اور پانچویں صدی میں ہمارے مشائخ نے یہودیوں، ہندوؤں اور دوسرے لوگوں کے میل جول سے کچھ ایسی رسوم کو تصوف میں شامل کر لیا جو قطعاً غیر اسلامی ہیں، مثلاً: چلّہ کشی، دم کشی اور

فاقہ کشی وغیرہ۔ اسلام نے ان باتوں کو روا رکھا ہوتا تو خود نبی اکرم ﷺ ان پر عمل پیرا ہوتے۔ متواتر بھوکا رہنے سے انسان کسی مشقت طلب کام، مثلاً: ہجرت یا جہاد کے قابل نہیں رہتا۔ چلّہ کش لوگ عموماً اصل عبادت سے غافل رہتے ہیں اور ان کا انجام چرس یا بھنگ پر ہوتا ہے۔ قرآن نے تزکیۂ نفس کے لیے زہد پر زور دیا ہے۔ زہد مالِ دنیا سے بے رغبتی کا نام ہے۔ خدا کی نعمتوں سے جائز طور پر مستفید ہونا منع نہیں ہے۔ صحیح تصوف وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں پایا جاتا ہے۔

60 فرشتوں کی خصوصیت:

فرشتے خدا کی ایسی مخلوق ہیں جن پر جنت اور دوزخ کا کوئی اثر نہیں۔ وہ جنت میں بھی احکامِ خدا پر عمل کرانے کے لیے آتے جاتے ہیں اور دوزخ میں بھی۔ اُن کے لیے نہ جنت کی بہاروں میں کوئی کشش ہے نہ دوزخ کے شراروں میں کوئی خوف۔

61 مناظرہ اور الزامی جواب:

الزامی جواب مناظرے کا ایک حصہ ضرور ہے، جس سے مقابل تھوڑی دیر کے لیے چپ ہوجاتا ہے، لیکن حقیقت و اصلیت سے اس کا کچھ واسطہ نہیں ہوتا، مثلاً: ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ کم تولنا بُرا ہے۔ وہ اس کو تسلیم کرنے کے بجائے جواب میں یہ الزام لگاتا ہے کہ مجھے بھی تمھاری فلاں کمزوری کا علم ہے۔ تم کہاں کے پارسا ہو؟ ظاہر ہے کہ اس سے نصیحت کرنے والا تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں تو ضرور پڑ جائے گا، لیکن اس الزامی جواب کے بعد بھی اصل حقیقت برقرار رہے گی کہ کم تولنا بُری بات ہے۔

مشرک لوگوں نے بھی شرک کی برائیاں سننے کے بعد رسولِ اکرم ﷺ کو یہ نامعقول جواب دیا تھا کہ اگر بُت پرستی بُرا فعل ہے تو خدا ہمیں خود آ کر کیوں نہیں روکتا؟ اس نے ہمیں اتنی کھلی چھٹی کیوں دے رکھی ہے؟ بحث کا یہ طریق منفی ہے۔ مثبت طریق یہ تھا کہ وہ لوگ بت پرستی کو دلائل و براہین سے درست ثابت کرتے۔ انھوں نے الٹا اسے مشیتِ الٰہی قرار دے دیا کہ خدا کی رضا یوں ہی ہے، ورنہ وہ ہمیں ایسا کرنے سے ضرور روک دیتا۔

62 درجۂ اعتدال کی اہمیت:

خداوند تعالیٰ کا نظام ابتداء سے یہی ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے نیک باتوں

کی تبلیغ کرائی اور پھر انسانوں کو نیک و بد میں تمیز کرنے کا اختیار عطا فرمایا۔ یہ بات تو بھلی معلوم نہیں ہوتی کہ اس کے فرشتے ہر گھر میں الگ الگ جاتے اور خدائی پیغام سناتے پھرتے۔ ہدایت حاصل کرنے کے لیے صرف پیغمبرِ خدا کا وسیلہ کافی ہے، لیکن افسوس ہے کہ نادان لوگوں نے آج کل وسیلوں کی تہیں لگا دی ہیں۔ جس طرح مشرکینِ مکہ کا پیغمبر کے جائز وسیلے سے انکار قابلِ اعتراض تھا، اُسی طرح موجودہ زمانے کے وسیلہ پرست لوگوں کا رویہ بھی قابلِ اعتراض ہے۔ گویا وہ افراط تھی اور یہ تفریط ہے۔

درجۂ اعتدال (یا قصد السبیل) یہ ہے کہ ہدایت یابی کے لیے صرف پیغمبر ﷺ کا وسیلہ کافی ہے۔

وہ مسلمان جو وسیلہ در وسیلہ کی روش پر گامزن ہیں، انھیں درجۂ اعتدال کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔

63 نیکی و بدی کا اختیار:

اختیار دیے بغیر نیکی اور بدی کا جائزہ لینا ناانصافی ہے، مثلاً: ایک شخص اندھا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ کسی عورت کو نہیں دیکھ سکتا۔ اب اس کی تعریف میں یہ کہنا کہ حافظ جی بڑے پاک نظر ہیں، غلط ہے۔ دیکھنے کا اختیار حاصل ہو اور پھر کوئی نظر کی حفاظت کرے تو واقعی قابلِ تعریف ہے۔ اسی طرح مشرکینِ مکہ کو جب اللہ تعالیٰ نے نیکی و بدی کی شناخت کا اختیار دے دیا تھا تو پھر ان کا یہ کہنا غلط تھا کہ خدا خود آ کر ہمیں بت پرستی سے روکے۔

64 ضمیر کا فتویٰ:

پیغمبرانہ وسیلے سے قطع نظر خدا کی آواز انفرادی طور پر بھی ہر شخص کے اندر موجود ہے۔ جو اسے نیک کام پر خوشی عطا فرماتی ہے اور بُرے کام پر ملامت کرتی ہے۔ یہ اُس کے ضمیر کا فتویٰ ہے۔ اگر خدا کی اس آواز سے کسی کو انکار ہے تو وہ بتائے کہ چوری کرنے کے بعد کون سی چیز چور کو ڈراتی ہے؟ یہاں یہ نکتہ ملحوظِ خاطر رہے کہ حرام و حلال کی صحیح تمیز اور اچھے برے اعمال کی درست شناخت کے لیے پیغمبر کی شریعت ہی ہماری راہنمائی کر سکتی ہے۔ ورنہ ہر شخص کی نیکی بدی کا معیار جداگانہ ہو گا، جس سے معاشرے میں فتور کا اندیشہ ہے۔ ہمارا اولین فرض ہے کہ ہم اپنے دل کی آواز کو کمزور نہ پڑنے دیں اور پیغمبر ﷺ کی بتائی ہوئی راہ پر عمل کرتے ہوئے صحیح زندگی بسر کرنے کی کوشش کریں۔

65 تجلّیات کی برداشت:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے کانوں میں گھنٹی کے بجنے کی آوازیں آرہی ہیں، پھر بدن پر ایک لرزہ سا طاری ہوجاتا ہے۔[1] حضور ﷺ کے اس فرمان کی موجودگی میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر عامی شخص کا یہ حوصلہ نہیں کہ وہ تجلیاتِ الٰہی کو برداشت کر سکے، بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ برگزیدہ پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کوہِ طور پر بے ہوش ہو کر گھر پڑے اور پہاڑ کا ایک حصہ بھی جل کر سرمہ بن گیا۔ ان حالات میں مشرکینِ مکہ کا یہ خیال کس قدر لغو ہے کہ خدا کا پیغام براہِ راست ہم تک کیوں نہیں آتا؟

66 پیغمبروں کا اصل مقصدِ بعثت:

اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں ایک ہادی روانہ کر کے حجت تمام کر دی۔ ''اُمت'' لوگوں کے گروہ کو کہتے ہیں، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ ان ہادیوں کا کام لوگوں کو نیک و بد کی راہ بتانا رہا ہے۔ پھر چاہے کوئی عمل کرے یا نہ کرے۔ ''البلاغ المبین'' کے بعد لوگوں سے عمل کرانا پیغمبروں کے فرائض میں شامل نہیں ہے۔ قرآنِ مجید میں صرف اُن چالیس نبیوں کا ذکر آیا ہے جن کے ناموں سے اہلِ عرب پہلے واقف تھے۔[2] باقی نبیوں کا ذکر اس لیے ضروری نہ سمجھا گیا کہ پیغمبرِ آخر الزمان ﷺ پہلے اُن کا تعارف کراتا اور پھر ان کے تاریخی حالات سناتا تو اس طرح بلاضرورت تبلیغی کام بڑھ جاتا۔

اندازہ ہے کہ کل تین سو کے قریب انبیاء کو شرع کے مختلف صحیفے دے کر مبعوث کیا گیا ہے۔ ویسے ایک ضعیف سی روایت یہ بھی ہے کہ کُل ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں آئے ہیں۔[3] پیغمبر کی زندگی پیغمبری کا منصب ملنے سے پہلے بھی بے داغ اور صالح ہوتی ہے، تاکہ مخالفین کو حرف گیری کا موقع نہ ملے اور وہ اس کی سابقہ زندگی کے پیشِ نظر یہ نہ کہہ سکیں کہ حضرت اس سے پہلے آپ بھی تو یہ کام کیا کرتے تھے، جس سے اب ہمیں منع فرما رہے ہیں۔ ہر پیغمبر نے صرف خدائے واحد کی عبادت

---

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٢) صحيح مسلم، رقم الحديث (٢٣٣٣)

[2] قرآنِ مجید میں صراحتاً پچیس نبیوں کا نام مذکور ہے، جن میں سے اٹھارہ نبیوں کا تذکرہ ایک ہی مقام (سورت انعام، آیت: ۸۲۔۸۶) پر ہے اور دیگر سات انبیاء کے اسماء مختلف مقامات پر مذکور ہیں۔

[3] مسند أحمد (٥/ ٢٦٥) اس کی سند میں ''معان بن رفاعۃ'' اور ''علی بن یزید'' ضعیف ہیں۔

کا حکم دیا ہے اور طاغوت کی عبادت سے روکا ہے۔ یعنی سب کا مقصدِ اولین توحید کی تبلیغ تھا:

﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطّٰغُوْتَ ﴾ [النحل: ٣٦]

لا الٰہ الا اللہ میں بھی ہر قسم کے طاغوت کی نفی ہے۔ کفارِ مکہ میں سے ابولہب وغیرہ خدا کے قائل تھے اور کعبہ کا طواف کرتے ہوئے لبیک بھی کہتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو سجدہ کرنے کے بھی روادار تھے۔ اسلام اس بات کے سخت مخالف تھا۔ اس لیے ان کی رسولِ خدا ﷺ سے ٹھن گئی اور کفر و اسلام کا معرکہ گرم ہوگیا۔ واضح رہے کہ زید بن عمرو زمانۂ جہالت میں بھی توحید پرست تھے۔

67 مختلف بانیانِ مذاہب کی حیثیت:

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر وادی کے لیے ایک ہادی یا ایک پیغمبر مبعوث کیا ہے، لیکن مرزا غلام احمد اور سر سید احمد خاں کا کرشن، گوتم اور گرو نانک کو نبی کہنا سراسر غلط ہے۔ وہ بانیانِ مذاہب ضرور ہیں اور ان کی زندگی ہم جیسے معمولی لوگوں کے مقابلے میں ممکن ہے قابلِ تعریف ہو، ہم اُن کی عظمت و شہرت سے بھی انکار نہیں کرتے، لیکن نبوت کا جو بلند مقام اور اعلیٰ معیار ہے، اُس پر یہ لوگ پورے نہیں اُترتے۔ ہم نبی اُسی کو تسلیم کریں گے جس کی طرف قرآنِ پاک نے اشارہ کر دیا ہو۔ خود نشاندہی کر کے کسی قوم کے بڑے سے بڑے مذہبی پیشوا کو بھی نبی نہیں کہا جا سکتا۔

68 علمائے اسلام کا بلند مرتبہ:

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔[1] یعنی ان کا مشن انبیاء کی طرح خدا پرستی کی تعلیم اور توحید کی تبلیغ ہوگا۔ چناں چہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ بعض علمائے اسلام نے حق کی حمایت کرتے ہوئے واقعی بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح مشکلات کا سامنا کیا ہے، بلکہ بعض تو اس سلسلے میں پھانسی کے تختے پر بھی لٹک گئے ہیں۔ اللہ کی رحمت ہو ان سب پر!

69 قرآنی سجدے کا مسئلہ:

قرآن پاک میں جہاں کہیں سجدہ آیا ہے، تلاوت کرتے وقت اگر اس موقعے پر سجدہ کر لیا جائے تو بہتر ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، کیوں کہ یہ سجدہ کوئی فرض نہیں ہے۔ سجدہ بہ معنی

---

[1] یہ روایت بے سند اور بے اصل ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: كشف الخفاء للعجلوني (١٧٤٤) الفوائد المجموعة (ص: ٢٨٦) السلسلة الضعيفة، رقم الحديث (٤٦٦)

عاجزی بھی آیا ہے، مثلاً: چودھویں پارہ سورت نحل میں ہے: زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ یعنی اظہارِ عجز کرتی ہے۔

70 کفار کا شرک اور ہمارے دَور کے مسلمانوں کا شرک:

کفارِ عرب اس بات کے قائل تھے کہ خدا ہمیں پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہمیں روزی دیتا ہے، لیکن ان کا باطل عقیدہ یہ تھا کہ خدا اس قدر زبردست ہے کہ وہ ہماری بات بتوں کی سفارش کے بغیر نہیں مانتا۔ یہ بت چوں کہ خدا کے مقرب ہیں، اس لیے ان کا وسیلہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ توحید پرستی سے ہٹ کر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بہ الفاظِ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ عقائد کی رو سے خلاقیت اور رزاقی کے دو چشمے ان کے بالکل صاف و شفاف تھے، صرف اُلوہیت کے چشمے کو انھوں نے گدلا کر لیا تھا۔

آج خدا کے نیک بندوں کو چھوڑ کر عام مسلمانوں کی مذہبی بدحالی کا یہ عالم ہے کہ وہ اولاد اور نوکریاں بھی پیروں فقیروں ہی سے مانگتے ہیں اور خدا کی عبادت سے منہ پھیر کر قبر پرستی میں مبتلا ہو گئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان وسیلوں کے بغیر براہِ راست ہماری کوئی مراد پوری نہیں ہوسکتی۔ گویا ہمارے مقابلے میں کفارِ عرب کے دو چشمے صاف و شفاف تھے، لیکن ہم نے تینوں چشموں کو گدلا کر لیا ہے۔

71 فنِ تاریخ کی اہمیت:

عبرت حاصل کرنے کے لیے تاریخِ عالم کا جاننا نہایت ضروری اور بے حد مفید ہے۔ قرآن نے بار بار ﴿فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ﴾ کہہ کر ہمیں اس بات کی تاکید فرمائی ہے کہ تم دنیا میں گھوم پھر کر ان مقامات کو دیکھو جو تاریخ کا ماخذ ہیں۔ اگرچہ پرانے لوگوں کے عبرتناک واقعات کہانیوں کی صورت میں پہلے بھی موجود تھے، لیکن اس فن کی باقاعدہ بنیاد اُندلس کے ایک امام ابن خلدون نے رکھی اور اس کے اصول وضع کر کے گذشتہ تاریخی واقعات کی خوب چھان بین کی۔

72 جبر و اختیار کی وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے تھوڑا بہت اختیار ہر انسان کو دیا ہے، لیکن مختارِ کل کا درجہ کسی کو حاصل نہیں۔ اگر یہ اختیار نہ دیا جاتا تو نیک و بد کا امتحان لینا ناانصافی تھی۔ ہمیں اپنے تمام افعال پر اختیار حاصل ہے، البتہ اس اختیار پر ایک اور بڑا اختیار حق تعالیٰ کا غالب ہے۔

جب کوئی بات اس مختارِ کل کو منظور ہو تو پھر ہمارا اختیار ختم ہو جاتا ہے اور وہی ہو کر رہتا ہے جو اُس مختارِ کل کا منشا ہو، مثلاً: ہم رات کو پروگرام بناتے ہیں کہ صبح لاہور جا کر فلاں فلاں کام انجام دیں گے، لیکن صبح ہونے سے پہلے ہی ہم کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ بستر سے اُٹھنا دو بھر ہو جاتا ہے۔ ہمارا سارا پروگرام دھرا رہ جاتا ہے۔

الغرض اس مختارِ کل کے سامنے ہمارا اختیار بے بس ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے ہم اپنے اختیار سے کام لے سکتے ہیں اور جب وہ مختارِ کل کی حیثیت سے چاہے تو ہمارے اختیار کو مجبوری سے تبدیل کر دیتا ہے اور ہم قطعاً بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔

73 نعت گوئی میں غلو سے اجتناب ضروری ہے:

نبی اکرم ﷺ کو نعتوں میں بڑے بڑے توصیفی الفاظ سے یاد کر لینا اور بات ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی صحیح مدح سرائی بے حد مشکل کام ہے۔ ہمارے شاعروں کو اس سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ پھر ذیل کا شعر پڑھ کر فرمایا کہ اس قسم کی شاعری سخت قابلِ اعتراض ہے ؎

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد ﷺ سے

نعت گو حضرات کو اس قدر مبالغہ آرائی سے کام نہ لینا چاہیے کہ رسول ﷺ کی مدح سرائی کرتے کرتے خدا کی اِہانت کا پہلو نمایاں ہو جائے۔

74 واعظوں کی غلط بیانی:

سورت نحل (آیت: ۳۷) میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ﴾ [النحل: ۳۷]

یعنی اے نبی! اگر آپ خواہش کریں ان کو راہ پر لانے کی تو بلاشبہ اللہ راہ پر نہیں لاتا ان کو جنھیں وہ گمراہ کر دیتا ہے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہی ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کے سامنے رسولِ کریم ﷺ کی خواہش بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ وہی مختارِ کل ہے۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُس کی مشیت کو بدل سکے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو مختارِ کل کہنا اور یہ سمجھنا کہ ہر بات ان کے اختیار میں ہے، ناجائز ہے، بلکہ شرک

ہے۔ خدا معلوم لوگ قرآن کو سمجھ کر کیوں نہیں پڑھتے؟ منبروں پر بیٹھ کر واعظوں کا دیدہ ودانستہ غلط بیانی کرنا نہایت افسوس ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس گمراہ قوم پر رحم فرمائے۔

75 رسولِ کریم ﷺ کی عملی زندگی سے ایک مثال:

یہ تو ایک نظری بات تھی کہ اللہ تعالیٰ ہی مختارِ کل ہے اور اس کے بالمقابل کسی پیغمبر کو مختارِ کل نہیں کہا جا سکتا۔ اب ہم ایک نگاہ آنحضرت ﷺ کی عملی زندگی پر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ آپ نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح آپ ﷺ کا چچا ابو طالب ایمان لے آئے۔ لیکن اس میں آپ ﷺ کو کامیابی نہیں ہوئی اور آپ ﷺ کا یہ ارمان شرمندۂ تکمیل ہی رہا۔ پھر آپ ﷺ نے چاہا کہ اپنے وطن مکہ میں امن وامان سے زندگی بسر کریں، لیکن یہ خواہش بھی پوری نہیں ہوئی، بلکہ مخالفین کی مخالفت نے اس قدر زور پکڑا کہ آپ ﷺ گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور غارِ ثور کے اندر چھپ کر جان بچانی پڑی۔ سوال یہ ہے کہ کیا کوئی مختارِ کل بھی گھر بار چھوڑ کر غار میں چھپنے کی ضرورت محسوس کر سکتا ہے؟ مدینے میں بھی پہنچ کر دس سال کے بعد آپ کو کامیابی حاصل ہوئی، گویا کافی عرصہ انتظار کرنا پڑا۔

76 مختارِ کل کی شان:

صرف اللہ تعالیٰ مختارِ کل ہے۔ اُس کے اختیار کی شان کا اندازہ اس سے بہ آسانی ہوسکتا ہے کہ جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو حکم دیتا ہے کہ ہو جا، پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی اور کو مختارِ کل کہنا محض لفظ ہی لفظ ہیں۔ ورنہ اختیار کی دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہفت اقلیم کا شہنشاہ بھی اگر کوئی کام کرتا رہتا ہے تو اسے کئی برس کئی ماہ اور کئی دن گزر جاتے ہیں۔ طاقتور سے طاقتور حاکم بھی کسی چور یا ڈاکو کو فوراً گرفتار نہیں کر سکتا اور اس کا سارا اختیار بے کار ہو کر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی وہ مختارِ کل ہے جس کے ہاں برسوں، مہینوں اور دنوں کی کوئی قید نہیں، بلکہ اس کا ارادہ ہوتے ہی بات فوراً ہو جاتی ہے۔ وہ جس وقت چاہے، جہاں چاہے اور جس طرح چاہے ہر کام کو فی الفور انجام دے سکتا ہے۔ دیکھو آدمی کیا کیا پروگرام بنا کر گھر سے باہر نکلتا ہے، لیکن آناً فاناً کسی چیز سے ٹکرا کر اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ کیا حیات وموت پر اتنا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو ہے؟

77 ہجرت کی قسمیں:

ترکِ وطن کا نام ہجرت ہے۔ یہ کام انسان جس نیت سے کرے گا، اس کی ہجرت بھی ویسی ہی ہوگی۔ اگر کوئی شخص ملازمت کے سلسلے میں ترکِ وطن کرتا ہے تو یہ ملازمت کی ہجرت ہے۔ اگر کوئی شخص تجارت کی غرض سے ترکِ وطن کرتا ہے تو یہ تجارت کی ہجرت ہے۔ اگر کوئی شخص دوسری جگہ جا کر لوٹ مار کرنے کے ارادے سے اپنا شہر چھوڑتا ہے تو یہ لوٹ مار کی ہجرت ہے۔ اگر کوئی شخص جان بچانے کے لیے گھر سے بھاگتا ہے تو یہ جان کی حفاظت کے لیے ہجرت ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے دین کی کھلم کھلا اشاعت کے لیے ترکِ وطن کرتا ہے، یہ ہجرت کارِثواب ہے اور اس ہجرت کا درجہ باقی تمام ہجرتوں سے اعلیٰ ہے۔ قرآن پاک نے ایسی ہجرت کرنے والوں کو ﴿هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ﴾ کہا ہے۔

78 دین کے لیے ہجرت کرنے والوں کا مقام:

اللہ تعالیٰ کے دین کی اشاعت کے لیے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ دین مہاجروں سے شروع ہوا اور مہاجروں ہی میں آخر کار رہ جائے گا۔ یعنی وہ لوگ ہی اسے زندہ وتابندہ رکھ سکیں گے جنھیں گھریلو آسایش مطلوب نہ ہوگی اور جو بہ خوشی ترکِ وطن کی تکلیفیں برداشت کر سکیں گے۔[1] پردیس میں جانے والے کو عربی زبان میں غریب کہتے ہیں۔ اس لفظ سے وہ غریب مراد نہیں ہے جو اُردو میں بہ معنی نادار مشہور ہے، بلکہ غریب الوطن مراد ہے۔ بہر حال دین کی غرض سے ہجرت کرنے والوں کا مفاد عام سیاسی کاروباری مہاجروں کی طرح کسی وقت بھی آپس میں نہیں ٹکراتا، بلکہ وہ لوگ عالمِ غربت میں نہایت محبت اور رواداری سے گزارا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں ایسے مہاجروں سے وعدہ فرمایا ہے کہ انھیں دنیا میں بھی اچھا اجر ملے گا اور آخرت میں بھی۔ چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھی مہاجروں کو بعد میں اِس قدر عروج حاصل ہوا کہ ان کی سلطنت اندلس اور دمشق تک وسیع ہوگئی۔ خود فتح مکہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا بیّن ثبوت ہے۔

79 دینی ہجرت توکل اور صبر کا مرحلہ ہے:

گھر بار، اعزاء واقرباء اور وطن کی سہولتوں کو خیر باد کہہ کر راہِ خدا میں ہجرت کرنا بہت بڑے

---

[1] حدیث «بدأ الإسلام غريباً» کی تشریح میں حضرت مولانا نے جو الفاظ کہے ہوں گے، مرتب نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ [مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ]

حوصلے کا کام ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ اس سفر میں آیندہ اسبابِ معیشت کا انسان کو کچھ علم نہیں ہوتا، بلکہ محض توکل ہوتا ہے اور پیش آمدہ مصائب کے مقابلے میں ہر قدم پر انتہائی صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ دوسری اَغراض کے لیے ترکِ وطن میں کم از کم ظاہری اَسباب کا انسان کو ضرور علم ہوتا ہے کہ فلاں جگہ قیام ہوگا اور فلاں جگہ سے آمدنی ہوگی، لیکن دینی ہجرت میں ایسا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت فی اللہ کرنے والے مہاجرین کو دنیا اور آخرت میں انعامات کی نوید دی ہے۔

(80) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پہلی ہجرت:

سب سے بڑی تاریخی ہجرت سے پہلے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بار ہجرت کا ارادہ کر کے اپنا گھر بار چھوڑ دیا تھا۔ راستے میں انھیں ابن دغنہ ملا اور یہ کہہ کر انھیں واپس لے آیا کہ آپ جیسے انسان کے بغیر یہ بستی کس طرح آباد رہ سکتی ہے۔ ابن دغنہ نے اُن کو امان دینے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں یہ تین صفتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں، جن کی وجہ سے اُن کا درجہ بہت بلند تھا:

1. دوسروں کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھ کر اس کا حل سوچنا۔
2. پوری تندہی سے عام مہمانوں کی خدمت میں مصروف رہنا۔
3. کسی سے مرعوب ہوئے بغیر حق بات کا برملا اظہار کرنا۔

ابن دغنہ نے مخالفین سے کہا کہ تم ایسے مرنجاں مرنج اور نیک دل انسان کو کیوں تنگ کرتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم اس شرط پر انھیں تمھاری امان میں رہنے دیں گے کہ وہ قرآن اپنے گھر میں پڑھیں۔ یہ شرط مان لی گئی، لیکن ایسا کرنے سے لوگوں کو قرآن سننے کا اور زیادہ شوق ہوگیا۔[1]

آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت جس کتاب کو ضبط کرنے کا اعلان کر دے، وہ اور زیادہ بکنے لگ جاتی ہے اور لوگ خواہ مخواہ اُسے پڑھتے ہیں۔

(81) مہاجرین، انصار اور طلقاء:

جن لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ چھوڑ کر مدینے کی طرف ہجرت کی، انھیں ''مہاجرین'' کہتے ہیں، جن لوگوں نے مدینے میں مہاجرین کی امداد کی، انھیں ''انصار'' کہتے ہیں اور

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (۲۱۷۵)

جن لوگوں کو فتح مکہ کے بعد نبی اکرم ﷺ نے آزاد کیا، انھیں ''طلقاء'' کہتے ہیں۔ مہاجرین مہاجر کی جمع ہے، انصار ناصر کی اور طلقاء طلیق کی۔

82 مسئلۂ بشریت کا الجھاؤ:

حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد ﷺ تک (اور ان کے بعد آج تک) یہ مسئلہ لوگوں کے حلق میں ایسا اڑا ہے کہ صاف ہونے میں نہیں آتا۔ خدا معلوم ان کی خواہش یہ کیوں ہے کہ وہ نبی کو الگ جنس قرار دیں، حالاں کہ سورت نحل میں اللہ تعالیٰ کا صریح ارشاد ہے:

﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِيۡۤ اِلَيۡهِمۡ ﴾ [النحل: ٤٣]

یعنی اے نبی (ﷺ)! ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجے، وہ مرد ہی تھے، جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی شکل وصورت میں عام انسانوں کی طرح ہوتا ہے، لیکن روحانی اعتبار سے کوئی عام انسان اُس کا مثل نہیں ہوتا۔ ﴿ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ ﴾ [الکہف: ١١٠] میں بھی ﴿ مِثۡلُكُمۡ ﴾ ہے۔ مراد جسمانی اعتبار سے تمھاری مثل ہے، ورنہ رسولِ اکرم ﷺ کی روحانیت کے لحاظ سے کوئی بشر بھی آپ ﷺ کی مثل نہیں ہے۔ کیا خدا کی طرف سے وحی آنے اور نہ آنے کا فرق کوئی معمولی فرق ہے؟

83 غیر جنس سے بے معنی مقابلہ:

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے، وہ غلطی پر ہیں۔ بشر ہوتے ہوئے اگر کوئی نبی معجزہ دکھائے گا تو وہ معجزہ ہوگا، ورنہ معجزہ نہیں ہے۔ ہمارا غیر جنس سے مقابلہ بے معنی ہے۔ ہاتھی چالیس من بوجھ اُٹھا سکتا ہے، لیکن انسان ایک دو من بھی بہ مشکل اٹھاتا ہے۔ پس ہاتھی کا زیادہ بوجھ اُٹھانا غیر جنس ہونے کی وجہ سے ہمارے لیے تعجب خیز نہیں ہے۔ اسی طرح اگر فرشتہ غیر جنس ہوتے ہوئے ہمیں کوئی معجزہ دکھائے گا تو وہ ہمارے نزدیک معجزہ نہیں ہوگا۔

84 احادیثِ نبویہ کی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام سنانے کے لیے حضرت محمد ﷺ کو منتخب فرمایا۔ ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ہر فرمان اللہ تعالیٰ کے منشا کی پوری ترجمانی ہے۔ اُن کے ارشاد کے بالمقابل اور کسی کا قول معتبر نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں کہ آج

بعض حدیثیں ضعیف، بلکہ موضوع بھی ہیں، لیکن اس صورتِ حال سے گھبرا کر راہِ فرار اختیار کرنا اور حدیث کی ضرورت ہی سے انکار کرنا غلطی ہے۔ فی زمانہ عدالتوں میں سچ جھوٹ سب کچھ چل رہا ہے، حاکم اچھے بھی ہیں اور رشوت خور بھی۔ گواہ سچے بھی ہوتے ہیں اور جھوٹے بھی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ہم عدالت اور ضرورتِ شہادت سے انکار نہیں کر سکتے۔

باقی سوال رہ جاتا ہے تحقیقِ حق کا۔ سو قرآنِ پاک نے تحقیقِ حق کی عام دعوت دی ہے۔ ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ﴾ [النحل: ٤٤] میں اِسی طرف اشارہ ہے کہ تم ہر بات کو خوب کرید کرید کر معلوم کرو، تاکہ حقیقت کا کوئی پہلو تمھاری نظروں سے اوجھل نہ رہے۔ علم یہ نہیں کہ تحقیقِ حق کے بجائے راہِ فرار اختیار کی جائے۔ جو حدیث کچھ ضعیف یا موضوع نظر آئے، اس کی تحقیق کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس کے برعکس حدیث کی ضرورت ہی سے منکر ہو جانا کسی عالمِ دین کی شان کے شایاں نہیں ہے۔ ﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴾ [النجم: ٣] کی رو سے نبی اکرم ﷺ کا عام بولنا بھی وحی کے ذیل میں آتا ہے۔ جس مسئلے میں اُنھوں نے خاموشی اختیار کی، وہاں خاموشی ہی سنت قرار پائی۔

85 تحقیقِ حق سے گریز:

آج ہمارے علماء منبروں پر کھڑے ہو کر جو کچھ کہہ دیتے ہیں، عوام بغیر تحقیق کے اُسے تسلیم کر لیتے ہیں۔ یہ مانا کہ بہت سے علماء نہایت ذمے داری سے سوچ سمجھ کر ہی وعظ فرماتے ہیں اور لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں، لیکن بیچ میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنھوں نے خواہ مخواہ چند من گھڑت مسائل پیدا کر رکھے ہیں۔ کسی واعظ نے جوشِ عقیدت میں کہہ دیا، نبی اکرم ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔ سننے والوں نے تحقیق کے بغیر اُسے تسلیم کر لیا۔ جس نے اس بات سے انکار کیا، اُسے وہابی کہہ کر دو چار گالیاں دے دیں اور گھر کو چلے گئے۔ ظاہر ہے کہ اس طرزِ عمل سے ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ﴾ کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی چیز کا سایہ نہ ہونے سے اُس کے ادب و احترام میں کیا اضافہ ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ کہہ کر پیغمبر کے ذمے بیان کرنے کی ڈیوٹی لگائی اور ہمیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ کہہ کر دعوتِ فکر دی۔

86 ارشادِ نبوی ﷺ کی دریافت کا جذبہ:

ایک مرتبہ شام میں طاعون پھیل گیا، وہاں جانے کی بابت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین، انصار

اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے باری باری نبی اکرم ﷺ کا کوئی ارشاد دریافت کیا، لیکن تسلی نہ ہوئی۔ آخر کار عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں کوئی بیماری پھیل جائے، وہاں سے بھاگو نہیں اور جہاں کوئی بیماری پھیلی ہو، وہاں جاؤ نہیں۔ اس پر عمل کرتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام میں جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ تقدیرِ الٰہی سے بھاگ رہے ہیں۔ جواباً فرمایا کہ میں تقدیرِ الٰہی سے تقدیرِ الٰہی ہی کی طرف بھاگ رہا ہوں۔[1]

87 تقدیرِ الٰہی کی ایک مثال:

دو چراگاہیں تمھارے سامنے ہیں؛ ایک میں خوب سبزہ اُگا ہوا ہے۔ دوسری بالکل خشک پڑی ہے، اب بتاؤ کہ تم اپنے اونٹوں کو کس چراگاہ کی طرف لے جاؤ گے؟ ظاہر ہے کہ جدھر سبزہ اُگا ہوا ہے۔ خشک چراگاہ میں یہ کہتے ہوئے اونٹوں کو لے جانا کہ تقدیرِ الٰہی سے بھاگنا نہیں چاہیے، غلط ہے۔ اسباب پر نظر رکھتے ہوئے کامیابی حاصل کرنا عین اسلام ہے، کوئی کام اپنے آپ نہیں ہوتا۔ خشک چراگاہ کو محض اس لیے ترجیح دینا کہ خدا کو منظور ہوگا تو یہیں اونٹوں کا پیٹ بھر جائے گا، حماقت ہے۔

88 عذابِ الٰہی کے چار طریقے:

نڈر لوگوں کو اُن کی بد اعمالی کے سبب خدا کا عذاب حسبِ ذیل چار طریقوں سے گھیر سکتا ہے:

1. اُن کو زمین دھنسا دے۔
2. کسی غیر معلوم جگہ سے اُن پر مصیبت نازل کر دے۔
3. وہ چلتے پھرتے (حالتِ تقلب میں) عاجز ہو کر رہ جائیں۔
4. کسی معلوم شدہ اندیشے کی جگہ سے اُن کو گرفت میں لے لے۔

سورت نحل میں نزولِ عذاب کی ان چار صورتوں کا بیان کرنے کے بعد برمحل ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ [النحل: ٤٧]

89 رؤف اور رحیم کے معنی:

رؤف کے معنی ہیں رافت، رحیم کے معنی ہیں رحم کرنے والا۔ قرآن پاک میں یہ دو صفاتی نام

---

[1] صحیح البخاري، رقم الحدیث (٥٧٢٩) صحیح مسلم، رقم الحدیث (٢٢١٩)

نبی اکرم ﷺ کے بھی آئے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رؤف و رحیم ہونا کسی تاثر کے تحت نہیں ہے۔ (کیوں کہ کسی بات سے متاثر ہونا شانِ خداوندی کے منافی ہے) وہ تو ازراہِ احسان اپنے بندوں کے لیے رؤف و رحیم ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ کا کسی کے لیے رؤف و رحیم ہونا ازراہِ تاثر ہے۔ وہ کسی کی حالت بھی دیکھ کر اُس کے لیے بلاشبہہ رؤف و رحیم ہیں۔ مہربانی اور رحم کا مادہ کم و بیش ہر انسان میں ہے، لیکن درجہ بدرجہ یہ صفت بڑھتی جائے گی۔ کوئی بزرگ یا ولی، خواہ کتنا ہی اعلیٰ پائے کا ہو، وہ مہربانی اور رحم میں نبی کے مقابلے میں نچلے درجے پر ہوگا۔ اسی طرح نبی کی شان میں کسی کو کوئی شک نہیں۔ ان کی ذاتِ گرامی کو لاریب بے حد بلند مقام حاصل ہے، لیکن اُن کی عظمت و بزرگی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں نہیں لائی جاسکتی۔ اللہ اکبر کہنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ ہم سب صاغرین میں سے ہیں۔

90 اہلِ شرک کی نادانی:

جَین مت (ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے) کے حامی لوگ ہزاروں دیوتاؤں کے قائل ہیں۔ عرب کے کفار نے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ وہمی طور پر جس کو جس بت سے فائدہ پہنچتا، وہ اُسی کا پُجاری بن جاتا۔ آتش پرست دو خداؤں کے قائل تھے۔ اہرمن کو شرارتوں کا خدا اور یزداں کو خیر و برکت کا خدا مانتے تھے۔ اصولاً یہ سب کے سب مشرک ہیں۔

یاد رکھو! شرک کم سے کم بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ بعض لوگ ہاتھی، بندر اور سانپ وغیرہ کو پوجتے ہیں اور اس قسم کی اشیاء کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بتاتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ صفت کہیں ہو اور موصوف کہیں! پچھلے دنوں امریکہ نے بھارت سے کچھ بندر طلب کیے تو بندر کے پُجاریوں نے شور برپا کر دیا کہ یہ ہمارا دیوتا ہے، اسے وہاں مت بھیجو۔ ذرا حماقت ملاحظہ فرمایئے کہ خود دیوتا تو جانے سے انکار نہیں کرتا، لیکن پُجاری اُسے رکوا رہے ہیں!!

91 مسلمانوں میں رواج یافتہ موجودہ دَور کا شرک:

فی زمانہ لوگوں نے بتوں کی جگہ بعض قبروں (جو عرفِ عام میں خانقاہیں اور مزار کہلاتی ہیں) کو بڑی اہمیت دی ہے۔ ہر علاقے کی الگ الگ خانقاہیں مشہور ہیں۔ جہاں ان قبروں والوں سے مرادیں طلب کی جاتی ہیں، جو اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں۔ عقیدت مندوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ اختیار ان بزرگوں کی طرف (معاذ اللہ) منتقل کر دیے ہیں۔ بھلا اختیاراتِ خدائی کس

طرح منتقل ہو سکتے ہیں؟ کوئی باپ اپنے بیٹے کو اپنا باپ پن یا کوئی ماں اپنی بیٹی کو اپنا ماں پن کیسے دے سکتی ہے؟ بیٹا اپنے بیٹے کا باپ اور بیٹی اپنی بیٹی کی ماں تو بن سکتی ہے، لیکن دوسرے کا تشخص تبدیل ہونا محال ہے۔ بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ فلاں پیر بڑی کرنی والا ہے۔ خدا اس کی بات کو ردّ نہیں کرتا۔ گویا ہر لحاظ سے عجز خدا ہی کے حصے میں آتا ہے (یہ صریحاً شرک ہے اور) شرک ناقابلِ معافی ہے۔

92 حلول کا لغو مسئلہ:

جَین مت والوں کا ایک لغو خیال یہ ہے کہ مچھر سے لے کر ہاتھی تک تمام چھوٹی بڑی چیزوں میں خدا سمایا ہوا ہے۔ ایک روح ان تمام جانوروں سے ہوتی ہوئی ترقی کر کے آخر خدا سے جا ملتی ہے۔ یہ حلول کا مسئلہ بالکل بے معنی ہے۔ ہمیں دنیا میں ایک روح بھی ایسی نہیں ملے گی جو اپنے گذشتہ جنم کا کچھ حال بتا سکے۔ پھر ایسی ترقی سے کیا فائدہ جس میں صاحبِ روح کو اپنی پہلی پست منزل کا پتا ہی نہ ہو؟ اس قسم کے تمام غیر اسلامی عقائد شرک کی ذیل میں آتے ہیں۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ اس خدائے واحد کے سوا، جو اس کا حقیقی خالق و رازق ہے، کسی کو اپنا دیوتا یا معبود نہ مانے۔

93 ملکیت کا تصور:

جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، ہر چیز کا مالکِ حقیقی خدا ہے۔ مجازی مالکوں کا تصورِ ملکیت ناپائیدار ہے۔ یہ عارضی الاٹ منٹ ہے۔ دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کا مالک آئے دن تبدیل نہ ہوتا رہتا ہو۔ دکاندار اپنی دکان میں مال ڈال کر کہہ سکتا ہے: ہمارا مال آ گیا ہے، لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی ہم دیکھتے ہیں کہ اس مال کا مالک کوئی اور خریدار بن جاتا ہے۔ آئے دن دکانوں کی خرید و فروخت سے بھی مالکوں میں تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ یوں سمجھ لینا چاہیے کہ ہم صرف سیل مَین کا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ ورنہ درحقیقت یہ مال کسی اور کا ہے اور اُسے اللہ کہتے ہیں۔ اسی لیے یہ حکم ہے کہ مال تو ہمارا (اللہ تعالیٰ کا) ہے، تم لین دَین کے وقت کسی قسم کا دھوکا فریب کر کے مفت میں گناہ گار نہ بنو اور نہایت نیک نیتی کے ساتھ معاملات کو انجام دو، یہ سودا بازی چند روزہ ہے۔

94 غیرِ خدا کا خوف:

آنحضرت ﷺ کے پاس ایک نو مسلم قبیلہ آیا اور بتایا کہ ہم نے اور سب بت تو توڑ دیے

ہیں، لیکن ایک بُتنی سے ڈر لگتا ہے، کیوں کہ وہ جابر (زبردست) ہے۔ آپ نے اپنے ایک صحابی کو اس غرض کے لیے ان کے ہمراہ روانہ کیا۔ وہ توڑنے لگے تو پہلی مرتبہ گر پڑے۔ وہم پرستوں نے کہا: دیکھا! بتنی نے اپنا کرشمہ دکھا دیا۔ لیکن یہ اتفاق کی بات تھی۔ دنیا میں اچھے بُرے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ نفع و ضرر کو غیر خدا سے منسوب کرنا گناہ ہے۔ ہمارے معاشرے کا یہ حال ہے کہ بھینس مر گئی تو (کہا جاتا ہے) پیر کی بد دعا سے مری۔ بیٹا پیدا ہوا تو پیر کی دعا سے پیدا ہوا (معاذ اللہ) یہ تمام باتیں شرک ہیں۔ ان سے بچنا چاہیے۔

ایک مرتبہ عربوں کا ایک قافلہ جنگل میں ٹھہرا۔ سردار نے بلند آواز سے کہا: جنگل کے جنوں! ہمیں رات بسر کرنے کی اجازت دے دو۔[1] اس کا یہ فعل سخت حماقت پر مبنی تھا۔ مردِ مومن کو غیر خدا سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

95 بیٹی کی پیدائش:

عرب میں لات، منات اور عزیٰ وغیرہ عورتوں کے نام تھے۔ ان ناموں کے مشہور بت بھی مونث تھے (پنجابی میں بتنیاں کہہ لیجیے) یہ کتنی عجیب بات ہے کہ مشرکین ان مونث بتوں کو تو خدا کی بیٹیاں بتاتے تھے، لیکن خود بیٹیوں کی پیدائش سے گھبراتے تھے۔ یہاں ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عرب میں عام لوگ دُختر کشی کے حامی نہ تھے۔ ورنہ عربوں کی نسل بالکل ختم ہو جاتی۔ خصوصاً یہود ہرگز ایسا نہ کرتے تھے۔ البتہ بنو تمیم وغیرہ چند قبیلے ایسے تھے جو بیٹی کی پیدائش کو بُرا سمجھتے تھے۔ (واقعہ یہ ہے کہ) کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہو یا بیٹی؛ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں کسی کا کچھ دخل نہیں۔ اس معاملے میں ہر انسان بالکل مجبور ہے۔ اولاد کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ انسان کو نرم اور متواضع ہونا سکھاتی ہے۔

96 عورت کا صحیح مقام:

عرب کے بعض قبیلوں نے اپنی جہالت کی بنا پر عورت کا مقام اس قدر گرا دیا تھا کہ وہ بیٹی کی ولادت سے ہراساں ہو کر اُسے زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اُن کے خیال میں کسی کو اپنا داماد بنانا بے عزتی کی بات تھی۔ آج یورپ نے ترقی کے نام پر عورت کا مقام اس قدر پست کر دیا ہے کہ سوسائٹی میں

[1] دیکھیں: تفسیر الطبري (١٢/ ٢٦٣)

اس کے وجود سے ہر طرف خرابی رونما ہوگئی ہے اور حکومت کو جا بجا حرامی بچوں کی تربیت گاہیں کھولنی پڑ گئی ہیں۔ یہ دونوں گروہ غلط کار ہیں۔ عورت کا صحیح مقام وہی ہے جو اسلام نے اُسے عطا فرمایا ہے اور وہ گھر کی چار دیواری ہے۔

97 کسی خرابی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے:

اللہ تعالیٰ کا ایک صفاتی نام ''حکیم'' ہے۔ یعنی ایسی ذات جس کی ہر تدبیر مبنی بر حکمت اور نہایت محکم و مضبوط ہے۔ انسان کو ازراہِ ادب اللہ تعالیٰ کی طرف اچھی باتوں ہی کو منسوب کرنا چاہیے، مثلاً: عدل، احسان اور رحم وغیرہ۔ ﴿ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ نبیِ کریم کی شریعت نے بیماری کو اپنی کوتاہی کی طرف منسوب کرنے کی تعلیم دی ہے اور ہر بہتری کو من جانب اللہ فرمایا گیا۔ یہ درست ہے کہ سنکھیا میں موت کا سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، لیکن اُس کے سبب کو کرنا انسان کی اپنی حرکت ہے۔ اس مثال کی روشنی میں شر اور موت کے فساد کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت درست نہیں، بلکہ اس میں انسان کی اپنی کوتاہی اور عاقبت نا اندیشی ہے۔ اگر کوئی شخص موت کی راہ خود اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر یقیناً موت مسلط کر دیتا ہے۔ بے شک قادرِ حقیقی وہی ذات ہے، لیکن ہر خرابی کے اختیار کرنے میں انسان کی اپنی صوابدید کا دخل ہے۔ کسی خرابی کا الزام اللہ تعالیٰ پر دھرنے سے حدیث شریف میں ممانعت آئی ہے: «وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ»[1]

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے اسباب انسانی دنیا خود اختیار کرتی ہے۔ یہی حال کفر و ایمان کا ہے۔ جو دل جس راہ پر گامزن ہونا چاہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ویسی ہی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے۔ ہمیں ہمیشہ خیر کی توفیق مانگنی چاہیے اور اپنی فراست کو بروئے کار لا کر نیک وسائل اختیار کرنے چاہییں۔

98 دابّہ کے معنی:

چیونٹی سے لے کر انسان تک ہر وہ چھوٹی بڑی چیز جو روئے زمین پر چلتی پھرتی ہے، قرآن کی زبان میں دابّہ ہے۔ بعد میں فارسی والوں نے اِسے چوپائے کے معنی میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ (جمع اس کی دواب ہے) آج کل ایران اور مصر وغیرہ کی طرف دابّہ کا لفظ صرف گھوڑے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ روز مرہ اردو میں یہ لفظ رائج نہیں ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، رقم الحدیث (۷۷۱)

99 ضبط ونظم کی خوبی:

ڈسپلن کا انگریزی لفظ آج کل عام بولا جاتا ہے۔ ضبط ونظم کہو یا ڈسپلن، اس کی اچھی اور صحیح تعریف یہ ہے کہ کوئی کام وقتِ مقرر سے ایک سیکنڈ پہلے ہو نہ بعد میں۔ قولِ رازی کے مطابق تقدیم میں ضعف کا پہلو نہیں ہے، بلکہ مستعدی اور کام پر آمادگی پائی جاتی ہے، البتہ تاخیر میں ضعف کا پہلو نمایاں ہے، مثلاً: اگر کوئی گاڑی لیٹ ہو تو یقیناً کسی خرابی اور کمزوری کے سبب سے ہوگی، لیکن مقررہ وقت سے پہلے آجانے میں خرابی اور کمزوری کا پہلو نہیں ہے۔ تاہم یہ تقدیم بھی صحیح ضبط ونظم کے منافی ہے۔ کارخانۂ الٰہی کا سارا نظام پورے ڈسپلن کے تحت چل رہا ہے، حتی کہ کسی جاندار کی موت میں بھی مقررہ وقت سے ایک لمحہ آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ بڑے سے بڑا سائنس دان بھی اس معاملے میں بے بس ہے ؎

جو برق و باد پہ قادر وہ اس قدر مجبور   کہ ایک سانس بڑھانے کا اختیار نہیں

100 گناہوں پر گرفت میں تاخیر:

انسانی طبائع دو طرح کی ہیں: ایک وہ جو گناہ کرنے کے بعد فوراً تائب ہو جاتی ہیں۔ دوسرے وہ جو گناہ پر گناہ کرنے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذہن کچھ اس طرح کا بن جاتا ہے کہ ہم تو گناہ گار ہیں، ہمیں نیکی کی توفیق کس طرح مل سکتی ہے؟ ان میں بدترین لوگ وہ ہیں جو گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد اینٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو وہ ہمیں گناہوں سے کیوں نہیں روکتا؟ اس کا عذاب ہم پر کیوں نازل نہیں ہوتا؟ قرآن کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر ایسے لوگوں کی فوری گرفت کرنے لگے تو روئے زمین پر ایک بھی چلنے والا نظر نہ آئے۔

101 عذابِ الٰہی کا فلسفہ:

اللہ تعالیٰ کا عذاب جب بھی نازل ہوتا ہے، عمومی رنگ کا ہوتا ہے۔ یہ کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ کہیں قحط پڑے یا کوئی بیماری پھیلے تو اس سے صرف بدکار لوگ متاثر ہوں اور نیکوکار محفوظ رہیں، یا بارش ہو یا سیلاب آجائے تو خاص خاص لوگوں کو چھوڑ کر باقی مخلوق کو تکلیف ہو۔ اس سنتِ الٰہی کی رُو سے اگر ہر گناہ گار کے گناہ پر فوراً گرفت ہونے لگے اور اللہ تعالیٰ کا عذاب بار بار عمومی رنگ میں نازل ہو تو ظاہر

ہے کہ دنیا میں کوئی جاندار بھی محفوظ نہیں رہ سکتا، کیوں کہ ہر بار گناہ گاروں کے ساتھ لازماً بے گناہ لوگ بھی مارے جائیں گے۔ اس لیے ڈھیل دینا حکمت پر مبنی ہے۔

102 بے وقت توبہ بے کار ہے:

حق تعالیٰ کی گرفت ہوتی ہے اور ضرور ہوتی ہے۔ وہاں دیر ہے، اندھیر نہیں، لیکن اس کے لیے ایک وقت مقرر ہے، جسے قرآن کی زبان میں ﴿ اَجَلٍ مُّسَمًّى ﴾ کہتے ہیں۔ جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر ایک منٹ بھی اِدھر اُدھر نہیں ہوتا۔ دیکھو فرعون کو اللہ تعالیٰ نے کس قدر ڈھیل دی۔ اس دوران میں اُس نے توبہ نہیں کی، لیکن جب اُس کی غرقابی کا وقت آیا تو دریائے نیل کے کنارے پر کھڑے ہوئے انسانوں نے بچشم خود دیکھا کہ اُس کی کیا گت بنی۔ ایسے وقت میں اس کی توبہ کے قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ توبہ وہی ہے جو عذابِ الٰہی نازل ہونے سے پہلے کی جائے۔ لیکن سرکش قسم کے گناہ گار مختلف قسم کی مکروہ باتوں کو خدا تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتے ہوئے نہیں تھکتیں۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے لیے بہتری ہے۔ قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لیے آگ کی تکلیف ہی نہیں، بلکہ وہ دوزخ میں اپنے پیچھے آنے والوں کے میزبان بھی ہوں گے۔

103 بیاہ شادی کی فضول رسمیں:

ہر انسان اپنی عادات کا غلام ہوتا ہے اور عادات کی پختگی میں اس کے ماحول کو بہت زیادہ دخل ہوتا ہے۔ ہندوؤں کی ہمسائیگی کے سبب شادی بیاہ کے موقعوں پر مسلمانوں کے ہاں بھی ایسی ایسی فضول رسمیں دیکھنے میں آتی ہیں جن کا بظاہر کچھ فائدہ نظر نہیں آتا۔ چہرے پر سہرا یا ہاتھوں میں بدھنا باندھنا چہ معنی دارد؟ آخر ان چیزوں کے نہ باندھنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ لیکن ہم میں سے اکثر معقول آدمی بھی عورتوں کو ایسا کرنے سے نہیں روک سکتے۔ (اس موقعے پر آپ نے ازراہِ تفنن بیاہ شادی کی تقریب کو روٹھنے کا سیزن قرار دیا، کیوں کہ دعوت دینے والے کو رشتے داروں کے منانے میں کافی وقت صَرف کرنا پڑتا ہے)

104 بداعمالی کے مختلف بہانے:

﴿ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ [النحل: ٦٣] کے مصداق شیطان نے لوگوں کو بُری باتوں

کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ تزئینِ گناہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شیطان نے ان بُری باتوں کو سونے چاندی کے ورق لگا کر سجا دیا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ بد اعمال لوگوں نے شیطان کے دام میں آ کر بد اعمالی پر قائم رہنے کے لیے مختلف قسم کے بہانے تراش رکھے ہیں اور اپنے دل کو خوش کرنے والی دلیلیں گھڑ رکھی ہیں، جن کی موجودگی میں اُنھیں اپنا ہر بُرا فعل مزین معلوم ہوتا ہے۔ دفتروں میں رشوت کھانے والوں کا یہ کہنا کہ کام بہت ہے یا ہمارے گھر کا خرچ صرف تنخواہ میں پورا نہیں ہوتا، اس لیے ہم مجبوراً رشوت لیتے ہیں، تزئینِ گناہ ہے۔ یا بازاروں میں کم تولنے والوں کا یہ کہنا کہ ہم کیا کریں، پورا تولنے سے اتنی بچت نہیں ہوتی کہ بال بچوں کا گزارہ ہو سکے، تزئینِ گناہ ہے۔

105 کم تولنے کا کوئی جواز نہیں:

کم تولنے کا عیب حضرت شعیب علیہ السلام کی امت میں بہت زیادہ تھا، لیکن آج ہمارے معاشرے میں بھی کم تولنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ یاد رکھو! کم تولنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے، بلکہ یہ فعل سور کو کھانے سے بھی سنگین ہے، کیوں کہ بہ امرِ مجبوری اضطرار کے عالم میں جان بچانے کے لیے یہ ممکن ہے کہ کسی شخص کو سور کھانے کی نوبت آ جائے اور اس کے لیے اس وقت ایسا کرنا جائز ہے، لیکن کم تولنے والے کو قرآن و حدیث سے کسی حالت میں بھی کوئی جواز نہیں مل سکتا۔ اس لیے بلا مبالغہ ازروئے منطق یہ کہنا درست ہوگا کہ کم تولنا سور کھانے سے بھی بدتر فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عیب سے محفوظ رکھے۔

106 بے معنی دشنام طرازی:

گالی دینے کا فعل بھی بے حد مذموم ہے، لیکن بعض لوگ گالیاں دینے کے اس قدر عادی ہوتے ہیں کہ بے جان چیزوں کو بھی معاف نہیں کرتے۔ ان کی زبان ہر وقت گالی کے استعمال کی عادی ہوتی ہے۔ کوئی برتن ٹوٹ گیا تو بولے: اس برتن کی ماں کو یوں، ان سے کوئی پوچھے کہ کیا برتن کی بھی کوئی ماں ہوتی ہے؟

107 حیات کا وسیع تر تصور:

روح اور بدن لازم و ملزوم ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر بے کار ہیں۔ بلاشبہہ عبادت سے (جو ہماری خلقت کا مقصود ہے) رُوح لطف اندوز ہوتی ہے، لیکن عبادت کا ذریعہ ہمارے جسمانی اعضاء ہیں جو رکوع و سجود وغیرہ ارکان ادا کرتے ہیں۔ حیات کا تصور بہت وسیع ہے۔ ایک زندگی علم کی

زندگی ہے، جو جاہل کو نصیب نہیں ہوتی۔ اسی طرح دل کی زندگی ہے، جو شقی لوگوں کو نصیب نہیں ہوتی۔ اِن معنوں میں یہ کہنا درست ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو حیاتِ تازہ بخشی۔ یہاں حیاتِ تازہ سے مراد دل کی زندگی ہے، جو دنیا کی تمام دولتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ بہ قولِ اقبال ؎

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں

تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

دل کی زندگی کے بغیر انسان چلتی پھرتی لاش ہے۔ کئی بدبخت انسان ایسے بھی گزرے ہیں جو زندہ ہونے کے باوجود مردہ ہی رہے اور پیغمبرِ اسلام کی حیات بخشی سے کچھ فائدہ نہ اُٹھا سکے۔

108 قرآنی فصاحت و بلاغت کا اثر:

لبید عرب کا ایک نامی شاعر تھا۔ اس نے ساٹھ سال کی عمر زمانۂ جاہلیت میں اور ساٹھ سال کی عمر زمانۂ اسلام میں پائی۔ خانہ کعبہ میں جو سات زور دار قصائد آویزاں تھے، ان میں سے ایک قصیدہ اس شاعر کا بھی تھا۔ لیکن صرف سورت فاتحہ پڑھنے کے بعد وہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا ایسا قائل ہوا کہ اس نے اس کے بعد شعر گوئی ترک کر دی۔

109 رضا کا مفہوم:

جب تک فریقین راضی نہ ہوں، رضا کا مفہوم کچھ نہیں ہوسکتا۔ یاد رہے کہ رضا یک طرفہ نہیں ہوسکتی۔ بے شک اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی رضا چاہتا ہے، لیکن اس سے یہ سمجھ لینا کہ پیغمبر روٹھا ہوا ہے اور خدا اس کی منتیں کر کے اسے منا رہا ہے بالکل غلط ہے، بلکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی توہین ہوتی ہے۔ خدا تو ہر مسلمان کی رضا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہر مسلمان کو اس کی عبادت کا پورا پورا صلہ دے کر اُسے جنت میں بھیج دے۔ کوئی مزدور اور اس کا آقا ہرگز اُس وقت تک راضی نہیں ہو سکتے جب تک ان کا باہمی معاملہ خوش اسلوبی سے طے نہ ہوجائے۔ ﴿لَعَلَّكَ تَرْضٰى﴾ سے خدا کا یہی منشا ہے۔

110 حیات و موت:

اگر کسی چیز کا مقصد فوت ہوجائے تو وہ اس کی موت ہے۔ جب تک وہ مقصد بطریقِ احسن پورا ہوتا رہے، اس چیز کی حیات قائم ہے، مثلاً: درخت جب تک سایہ دیتا ہے، اس کے پتے قائم ہیں یا وہ میوہ پیدا کرتا ہے، ہم اسے زندہ کہیں گے، لیکن جب اس کے برگ و بار جھڑ جائیں تو ہم سمجھ لیں گے

کہ اس کی موت واقع ہوگئی۔ اسی طرح زمین ہر سال کم از کم دو مرتبہ مرتی اور دو مرتبہ زندہ ہوتی ہے۔ جب تک اس کی حیات برقرار ہو، وہ فصل کو پکاتی ہے، لیکن جب وہ کسی فصل کی نشو و نما چھوڑ دے تو اس کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ قرآن نے اسی لیے ﴿بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

111 شریعت کی پابندی:

ہر بالغ مرد اور عورت پر شریعت کی پابندی لازم ہے، لیکن نابالغ بچے، مخبوط الحواس شخص اور سوئے ہوئے انسان اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اصطلاحِ شرعی میں ان کو ''مرفوع القلم'' کہا جاتا ہے۔

112 یزدان و اہرمن کا تصور:

ایک ہی وقت میں دو متضاد باتوں کے ظہور پذیر ہونے سے انسان کو دو خداؤں کی خدائی کا خیال پیدا ہوا۔ خصوصاً آتش پرست لوگ بہت زیادہ اس بات کے معتقد تھے کہ خیر کا خدا یزدان اور شر کا اہرمن، مثلاً: ایک ہی پل میں ایک شخص کو بیٹے کی ولادت کا مژدہ ملتا ہے اور اس کے فوراً بعد اس کے دوسرے بیٹے کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ جس کے باعث اس کی پہلی ساری خوشی متبدل بہ غم ہو جاتی ہے۔ ان دو مختلف کیفیتوں کے محرکات کو یہ لوگ دو خداؤں کی خدائی سے تعبیر کرتے تھے۔ قرآن نے ﴿لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ فرما کر اس غلط عقیدے کی نفی کی اور نہایت وضاحت سے کہا کہ ﴿اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ﴾۔ یاد رہے کہ خوشی اور غم سب کچھ من جانب اللہ ہے۔

113 ایک حدیثِ نبوی کا خلاصہ:

خوش اعمالی پر نازاں نہ ہونا چاہیے۔ اگر انجام اچھا ہو تو سب کچھ اچھا ہے۔ ایک حدیثِ نبوی کا خلاصہ یہ ہے کہ ① بعض لوگ کافر پیدا ہوتے ہیں، کافرانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور آخر کار کافر ہی فوت ہوتے ہیں۔ ② بعض لوگ مومن پیدا ہوتے ہیں، مومنانہ زندگی بسر کرتے ہیں اور آخر کار مومن ہی فوت ہوتے ہیں۔ ③ بعض لوگ کافر پیدا ہوتے ہیں، کافرانہ زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن مرتے وقت مومن بن جاتے ہیں۔ سبحان اللہ، ان کا خاتمہ بالخیر ہوا اور ان پر خدا کی رحمت ہوئی۔ ④ بعض لوگ مومن پیدا ہوتے ہیں، مومنانہ زندگی بسر کرتے ہیں، لیکن آخر کار ایسی لغزش کھاتے ہیں کہ انھیں کافرانہ موت نصیب ہوتی ہے۔[1] بہر حال انسان کو اپنے اچھے انجام کے لیے دعا کرتے رہنا چاہیے۔

[1] صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٢٣٣) مسند أحمد (٣/ ١٢٠)

114 اطاعتِ رسول کی اہمیت:

نبی اکرم ﷺ کی فرماں برداری اور مکمل اطاعت کے بغیر اگر کوئی شخص اپنے دفترِ اعمال میں اس قدر نیکیاں بھی رکھتا ہو کہ ان سے زمین و آسماں کا درمیانی خلا پُر ہوجائے تو بھی وہ نجات پا کر جنت میں نہیں جا سکتا ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا توان یافت جز در پے مصطفیٰ[1]

کافروں کی نیکیوں کا بدلہ انھیں اسی جہاں میں مل جاتا ہے۔ آخرت میں ان کا کچھ حصہ نہیں ہے۔ فرعون زانی نہیں تھا، علاوہ ازیں بڑا سخی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ پانچ دروازوں سے سائلوں کو سخاوت کرتا تھا، لیکن ان نیکیوں کے باوجود دوزخی ہے، کیوں کہ اس نے اپنے عہد کے نبی موسیٰ کی اطاعت نہیں کی۔ نبی اکرم ﷺ کے بعض قریبی رشتے دار بھی آپ کی عدمِ اطاعت کے باعث اُخروی نجات سے محروم رہے۔

115 اچھائی برائی کا معیار:

نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے اچھا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی ہو اور اعمال صالح ہوں۔ اسی طرح تم میں سے بُرا آدمی وہ ہے جس کی عمر لمبی اور اعمال خراب ہوں۔[2]

جب ہمیں کوئی بزرگ آدمی نظر آئے تو ہمیں اس خیال سے اس کا احترام کرنا چاہیے کہ اس کی عمر ہم سے زیادہ ہے، یقیناً اس کی نیکیاں بھی ہم سے زیادہ ہوں گی اور جب کوئی اپنے سے چھوٹا نظر آئے تو ہمیں اس خیال سے اُس کی قدر کرنی چاہیے کہ اُس کی عمر ہم سے کم ہے، یقیناً اس کے گناہ بھی ہم سے کم ہوں گے۔

116 ایمان اور تکبر:

ایمان اور تکبر بہ یک وقت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ جس دل میں ایمان ہو، وہاں تکبر کا گزر نہیں اور جس دل میں تکبر ہو، وہاں ایمان کا گزر نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ میں نہیں جائے گا اور جس شخص کے دل میں رائی کے دانے جتنا بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔[3]

---

1. اے سعدی! (محمد) مصطفیٰ ﷺ کا اتباع کیے بغیر صحیح راہ پانا محال و ناممکن ہے۔
2. سنن الترمذي، رقم الحديث (٢٣٣٠)
3. صحيح مسلم، رقم الحديث (٩١) سنن أبي داود، رقم الحديث (٤٠٩١)

(117) تکبر کی تعریف:

اپنے کو بڑا خیال کرتے ہوئے دوسروں کو اپنی نسبت کمزور حقیر خیال کرنا ہی تکبر نہیں، بلکہ حق کو پامال کرتے ہوئے دیدہ و دانستہ باطل کی حمایت پر اُڑنا بھی تکبر ہے۔ تکبر خدا کو سخت ناپسند ہے۔ (واضح رہے کہ اچھا لباس پہننا اور حلال کی کمائی سے اچھا کھانا تکبر میں شامل نہیں ہے)

(118) دانائی کی بات:

ہمیں جہاں سے بھی دانائی کی بات ملے، حاصل کر لینی چاہیے، خواہ کسی غیر مسلم ہی کے پاس کیوں نہ ہو۔ حکمت مومن کا گم شدہ مال ہے۔ یہ جہاں بھی نظر آئے، اُسے فوراً اَخذ کر لو ؎

گفت حکمت را خدا خیر کثیر ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر [1]

(119) جائز غصہ:

انسان میں غضب کی صفت اللہ تعالیٰ نے بے کار پیدا نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ کو غصہ بھی آتا تھا، لیکن جائز طور پر۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تورات کے اوراق پڑھتے ہوئے آپ ﷺ نے دیکھا تو آپ ﷺ کا چہرہ ایک دم متغیر ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کیفیت کو بھانپ گئے اور ان اوراق کو پڑھنا بند کر دیا۔[2]

(120) حق کا رُعب:

باطل میں اتنی تاب نہیں کہ حق کا مقابلہ کر سکے۔ حق کا رعب مسلّم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک خصوصیت مبارکہ یہ تھی کہ ایک مہینے کی مسافت کی دوری سے بھی دشمن آپ سے مرعوب ہو جاتا تھا۔ اس سے یہ اَخذ کیا جا سکتا ہے کہ صداقت کی بڑی طاقت ہے۔

(121) چند فرق:

خدا اور رسول کی سچی محبت اور فسق و فجور کے رجحان میں فرق ہے۔ عوام کی بدحالی کے خلاف منصفانہ صدائے احتجاج اور کمیونزم کے پرچار میں فرق ہے۔ اسلام کے زرّیں اصولوں کی مومنانہ پیروی اور خشک ملائیت میں فرق ہے۔

---

(1) اللہ تعالیٰ نے حکمت کو خیرِ کثیر کہا ہے، لہٰذا یہ خیر جہاں بھی دیکھو اسے لے لو۔

(2) مسند أحمد (٣/ ٣٨٧)

(122) معیارِ فضیلت:

قرآن کے نزدیک فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے، حسب و نسب کوئی چیز نہیں۔ ابولہب اور ابوجہل خاندانی اعتبار سے کچھ کم معزز نہیں تھے، لیکن اسلام کی نظروں میں ان کی کچھ عزت نہیں ہے۔ خدا کا خوف محسوس کرتے ہوئے گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے

طبیعت اس تصور سے بہت مایوس ہوتی ہے
کہ بے خوفِ خدا بھی زندگی محسوس ہوتی ہے

(123) ارشادِ حکیمانہ:

کسی چیز کو ہرگز للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھو، لیکن جب کوئی چیز تمھاری طلب کے بغیر ازراہِ محبت تمھیں تحفے کے طور پر پیش کی جائے تو اسے رد نہ کرو، بلکہ شکریے کے ساتھ قبول کر لو۔ تحائف کے لینے دینے سے محبت بڑھتی ہے۔

(124) تین جھوٹ اور ان کی حقیقت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تین باتوں پر ''کذبات'' کا اطلاق ظاہر کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ جھوٹ نہیں:

1. ستاروں کو خدا کہنا۔ یہ محض استفہامی طرز ہے کہ کیا یہ ڈوبنے والے خدا ہو سکتے ہیں؟ پھر آپ نے خود ہی فرمایا کہ یہ ڈوبنے والے خدا نہیں ہو سکتے۔ یہ محض تلاشِ حق ہے۔ اسے حقیقی جھوٹ نہیں کہا جا سکتا۔
2. بتوں کو خود توڑا اور پھر کہا کہ ان بتوں کے سردار سے دریافت کرو کہ کس نے ان کو توڑا ہے؟ آپ نے بتوں کو توڑنے کے بعد ہتھوڑا ایک بڑے بت کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ نہیں، بلکہ ایک زبردست طنز تھی۔
3. اپنی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام (حضرت اسحاق علیہ السلام کی والدہ) کو حاکمِ مصر کے روبرو اپنی بہن کہا، کیوں کہ وہ ظالم ہر شخص کی بہن کو چھوڑ دیتا تھا اور بیوی کو قید کر لیتا تھا۔ یہ بھی دراصل جھوٹ نہیں، بلکہ واقعتاً حضرت سارہ علیہا السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پھوپھی زاد بہن تھی۔

125 معاشرے کی بدحالی کا سبب:

قانون کی طاقت بجائے خود مسلّم ہے، لیکن کسی قوم کے دل سے اگر قانون کا احترام اُٹھ جائے تو بڑے سے بڑا قانون بھی بے کار رہ جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی قانون ہر گھر میں جھانک کر لوگوں کے اعمال کی جانچ پڑتال نہیں کر سکتا، اسی لیے اسلام نے اعمال کی بنیاد خشیتِ الٰہی پر رکھی ہے۔ جب تک دلوں میں خوفِ خدا پیدا نہ ہو، معاشرے کی اصلاح مشکل ہے۔

126 بے ہودہ خواہش:

اگر کوئی شخص بڑھاپے کی عمر میں یہ چاہے کہ اس کا شباب لوٹ آئے اور وہ پھر نوجوانی کی ہی قوت محسوس کرنے لگے تو اُسے ایسی خواہش سے کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اس کی اس خواہش کو ایک احمقانہ خواہش کہیں گے، لیکن بہرحال اُسے خواہش تو ہوتی ہے کہ کاش ایسا ہو جائے۔

اسی طرح کفار کا یہ کہنا کہ رسولِ اکرم ﷺ اپنی تبلیغ سے دست بردار ہو کر ہمارے آبائی دین کو اختیار کر لیں تو ہم ان کی مخالفت کرنا چھوڑ دیں گے، یہ بھی ایک احمقانہ خواہش تھی، جسے کوئی روک نہیں سکتا تھا۔ تاہم تھی یہ بات بھی اُسی طرح ناممکن، جس طرح کسی پیرِ صد سالہ کا از سرِ نو شباب کی طاقت سے بہرہ مند ہونا۔ دراصل یہ فضول مطالبہ کفار کی حماقت پر مبنی تھا۔

127 عبادتِ الٰہی کا انقلابی پروگرام اور تائیدِ الٰہی:

نبی اکرم ﷺ نے تنِ تنہا اپنے دور کے معاشرے کے خلاف آواز اُٹھائی اور معاشرہ بھی ایسا زبردست، جس میں ابولہب اور ابوجہل جیسے جلیل القدر سردار برسرِ اقتدار ہوں۔ اُن کا یہ جرأت مندانہ فعل لوگوں کی نظروں میں واقعی بہت عجیب تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی اپنی طاقت کا اندازہ لگائے بغیر یہ دعویٰ کر دے کہ میں پہاڑ سے ٹکر لوں گا اور آخر کار اسے پاش پاش کر دوں گا۔ ایک یتیم بچے کا جوان ہوتے ہی بڑی شد و مد کے ساتھ انقلابی پروگرام پیش کر دینا، نظر بہ ظاہر جنون اور دیوانگی ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہی باعث ہے کہ کفار اپنے نقطۂ نگاہ سے نبی اکرم ﷺ کو مجنون اور دیوانہ کہتے تھے، لیکن تائیدِ الٰہی چوں کہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھی، اس لیے بالآخر وہ اپنے نیک مشن میں نہایت شان کے ساتھ کامیاب ہوئے اور انھوں نے حق کی عطا کردہ بے پناہ طاقت سے معاشرے کی

تمام برائیوں کا خاتمہ کر کے اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کی۔ ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبٰطِلُ ۚ اِنَّ الْبٰطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴾ [الإسراء: ٨١]

128 قرآن اور عربی زبان:

لوگوں کا یہ اعتراض بے معنی ہے کہ خدا نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے جانب داری کا ثبوت دیا ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ دنیا کی ہر وادی میں کوئی نہ کوئی ہادی ضرور آیا ہے۔ کسی ہادی کو تبلیغ کرنے میں آسانی اُسی وقت ہو سکتی ہے جب لوگ اس کی زبان کو سمجھیں اور وہ لوگوں کی زبان کو سمجھتا ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو ہادی کی دشواریوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ یعنی پہلے وہ لوگوں کو اپنے الہام کی زبان سکھائے اور پھر اپنا پیغام سنائے، لہٰذا یہ کہنا کہ عربی میں قرآن نازل کرنا خدا کی جانب داری ہے، غلط ہے۔ اہلِ عرب اس زبان کے سوا اور کسی زبان کو آسانی سے کس طرح سمجھ سکتے تھے؟

129 یہودیوں کے مکر:

رسولِ اکرم ﷺ کو اپنے مشن میں ناکام بنانے کے لیے یہودی آئے دن نئی نئی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ اُن میں سے ایک تدبیر یہ تھی کہ بڑے بڑے سردار اور فہمیدہ قسم کے افراد اجتماعی طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تھے اور کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد یہ کہہ کر دینِ اسلام ترک کر دیتے تھے کہ اس میں کچھ نہیں ہے، ہم نے خوب قریب سے مشاہدہ کر لیا ہے۔ ان کے اس شر انگیز عمل سے بھولے بھالے لوگوں پر بظاہر بُرا اثر پڑنے کا اندیشہ تھا، لیکن خدا نے جو ﴿ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ہے، یہودیوں کی ایسی تمام تدبیروں کو خاک میں ملا دیا اور بالآخر اسلام کا بول بالا ہو کر رہا۔

(واضح رہے کہ اُردو زبان میں مکر کا لفظ کچھ اچھے معنی میں استعمال نہیں ہوتا، لیکن عربی میں اس کا مطلب ہے تدبیر کرنا۔ ''ماکر'' اس کا فاعل ہے۔ ''ماکرین'' جمع سالم ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ سے مراد یہ ہے کہ خدا بہترین تدبیر فرماتا ہے)

130 عذابِ الٰہی میں تاخیر:

قرآن کریم اس بات کا شاہد ہے کہ جب کوئی قوم حد سے زیادہ گمراہیوں میں گھر جائے تو وہ عذابِ الٰہی سے تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ آج ہماری قوم بھی اپنی بد اعمالیوں کے اعتبار سے دیگر برباد شدہ قوموں کی طرح مستحقِ عذاب ہو چکی ہے۔ اب اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل کرنے

میں کوئی ڈھیل ہے تو یہ اُس کی مصلحت ہے، ورنہ ہماری طرف سے کوئی کمی نہیں۔ عذابِ الٰہی کو عذاب نہ سمجھنا بھی ایک عذاب ہے۔ جب کوئی قوم عذابِ الٰہی کے قریب ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کی دماغی صلاحیت سلب کی جاتی ہے اور اس کے افراد کو صحیح فکر وشعور سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

(131) فقیر پرستی کی لعنت:

فقیر پرستوں کی زبان سے عموماً یہ دو باتیں سننے میں آتی ہیں کہ فلاں فقیر بڑی کرنی والا ہے، یا فلاں فقیر کا کہنا خدا نہیں موڑتا (واپس نہیں کرتا)۔ گویا دونوں لحاظ سے عجز خدا ہی کے حصے میں آتا ہے۔ یاد رکھو کہ خدا سے بڑھ کر کوئی کرنی والا نہیں ہے۔ اُس کے رو برو کسی بڑے سے بڑے بزرگ کی مجال نہیں کہ دم مارے۔ باقی رہا معاملہ کہا نہ موڑنے کا، سو ہم دیکھتے ہیں کہ جو کچھ خدا چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے، حتیٰ کہ بعض اوقات وہ پیغمبروں کی التجا بھی قبول نہیں فرماتا۔ چناں چہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے حق میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے حق میں اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی بیوی اور بیٹے کے حق میں دعا کی تھی، لیکن وہ رد کر دی گئی۔ ان حالات میں غور کا مقام ہے کہ ہمارے معاشرے کے بے عمل اور شرعِ اسلامی کی مخالفت کرنے والے فقیروں کی کیا حقیقت ہے؟

مرتب کی معروضات:

میں نے حضرت مولانا محمد اسماعیل مرحوم کے جو ارشادات قلم بند کیے ہیں، وہ کسی ترتیب سے نہیں ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ میں ان کی مجلسِ وعظ ونصیحت میں باقاعدگی سے حاضر نہ ہوتا تھا، بلکہ جب کبھی وہاں جاتا تو گھر واپس آکر ضروری باتیں اختصار کے ساتھ اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیتا۔ میرا ایسا کرنا مولانا کے نوٹس میں نہیں تھا، ان سے ایک دو بار حضرت راسخ عرفانی کے مکان پر ملاقات ہوئی۔ لیکن میں نے ذکر کرنا مناسب نہ سمجھا، تاکہ ان کی بے تکلفی اور جملوں کی برجستگی میں کچھ احتیاط نہ پیدا ہو جائے۔

مولانا کا طریقِ کار یہ تھا کہ وہ سب سے پہلے قرآنِ پاک کی آیات تلاوت فرماتے۔ پھر ان کا ترجمہ اُردو میں بیان کرتے اور پھر ان آیات کی تفسیر نہایت دلکش انداز میں اپنے مخصوص لب ولہجے کے ساتھ بزبانِ پنجابی اس طرح سمجھاتے کہ سننے والوں کو لطف آجاتا۔ اب صرف یادیں باقی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مدارج عطا فرمائے۔ آمین

خطبۂ استقبالیہ

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کانفرنس منعقدہ گوجرانوالہ

(۱۲،۱۳،۱۴/ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْأَصْفِيَاءِ، وَآلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ وَأَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهِ السَّادَةِ الْأَتْقِيَاءِ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ مَا نَوَّرَ النَّيِّرَانُ جَوَّ السَّمَاءِ، وَأَضَاءَ نُوْرُ السُّنَّةِ شَغَافَ الْقُلُوْبِ بِضِيَاءِ الْإِهْتِدَاءِ.

اخوان کرام! بارش، سیلاب، راستوں کی صبر آزما تکالیف اور فصلِ خریف کی تیاری کے جن ایام میں آپ نے سفر کی صعوبت برداشت فرمائی ہے، آپ کے خلوص اور جماعت کے ساتھ وابستگی کی یہ کھلی دلیل ہے۔ اس پر خلوصِ عمل کے لیے سیاہ کار قلم اگر رسمی شکریہ کی جرأت کرے تو یہ صرف ایک جسارت ہوگی۔ مناسب یہی ہے کہ میں ''ایاز قدر خود بشناس'' کہہ کر اس رسم پروری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کروں۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ وہ اس اخلاص سے بھرپور عمل کو قبول فرمائے اور آپ کو اس کی پوری جزا مرحمت فرمائے۔ مزید اخلاص اور جماعت کے ساتھ وابستگی اور تعاون کی توفیق ارزانی فرمائے۔ وَقَوْلِيْ لَكُمْ: أَهْلًا وَّسَهْلًا وَّمَرْحَبًا.

گجرانوالہ:

حضرات! جس شہر میں آپ تشریف فرما ہیں، یہ کوئی پرانا تاریخی شہر نہیں۔ آخری مغل سلطان بہادر شاہ کے وقت یہ ایک گاؤں تھا۔ آج سے تقریباً چار سو سال قبل خاں نامی ایک زمیندار نے جو سانسی قوم سے تعلق رکھتا تھا، اس کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد ایک زمیندار قوم ''گجر'' نامی اس میں آباد ہوئی۔ اسی سبب سے اس کا نام ''گجرانوالہ'' مشہور ہوا جسے زبان کے تغیرات نے ''گجرانوالہ'' بنا دیا۔ آج ایام کی گردش نے بانیِ اول اور گجر قوم دونوں کو اپنی عادت کے مطابق طاقِ نسیان پر رکھ دیا ہے اور غالباً ان کی نسل سے ایک فرد بھی شہر میں موجود نہیں۔ تِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ.

سکھ اور گجرانوالہ:

چڑت سنگھ، راجہ رنجیت سنگھ کے دادا، اپنے گاؤں راجہ سانسی سے آ کر یہاں آباد ہوئے اور بتدریج اس گاؤں نے قصبہ کی صورت اختیار کی۔ راجہ رنجیت سنگھ یہیں پیدا ہوئے۔ سکھ ایسی مشہور اور عاقبت نا اندیش قوم کی تاریخ اس شہر سے وابستہ ہوگئی۔ انگریزی عملداری میں یہاں سٹیشن بنا اور اسے ضلع کا صدر مقام قرار دیا گیا۔ اور یہ قصبہ شہر بن گیا جس کی آبادی ۱۹۴۷ء سے پہلے قریباً ۹۰ ہزار تھی۔ اب غالباً ۲ لاکھ سے متجاوز ہے۔ کپڑے، برتنوں اور بعض دوسرے کاروبار کے لیے بہترین منڈی ہے اور تجارت کے لحاظ سے ایک اہم مرکز۔

سکھ قوم اور اہلِ حدیث:

حاضرینِ کرام! سکھوں کے ساتھ آپ کو بھی کچھ تاریخی تعلق ہے۔ سکھ قوم مسلمان بادشاہوں کی دشمن نوازیوں کا زندہ ثبوت ہے۔ سکھ شاید بھول چکے ہوں لیکن تاریخ شاہد ہے وہ مغل بادشاہوں کی غلط نوازی بلکہ ایک غلط خواب کی ایک غلط تعبیر ہیں۔ ان دشمن نواز بادشاہوں کی بدولت سکھوں کو حکومت ملی۔ قزاقی اور راہزنی کی راہ سے جو لوگ حکومت کی بلندیوں تک پہنچتے ہیں وہ نہ رعیت پروری جانتے ہیں نہ آئینِ جہانداری! اس لیے سکھ اور ظلم قریباً دو ہم معنی لفظ سمجھے گئے۔

سکھوں کے مظالم تاریخ کی مسلّمہ حقیقت ہیں اور ہندوستان میں تحریک اہلِ حدیث کا وجود ان مظالم کی صدائے بازگشت ہے۔ آپ کی دینی اور سیاسی زندگی کے دو عظیم المرتبت اور مقدس راہنما حضرت مولانا سید احمد شہید اور مولانا سید اسماعیل شہید رحمہما اللہ سکھ استبداد کی وجہ سے میدانِ کارزار میں اترے اور چند برسوں میں سکھوں کے جبر واستبداد کی کمر توڑ کر رکھ دی۔ اگر انگریزی سیاست کی عیاری اور بعض آبرو باختہ جماعتوں کی غداری اور انگریز کے ساتھ تعاون نہ ہوتا تو ہندوستان کا جغرافیہ بالکل مختلف ہوتا۔ پاکستان کی سرحد واہگہ کے بجائے کلکتہ سے کہیں پرے ہوتی ؎

مَا كُلُّ مَا يَشْتَهِيهِ الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ   تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ [1]

عساکرِ توحید کا پارینہ جھنڈا:

یہ پارینہ جھنڈا جو آپ کے قریب لہرا رہا ہے کبھی ستاروں کا ہمراز تھا اور ملائکہ سے ہمکلام۔ یہ

[1] آدمی جو چاہتا ہے پا نہیں لیتا، ہوائیں کبھی سفینوں کی مرضی کے خلاف بھی چلتی ہیں۔

سید شہید کے ان عساکر کا جھنڈا ہے جو اسلام کی سربلندی کے لیے سکھ استبداد اور برطانوی عیاری سے برسوں برسرِ پیکار رہے۔ یہ جھنڈا کالا باغ علاقہ ہزارہ کے اہلِ حدیث حضرات کے پاس محفوظ تھا جن کے آباؤ اجداد برسوں ان مقدس عساکر میں دادِ شجاعت دیتے رہے۔ یہ حضرات کراؤل قوم سے تعلق رکھتے ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں نتھیا گلی کے قریب اپنے مسلک اور روایات کی حفاظت فرماتے ہوئے ان دور افتادہ پہاڑوں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ موجودہ آزاد کشمیر پر حکومت پاکستان کا قبضہ ان حضرات کی مساعی کا مرہونِ منت ہے۔ اور شاید ان سرحدوں کی حفاظت میں بھی یہ سادہ دل حضرات کونے کا پتھر ثابت ہوں۔ شَكَرَ اللّٰهُ مَسَاعِيهِمْ.

آہ! آج یہ جھنڈا رزم کے میدانوں سے بہت دور آپ کی اس بزم کی زینت ہو رہا ہے اور اپنے پرشکوہ ماضی کی خاموش حکایت بلکہ کفر وفسق، شرک وبدعت کے مظالم کی ایک دردناک شکایت ہے اور بس!

احبابِ عظام! آنسوؤں کو روکیے، تھوڑی دیر ٹھہریے اور دماغ میں اپنی گذشتہ رفعتوں کا تصور لائیے اور سوچیے کہ آپ کہاں تھے اور اب کہاں ہیں؟ غور کیجیے! یہ مسافر کہاں سے بھٹکا کہاں پہنچا اور اب اسے کہاں جانا ہے۔ جو قدم اٹھانا ہے اسے سوچ کر اٹھائیے، عزم وضبط سے اٹھائیے۔ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ، إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ.

مسلک اہلِ حدیث عروج وزوال کے مراحل میں:

حاضرینِ کرام! تحریک اہلِ حدیث کا آغاز قرونِ خیر سے ہوا اور ان صدیوں میں عروج و زوال کے کئی مراحل سے تحریک گزری۔ یہ تاریخ کا مسئلہ ہے جسے آپ مجھ سے کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ اس پر کیسے کیسے انقلابات گزرے اور سخت جان تحریک ان مصائب سے بچ نکلنے میں کس طرح کامیاب ہوئی، یہ سب حوادث تاریخ کی امانت ہیں۔ اس کی تفصیل وہیں ملے گی۔ خروج اور رفض، تجہم واعتزال سے یہ تحریک کیسے نبٹی؟ مستبد اور ظالم اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان بے نوا فقیروں نے کیا کچھ کیا؟

تحریک اہلِ حدیث پاک وہند میں:

لیکن ان ممالک میں اس کی نشات کیسے ہوئی؟ یہ مقدس تحریک کن مراحل سے گزری؟ اسے اختصار سے سُن لیجیے۔ شاید اس کی روشنی میں مستقبل کے لیے آپ کو کچھ سوچنا پڑے۔

ہندوستان میں بدعات کے شیوع اور علومِ سنت کے فقدان اور فقہی جمود کے استیلاء کا احساس آج سے برسوں پہلے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے خاندان کو ہوا۔ مغل حکومت کے سیاسی انحطاط نے وقت کی سیاسیات کو بھی اسی اصلاحی پروگرام کا جزوِ لاینفک بنا دیا۔ اس پروگرام کی تکمیل کے لیے آخری اور اہم کوشش حضرت سید اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے مقتدر رفقاء نے فرمائی۔

یہ پروگرام عروج و زوال کے مراحل سے گزرتا ہوا تدریجی طور پر موجودہ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ معلوم ہے کہ ان حضرات کے ذہن میں پورے ہندوستان میں ایک دینی نظام کے قیام کا تصور تھا۔ وہ اس مملکت کو اس سے بہت زیادہ وسیع دیکھنے کے خواہشمند تھے، تاہم جو کچھ ہوا یہ ان کی مساعی کا بہت حد تک مرہون ہے۔

اس پروگرام کے سیاسی حصے کو جس سنگین تصادم سے سابقہ پڑا اور اس کے قائدین کو جن خاردار اور سنگلاخ راستوں سے گزرنا پڑا وہ جماعت کے لیے سرمایۂ صد افتخار ہے۔ اور معلوم ہے کہ اہلِ حدیث اس راہ میں اکیلے نہیں۔ ہندوستان کے دوسرے نیک دل اصحابِ فکر اس سفر کی ہر منزل میں ان کے ساتھ شریک رہے۔ دیرپا ٹھنڈے اور گرم محاربات کے بعد یہ جزوی کامیابی حاصل ہوئی جس کی دینی حیثیت ہنوز قابلِ اطمینان نہیں، تاہم اس تصور نے ایک دل پسند وجود اختیار کر لیا جسے آج ہم پاکستان کہہ رہے ہیں۔ ہم آرزومند ہیں کہ یہ ٹھیک اسلامی مملکت بنے اور دنیا میں ایک نمونے کا ملک ہو۔

اسلامی دستور کی تشکیل، بدعات کی روک تھام، علومِ توحید و سنت کی اشاعت اور طریقۂ سلف کی ترویج میں جو مصائب آئے ان کے تحمل میں جماعت کسی کو اپنا رقیب و سہیم نہیں سمجھتی۔ اس راہ کے مصائب کو بہت حد تک ہمارے اسلاف نے برداشت فرمایا اور کافی حد تک کامیاب ہوئے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

۱۸۵۷ء کے بعد:

آزادی کی مقدس تحریک کی بظاہر ناکامی سے انگریزی مظالم کا دھارا بہہ نکلا۔ ان سے تنگ آکر سیاسی پروگرام انڈر گراؤنڈ اور مخفی ہو گیا۔ علومِ کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت کا نظام نمایاں ہو کر سامنے آ گیا۔ شخصی آراء و افکار سے آزاد رہ کر فقہائے محدثین کے نہج پر علومِ سنت کی اشاعت کا سہرا حضرت شیخ الکل مولانا السید نذیر حسین، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری،

مولانا شمس الحق صاحب محدث صاحبِ عون المعبود، مولانا عبدالرحمان صاحب مبارک پوری، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی استاذِ ہند، حضرت مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی اور خاندانِ لکھویہ وغیرہم کے سر پر رہا۔ ان حضرات نے یہ خدمت اس خوبی سے انجام دی کہ اس کی ضیا باریاں عجم سے عرب تک پہنچیں۔ اور آپ جہاں جائیں آپ کو ایسے اساتذۂ علم ملیں گے جن کی تشنگی کے لیے سیرابی کا سامان مدرسہ دہلی نے فرمایا:

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ [1]

تصنیف و تالیف:

علومِ کتاب و سنت کی تصنیف و تالیف، طباعت اور اشاعت میں بقیۃ السلف حضرت الامام نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ نے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ جدید تصانیف کے علاوہ سلف کے قدیمی ذخائرِ علوم کو مرحوم نے اس طرح بازارِ علم میں لا کر ڈال دیا کہ قرونِ وسطی میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ.

تصوف اور سنت:

مغل دور میں گو تصوف کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی مگر اس کی قیادت خانقاہی نظام کے ہاتھ میں تھی۔ وہ پورے کا پورا بدعات کی گرفت میں تھا۔ اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر اسے حق سے قریب ہونا چاہیے تھا وہ اسی قدر صداقت کی راہوں سے دور تھا۔ اس کے بعض راہنماؤں پر فسق و فجور کی حوصلہ افزائی کا شبہہ ہوتا تھا۔ للّٰہیت کا وہ مذاق یکسر ناپید تھا جس کی راہنمائی صحابہ اور ائمہ سنت رحمہم اللہ نے فرمائی تھی۔ رسمی اور ورزشی ورد و وظائف اور مشقیں تو خانقاہوں میں موجود تھیں لیکن ان میں سنت کی روح ناپید تھی۔ سنت اور اخلاص کی حلاوت سے یہ پورا نظام محروم تھا۔ اس کمی کو ملک الاتقیاء حضرت عبداللہ غزنوی نے پورا فرمایا۔ افغانستان کی جامد سرزمین سے نکل کر حضرت عبداللہ غزنوی نے ہندوستان میں قدم رکھے۔ علومِ سنت کے ساتھ خلوصِ عمل کو حیاتِ نو بخشی۔ یہ وہی للّٰہیت تھی جس کی سرمستیوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سرشار تھے۔ جس کی حلاوت سے حافظ اور رومی

[1] یہ ہیں میرے آباء واجداد، اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لا کر تو دکھا!

بہت حد تک نا آشنا تھے۔ کوئی مجھے تصوف کا منکر کہے مگر ع

مجھ کو بتوں سے عشق ہے کافر نہیں ہوں میں

گجرانوالہ میں تحریک اہلِ حدیث:

اس شہر میں تحریک اہلِ حدیث کا احیاء حضرت پیر میر حیدر صاحب خانپوری اور حضرت مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ کے توسط سے ہوا۔ مزید مدد حضرت الشیخ حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی اور حضرت علاؤ الدین صاحب مغفور کے دروس و مواعظ سے ملی۔ اس کے ساتھ ہی حضرت مولانا محمد بکنوی رحمہ اللہ کی مساعی بھی شامل تھیں۔ ۱۲۹۰ھ میں حضرت مولانا علاؤ الدین صاحب رحمہ اللہ نے مستقل طور پر یہاں ڈیرہ ڈال دیا۔ آپ کے رفقاء سے محلّہ حاجی پورہ کے اہلِ توحید اور شیخ جھنڈو، حاجی پیر محمد، شیخ مبارک دین اور شیخ اللہ دتہ صاحب کی کوشش سے ایک مختصر سی مسجد تعمیر ہوئی، جس میں اہلِ توحید کو سر چھپانے کی جگہ ملی، اور موجودہ عظیم الشان مسجد مرحوم مستری حاجی محمد عبداللہ صاحب اور صدرِ محترم الحاج اللہ دتہ، حاجی محمد علی مرحوم اور ماسٹر غلام محمد صاحب ڈار اور ان کے رفقاء کی کوشش سے تعمیر ہوئی۔ یہ سابقہ مسجد کی توسیع شدہ صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی تکمیل کر سکیں۔

جمعیت اہلِ حدیث گجرانوالہ:

جمعیت اہلِ حدیث گجرانوالہ کی تاسیس ۱۹۱۵ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ صاحب نے فرمائی۔ وہ جب تک زندہ رہے جمعیت پر نظر عنایت فرماتے رہے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَاجْعَلْ جَنَّةَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاه.

اب یہ جمعیت مرکزی جمعیت کے ساتھ ملحق ہے اور جمعیتِ ضلع کی شاخیں دیہات تک پھیلی ہوئی ہیں، اور شکر ہے کہ شہری اور ضلعی دونوں جمعیتیں سرگرمِ عمل ہیں۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ.

جامعہ سلفیہ:

حاضرینِ کرام! گذشتہ سال آپ نے جامعہ سلفیہ کی تاسیس کا فیصلہ کیا تھا اور مزید دو مربع زمین خرید کر اس میں جامعہ کی تعمیر کا خیال فرمایا تھا، لیکن آپ کے خدام کی انتہائی اور مخلصانہ کوشش کے باوجود لائل پور میں کسی وسیع قطعے کا انتظام نہ ہو سکا۔ اس منصوبے کی تکمیل میں بہر حال وقت

صرف ہوگا۔ اس لیے فیصلہ کیا گیا ہے کہ امسال حالات کچھ بھی ہوں، جامعہ میں تعلیم کا کام شروع کر دیا جائے، جو وقف شدہ اراضی موجود ہے اسے سرِدست استعمال میں لایا جائے اور بڑے منصوبے کے لیے کوششیں جاری رکھی جائیں۔ اس کے ابتدائی انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ آپ حضرات جمعیت اور جامعہ کو مالی لحاظ سے مستغنی فرمائیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ.

بیت المال:

گذشتہ سال بیت المال کے متعلق مختصر سی تجاویز آپ نے پاس فرمائی تھیں اور ایک مجمل سا خاکہ بھی آپ کے سامنے تھا، لیکن سیلاب کی تباہی اور سیلاب زدہ علاقوں میں مہینوں مسلسل کام کرنے کی وجہ سے دفتر اس طرف پوری توجہ نہ دے سکا اور نہ آپ حضرات ''بیت المال'' کے استحکام کے لیے کوئی مستقل کام ہی کر سکے۔ اب ضرورت ہے کہ اسے اپنی توجہ کا مرکز بنایا جائے۔

بیت المال کے استحکام کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں:

① صدقات اور زکاۃ پورے یا ان کا کچھ حصہ جماعت کو دیا جائے۔

② الاعتصام کی اشاعت دس گنا بڑھانے کی کوشش کی جائے، اور یہ آپ کا کام ہے۔

③ جماعت کی مطبوعات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی جائے۔

④ وقتی عطیوں سے جماعت کا خزانہ بھرپور رہے۔ کام کی بنیاد دراصل ''بیت المال'' ہے۔ اس کی طرف پوری توجہ دی جائے اور اس کے استحکام کے لیے مزید تجاویز لائی جائیں۔ گذشتہ سال بھی یہ تذکرہ آیا تھا۔ امسال پھر سمع خراشی کی جا رہی ہے۔ جامعہ کی تاسیس کے بعد بیت المال کا استحکام اور بھی ضروری ہے۔ طلبہ کی ضروریات، تعلیم کے لیے کتابیں، دار المطالعہ اور جامعہ کی تعمیر، یہ مستقل ضرورتیں ہیں۔ ان کے لیے مصارف کا انتظام بھی مستقل طور پر ہونا چاہیے، اور یہ بیت المال ہی سے ہو سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ يُوَفِّقُكُمْ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى.

اسلامی دستور:

حضرات! مسٹر محمد علی اور ان کے رفقائے دستور یہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ وہ امسال دستور کی تسوید سے فارغ ہو گئے۔ دستور بعض جوہری نقائص کے باوجود قبول کر لیا گیا۔ اگر آپ

اسمبلیوں میں عقل مند اور متدین آدمی بھیج سکیں تو اس دستور سے اسلام کو کچھ نہ کچھ فائدہ ہو سکتا ہے اور نقائص کو دور کیا جا سکتا ہے۔

لیکن جس چیز کی طرف آپ کی توجہ بے حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں اسلام کی وسعت قائم رہے۔ دستور کی اسلامیت شخصی آراء اور قیاسات کی بھینٹ نہ چڑھا دی جائے۔ ائمۂ اربعہ کی فقہیات اور ائمۂ حدیث کے اجتہادات بوقتِ ضرورت مجموعی طور پر قانون کی بنیاد قرار پائیں۔ کتاب وسنت کے فہم میں زمامِ اقتدار جمود اور شخصی افکار کے سپرد نہ کر دی جائے، بلکہ فقہائے محدثین کے طریقِ فکر کو زیادہ سے زیادہ اساسِ کار بنایا جائے۔

دستور میں اسلام کے لیے جہاں تک افادیت کا تعلق ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کتاب وسنت اپنی وسعتوں کے ساتھ اور اسلام اپنی ہمہ گیر تعلیمات کے ساتھ قوانین اور آئین کی بنیاد قرار پائے۔ اس مقصد کی تحصیل میں ممکن ہے بعض دین پسند جماعتوں کے قدم لڑکھڑا جائیں۔ وہ اپنی عوامی پوزیشن کو قائم رکھنے کے لیے اپنے آپ کو حق کی حمایت سے معذور تصور کریں۔ ان کے عوامی مصالح ان کے لیے سدِّراہ ثابت ہوں۔ اہلِ حدیث کا فرض ہے کہ وہ نظر و اجتہاد کی وسعت اور فقہ الحدیث کے احترام کو اس ملک میں قائم رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی اعانت اور توفیق آپ کے شاملِ حال ہو۔

میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھی انتہائی کوشش کے باوجود آپ کو مناسب آرام نہیں پہنچا سکے۔ آپ کو لازماً تکلیف ہوئی، اس لیے میں کسی رسمی معذرت کے بغیر آپ سے معافی چاہتا ہوں اور آپ کی وسعتِ ظرف سے امید ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے، اور امیدوار ہوں کہ آپ اپنی صالح دعاؤں میں ہم گناہ گاروں کو یاد رکھیں گے۔

میری یہ گزارشات نا تمام ہوں گی اگر میں اپنے رفقاء کی جرأت مندانہ کوششوں کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی وجہ سے یہ انتظامات انسانی حد تک پایۂ تکمیل تک پہنچے، خصوصاً مقامی جمعیت کے صدرِ محترم حاجی اللہ دتہ صاحب، انھوں نے پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اس قدر کام کیا کہ شاید کوئی جوان نہ کر سکتا ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کے اثر ورسوخ ہی کی وجہ سے ہم ان خطیر مصارف کو برداشت کر سکے۔

مسٹر عبدالرحیم ایم۔ ایس۔ سی، الحاج عبدالکریم، محترم چوہدری خیرات اللہ صاحب ناظمِ اعلیٰ مجلسِ استقبالیہ، حکیم عبدالرحمان صاحب ناظمِ اعلیٰ جمعیتِ ضلع بھی کم شکریہ کے مستحق نہیں جن کی مساعی اور مفید مشوروں سے ہم ہر قدم پر مستفید ہوتے رہے۔

خلوص مجسم محترم ماسٹر غلام محمد صاحب ڈار، منشی محمد یوسف صاحب آڑھتی، بابو نصیر الدین صاحب اس شکریے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جنھوں نے عرفی ذمہ داریوں سے بالا رہ کر انتہائی ہمدردی سے اس کانفرنس کی کامیابی کے لیے پوری کوشش فرمائی۔ فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ

انصار برادری کے روحِ رواں محمد ابراہیم صاحب صدر بلدیہ، حاجی عبدالعزیز، محمد اسماعیل کا بھی میں ممنون ہوں جن کی مالی اعانت اور بعض دوسرے ذرائع سے یہ کانفرنس پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو خلوص اور اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے۔

اپنے فرض سے قاصر رہوں گا اگر میں ان اصحابِ خیر کا شکریہ ادا نہ کروں جن کے دستِ جود نے اس مہتم بالشان کانفرنس کے لیے ضروریات بہم پہنچائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کاروبار میں برکت فرمائے اور اخلاص سے نوازش فرمائے۔

میں ان دوستوں کا بھی ممنون ہوں جنھوں نے غائبانہ ہمیں بُرے اور غلط القاب سے یاد فرمایا۔ منبروں اور عام مجالس میں گالیاں دے کر ہمارے گناہوں کے دھونے کا سامان فرمایا۔ نیز جن اشتہاروں کو انھوں نے ہاتھوں سے پھاڑا تھا وہ انھوں نے اپنی زبانوں پر لکھ کر عوام کے دلوں تک پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی غلطیاں معاف فرمائے، انھیں صداقت کے فہم کی توفیق مرحمت فرمائے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيْ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ.

یہ حضرات بلا اجرت ہماری تبلیغ فرماتے، ان کے تلخ اور تیز فتوے عقل و دانش کو بیدار کرتے۔ جو ہم سے گھبراتے ہیں وہ ان حضرات سے سنتے اور ہم سے سمجھتے ہیں، اور یہ حضرات ہمارے نادانستہ مبلغ ہیں۔ جب یہ حضرات سرِ منبر بد زبانی فرماتے ہیں یہ ہمارے گناہوں کو دھوتے ہیں۔ ان حضرات سے ناراضی کے بجائے ان کے لیے دعا کرنی چاہیے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ.[1]

أخوكم في الدين

اسماعیل بن ابراہیم السّلفی

گوجرانوالہ

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۹/ اکتوبر ۱۹۵۶ء)

خطبۂ صدارت

(اہلِ حدیث تبلیغی کانفرنس لاہور منعقدہ ۲۵، ۲۶، ۲۷/اکتوبر ۱۹۵۷ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ، وَنَسْتَعِينُهُ، وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنُؤْمِنُ بِهِ، وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا، وَمِنْ سَيِّآتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ. أَمَّا بَعْدُ:

رفقائے کرام و حاضرین عظام! لاہور کی علمی اور مقامی حیثیت کے مطابق ضروری تھا کہ صدارت کے لیے مجھ سے کوئی بہتر آدمی منتخب فرمایا جاتا۔ مجھے معلوم ہے کہ اعضائے جمعیت میں ایسے حضرات بحمد اللہ موجود ہیں جو مجھ سے کہیں بہتر اس خدمت کو سرانجام دے سکتے تھے۔ معلوم نہیں کن وجوہ کی بنا پر اس ذرہ نوازی یا غلط نوازی کو پسند فرمایا۔

اب کسی رسمی معذرت کے بغیر احباب کے فیصلے کی اطاعت اور ان کے حکم کی تعمیل میں اپنا خوشگوار فرض تصور کرتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا ساتھی سمجھ کر میرے ساتھ تعاون فرمائیں گے اور تخریبی تنقید کے بجائے مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازیں گے۔

احبابِ کرام! مسلک اہلِ حدیث میری ناقص رائے میں اسلام کے مرادف لفظ ہے۔ ائمۂ حدیث نے اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کی کوشش فرمائی۔ فرقہ پرستی کے زہر آلود اثرات کو ان حضرات نے کم کرنے کی کوشش کی۔ مقصد یہ تھا کہ تمام ائمۂ اسلام کے ساتھ مساوی نسبت رکھتے ہوئے ان کی علمی ہدایات اور فیوض سے استفادے کی کوشش کی جائے۔ اہلِ علم میں تقابل اور ایک دوسرے پر تفوق سے جو کدورت پیدا ہوتی ہے اس سے ذہنوں کو صاف کر لیا جائے۔

ما وراء النہر میں مختلف فقہی نظریات کی باہم آویزش سے اسلام کو جو نقصان پہنچا تھا، تاریخ کا یہ تلخ حصہ برصغیر پاک و ہند کے زعمائے اہلِ حدیث کے سامنے تھا، اس لیے ان کا مطمحِ نظر تھا کہ اس تاریخ کو دوبارہ دہرانے کا موقع نہ دیا جائے۔ ائمۂ اربعہ اور دوسرے ائمۂ مجتہدین کے اجتہادات اور فقہی

فیوض سے جو اَوفق بالسنۃ والمصالح ہوں، ان پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے اور ایک امام کو دوسرے کے بالمقابل لاکر ترجیح اور حق و باطل کی تقسیم کے طریق کو ختم کر دیا جائے۔ اس سے ائمہ کا احترام بڑھے گا، ان کے وقار میں اضافہ ہوگا اور ان کے علوم سے بلاتخصیص فائدہ اٹھانے کا موقع ملے گا۔

اس حریت کے دور میں جب ملک آزادی کی منزلوں سے گزر رہا ہے، قانون سازی میں یہ طریق بے حد مفید ہوگا۔ اس سے عوام پر غیر ضروری پابندیاں جو صدیوں پر محیط ہیں، جہاں تک ہو سکے،کم ہوجائیں گی۔

اہلِ حدیث اور غیر مقلد میں فرق:

ائمۂ حدیث نے جہاں ان غیر ضروری پابندیوں کو ناپسند فرمایا اور ذہنوں سے شخصی اقتدار اور مخصوص آراء وافکار کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی کوشش فرمائی وہاں اس چیز کو بھی ملحوظ رکھا کہ یہ آزادی آوارگی کی صورت اختیار نہ کرنے پائے، اس لیے انھوں نے صراحت فرمائی کہ تحقیق ونظر کی راہیں صحابہ اور تابعین کی روش سے متجاوز نہیں ہونی چاہییں۔

”مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَأَبَرَّهَا قُلُوْبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ“[1] (ابن مسعود، مشکاۃ)

”جو شخص کسی طریقے پر عمل کرنا چاہتا ہے وہ فوت شدہ کے طریقے پر عمل کرے، کیوں کہ زندہ شخص پر فتنے کا خوف رہتا ہے۔ یہ محمد ﷺ کے صحابہ سے ہیں جو اس امت میں سب سے افضل، پاکیزہ دل، گہرے علم اور سب سے کم تکلف کرنے والے ہیں۔ انہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لیے منتخب کیا ہے۔“

اس لیے اہلِ حدیث نے اپنی آزادیوں کو ائمۂ سلف تک محدود فرمایا۔ جہاں تک میری رائے ہے، اہلِ حدیث اور غیر مقلد میں یہ جوہری فرق ہے جسے تنقید یا تائید فرماتے وقت نظر انداز نہیں ہونا چاہیے۔

ایک غلط فہمی:

تعجب ہے ہندوستان کے ناقدین نے اہلِ حدیث کی اس اساسی صراحت کو نظر انداز فرما کر اس

[1] مشکاۃ المصابیح (۱/ ٤٢) رقم الحدیث (۱۹۳) نیز دیکھیں: جامع بیان العلم (۲/ ۹۷) حلیۃ الأولیاء (۱/ ۳۰۵)

پاکیزہ تصور کے لیے حشوی، غیر مقلد، وہابی، ائمۂ دین کے مخالف ایسے الفاظ استعمال کیے جو حقیقت کے خلاف ہونے کے علاوہ بے حد غلط تعبیر ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو معاف کرے اور ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم کتاب و سنت کا اتباع اور ائمۂ سنت کی صحیح طور پر اطاعت کر سکیں اور جمود اور آوارگی سے بچ سکیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضیٰ۔[1]

مسلک اہلِ حدیث کی عمر:

حضرات! حدیث آنحضرت ﷺ کے اقوال، افعال اور آپ کے سکوت و رضا کا دوسرا نام ہے۔ ہم اس معنی سے حدیث کو حجت سمجھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ جب سے حدیث دنیا میں موجود ہے، اس کے ماننے والے بھی موجود تھے۔ آنحضرت ﷺ کے رفقائے کرام آپ ﷺ کے ارشاد کو واجب الاطاعت سمجھتے تھے۔ کسی قول وفعل کی نسبت آنحضرت ﷺ کی طرف کرنا اہلِ علم کی نظر میں اس کی تحقیق، اس کی سند کے متعلق بحث ائمۂ حدیث کا محبوب مشغلہ رہا۔ تاریخ و عقل کی مطابقت، قرآنِ عزیز کے اصولِ عامہ اور خاصہ سے موافقت اور غور وفکر کو ان حضرات نے کبھی نظر انداز نہیں ہونے دیا۔ ان تمام مراحل سے گزر کر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے تو یقیناً ہم نے شرعی حجت سمجھا۔ قرآنِ عزیز کی تفسیر میں ہم اسے بہترین دستاویز سمجھتے ہیں۔ دین کے اثبات کا اسے صحیح ترین ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اہلِ حدیث کی اتنی ہی عمر ہوگی جتنی حدیث کی ہے اور اہلِ حدیث وہی ہوں گے جو ان نبوی علوم پر یقین رکھیں۔

ایک مشکل:

حضرات! یہاں ایک دقت یہ ہوئی کہ ہندوستان میں انگریز کے تسلط اور ہندو کی دیرینہ ہمسائیگی کی وجہ سے کچھ رسوم اور عادات نے دین کا رنگ اختیار کر لیا۔ عوام اسے اسلام سمجھنے لگے۔ حدیث کے ساتھ اس وابستگی کی وجہ سے جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، ضروری تھا کہ ان سے نہ صرف اختلاف کیا جائے بلکہ مخالفت کی جائے، اس لیے عوام کے ذہنوں سے تصادم ضروری ہوا، اور ایسے اہلِ علم حضرات جن کی زندگی کا انحصار عوام کی ان رسوم سے تھا وہ اس مقدس تحریک سے متصادم ہوئے۔ ان کے اسی تصادم اور ناراضی نے تہمت تراشی کی صورت اختیار کر لی اور مختلف قسم کے غلط تصورات اس تحریک کی طرف نسبت کیے جانے لگے۔ اور ہماری سابقہ آنجہانی انگریز کی حکومت نے ان تمام غلط نوازیوں میں

عوام اور علماء کے اس طبقے کی دل کھول کر حمایت کی۔ انگریز کے بعد آج بھی ان عامیانہ تصورات کو خواص تک کی حمایت حاصل ہے اور اس کی وجہ سے جماعت پر جو مصائب آئے، نہ ہم پہلے ان سے آزاد تھے نہ اب ہیں ؎

أَجِدُ الْمَلَامَةَ فِي هَوَاكِ لَذِيْذَةً حُبًّا لِذِكْرِكِ فَلْيَلُمْنِي اللَّوْمُ[1]

یہ ایسی مشکل ہے جس سے ہم بھی مجبور ہیں اور عوام بھی!

﴿ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴾ [الأعراف: ۸۹]

اہلِ حدیث کی خدمات:

اس خلیج کے باوجود، جو عوام اور متبعینِ حدیث میں حائل تھی، ہمارے زعماء نے قدیماً و حدیثاً ملک و ملت کی خدمات کو کبھی نظر انداز نہیں فرمایا۔ اس راہ میں نظامِ حکومت سے ٹکرانا پڑا تو بحمد اللہ کبھی گریز پائی کی نوبت نہیں آئی، بلکہ جہاں تک تاریخ کی شہادت کا تعلق ہے، اہلِ حدیث زعماء پہلی صفوں میں نظر آئے اور اس کے لیے انھوں نے بڑی عظیم الشان قربانیاں دیں ؎

أُولٰئِكَ آبَائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِمْ إِذَا جَمَعَتْنَا يَا جَرِيْرُ الْمَجَامِعُ[2]

حریتِ وطن:

وطن سے غیر ملکی اقتدار اور لا دینی خطرات کا پروگرام قریباً بارھویں ہجری میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔ اس کے ابتدائی مراحل اسی وقت شروع ہو گئے تھے۔ انگریز، سکھ اور بعض دوسری غیر مسلم طاقتیں ان ممالک پر چھا جانا چاہتی تھیں۔ دین پسند طبقہ ان کی راہ میں حائل تھا۔ حدیث اور سنت سے تعلق رکھنے والے ان میں پیش پیش تھے۔ وعظ و نصیحت، دروس القرآن، مدارسِ حدیث، دفاترِ سنت کی اشاعت، شروحِ حدیث کے علاوہ اردو، فارسی، پنجابی میں اتنا لٹریچر شائع کیا گیا جو لاکھوں کروڑوں صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ میں انھیں علمی اور دینی خدمات تصور کرتا ہوں کہ ان خدمات سے ایک ایسا ذہن پیدا ہوا جو ہندوستان میں اقامتِ دین اور دینی حکومت قائم کرنے کے لیے بے حد موزوں اور مناسب تھا۔ اسی ذہن کے مطابق سکھوں سے برسوں جنگ لڑی گئی۔ اور جب سکھوں کی جگہ خلافِ امید

---

[1] تیرے عشق میں ملامت مجھے لذیذ محسوس ہوتی ہے۔ تیری یاد کی محبت میں مجھے کمینگی ملامت کرتی ہے تو کرے!

[2] یہ ہیں میرے آباء و اجداد، اے جریر! کوئی ان جیسا محفل میں لا کر تو دکھا!

انگریزوں نے سنبھالی تو وہی جنگ نصف صدی تک ان سے بھی لڑی جاتی رہی۔

اس حقیقت کا اقرار سکھوں اور انگریزوں نے بڑی صراحت سے کیا۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے وہابی کے لفظ کو جو شہرت اور بقائے دوام عطا کی ہے وہ غلط ہو یا صحیح، ہمارے ملک کی بعض پارٹیوں کو ان کا ممنون ہونا چاہیے۔

مصائب و آلام:

خدمتِ وطن اور آزادی کی کوششوں کی وجہ سے جماعت اہلِ حدیث پر جو مصائب آئے، طویل و عریض داستان ہے۔ آپ کے قیمتی وقت کو صرف نہیں کرنا چاہتا، نہ یہ مناسب ہی سمجھتا ہوں کہ ان کی تفصیلات سے اس وقت آپ حضرات کی سمع خراشی کروں۔ مختصر سنیے:

۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء سے ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۳۹ء تک ایک دور ہے۔ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل ؒ کی شہادت سے ان کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ یہ تحریک مختلف مرحلوں سے گزرتی رہی۔ کبھی مصافی جنگ اور کبھی انڈر گراؤنڈ کی صورت میں قائم رہی۔ اس کی قیادت صادق پور کے اہلِ حدیث خاندان کے ہاتھ میں رہی۔

دیوانگانِ عشق:

یہ دیوانے کبھی میدانِ جنگ میں دیکھے گئے۔ کبھی انبالہ جیل میں۔ کبھی انھوں نے لاہور سنٹرل جیل کے ہاتھی خانہ کو شرفِ زیارت بخشا۔ کبھی کراچی کی بندرگاہ سے سوار ہو کر دریائے شور کو عبور کیا، لیکن اقامتِ دین اور آزادیِ وطن کا جذبہ ان کے دلوں میں اس طرح سمویا گیا جو کبھی ان سے الگ نہ ہو سکا۔

انبالہ کیس، ۱۹۱۴ء کا کیس، ۱۹۲۱ء کا قاضی کوٹ بم کیس ان پاکیزہ مساعی کی آخری کڑی تھی جس کے بعد انگریز کمزور ہونا شروع ہوا۔ ۱۹۲۱ء کا کیس اس کے تابوت میں آخری میخ ثابت ہوا۔ اس آخری کیس کے بھی سارے مقید اور متہم اہلِ حدیث تھے جنھیں چودہ چودہ سال کی سزائیں دی گئیں۔

ملک کی تحریکات:

خلافت، احرار، کانگرس، مسلم لیگ کی تحریکات جب کھل کر انگریز کے خلاف میدان میں آئیں تو جماعت اہلِ حدیث نے ان تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بمبئی، لاہور، دہلی وغیرہ شہروں میں غیر ملکی اقتدار کے خلاف جماعت اہلِ حدیث نے اپنی بساط سے بڑھ کر کام کیا۔

مجاہدینِ بالا کوٹ، مولانا عنایت علی رحمہ اللہ، مولانا ولایت علی رحمہ اللہ، مولانا جعفر تھانیسری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی رحمہ اللہ، مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری رحمہ اللہ، فخرِ قوم حضرت مولانا عبدالقادر قصوری، صدر محترم حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی، حضرت مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا محمد بشیر صاحب لاہوری، مولانا فضل الٰہی صاحب وزیر آبادی کو آزادیِ وطن کی تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔ حاجی علی جان کے خاندان، غزنوی، لکھوی، قصوری خاندانوں کی ملّی اور عملی خدمات کو فراموش کرنا تاریخ کے لیے آسان نہیں۔

تصنیف وتدریس:

جہاں سیاسی اور ملکی خدمات ہیں وہاں جماعت کی علمی خدمات بھی کم نہیں۔ مجتہد العصر نواب صدیق حسن خاں کو تاریخ کے صفحات پر سنہری حرفوں میں لکھا جائے گا۔ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب، حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی، مولانا حافظ محمد صاحب لکھوی، مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی، مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی، مولانا محمد بکنوی آسمانِ علم کے ستارے ہیں۔ جماعت ان کے علم وفیوض کی ہمیشہ ممنون رہے گی۔ حضرت مولانا حسین بن محسن انصاری، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا محمد ابراہیم صاحب آروی کے علمی احسانات تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ نقش رہیں گے۔

تالیف وتصنیف اور درس وتدریس کی یہ داستان ناتمام ہو گی اگر حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ، جناب مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی اور مولانا ابوالقاسم کا ذکر نہ کیا جائے جن کی مساعی نے غیر مسلم حملہ آوروں کو دندان شکن جواب دے کر اسلام کی سرحد کو ان کے حملوں سے محفوظ کر دیا۔
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ وَاجْعَلْ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاھُمْ.

دینی حکومت یا پاکستان:

یہ ساری سیاسی، علمی، ملکی خدمات اس لیے تھیں کہ ہندوستان میں ایک اسلامی حکومت قائم ہو سکے جس کی حدود ان حضرات کی نظر میں بمبئی سے کابل تک، نیپال کی ترائیوں سے سندھ کے ریگستانوں تک تھی۔ یہ اسلام کو بلند دیکھنا چاہتے تھے مگر اس کے خلاف جو لادینی کوششیں ہو رہی تھیں وہ مادی طور پر ان سے کہیں زیادہ مضبوط تھیں۔ اس لیے اس خواب کی تعبیر اس مختصر خطے کی صورت میں ظاہر ہوئی جو ۱۹۴۷ء کو کرۂ زمین پر نمودار ہوا، جس نے جغرافیے میں ایک اور اسلامی ملک کا اضافہ کر دیا۔

یہ خواب کیوں اپنی اصلی صورت میں پورا نہ ہوا اور مسلمانوں کو کیوں اس مختصر سے خطے پر

قناعت کرنی پڑی؟ یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کا دہرانا اس وقت بے سود ہے۔ ایسے ہی اب یہ تاریخ کا مسئلہ ہے۔ مؤرخ کا فرض ہے کہ اس کے اسباب و دواعی سے بحث کرے۔ ان افراد اور جماعتوں کی نشاندہی کرے جو ان صد سالہ مساعی کے بار آور ہونے کی حامل ہوئیں۔

پاکستان میں دینی رجحانات:

احبابِ کرام! سابقہ گزارشات سے آپ اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ آج کا پاکستان ان مساعی کا نتیجہ ہے جو دین پسند طبقے نے تقریباً ایک صدی سے انگریز اور ہر الحاد پسند طاقت کے بالمقابل فرمائیں۔ یہ انہی آلام و مصائب کا اثر ہے جو علمائے حق اور اہلِ توحید ہی نے برداشت کیں۔ ان بزرگوں کی پیہم کوششوں کا ثمر ہے جنھوں نے لا دینی استبداد کے خلاف بنگال، بہار، یو۔ پی، سی۔ پی، سندھ، پنجاب، افغانستان اور آزاد قبائل تک جہاد جاری رکھا اور برسوں تک مسلسل لڑتے رہے۔

آج جبکہ پاکستان بن چکا اور انگریز جا چکا ہے، ہر کفر کی عددی اکثریت ختم ہو چکی ہے۔ اس وقت ایک گروہ اسی کوشش میں مصروف ہے کہ اس ملک میں لا دینی نظام قائم ہو۔ امریکہ اور برطانیہ کے حاکمانہ نظریات کو یہاں فروغ حاصل ہو، یا پھر کمیونزم کے لیے جگہ خالی کر دی جائے۔ اگر یہ دونوں نظریے فوری طور پر کامیاب نہ ہو سکیں تو کم از کم دین پسند طبقوں کی آواز کو اس قدر کمزور کر دیا جائے کہ وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہیں، تاکہ جب پھر لا دینی طبقہ موقع پائے، ملک کے نظم و نسق پر قابض ہو سکے اور دین پسند طبقے اس کے خلاف کوئی حرکت نہ کر سکیں۔

اس تصادم کا آغاز:

۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان کا اعلان ہوا اور اس ملک کی قیادت نے اس ملک کے نظم و نسق اور اس کی نوعیت پر غور کرنے کی کوشش کی تو انگریز پرست اور کمیونزم نواز طاقتوں نے دین پسند طاقتوں سے تصادم شروع کر دیا اور کوشش کی کہ یہاں ایک سیکولر سٹیٹ قائم ہو جائے مگر جس آئیڈیا لوجی اور نظریے کی بدولت یہ ملک حاصل ہوا تھا وہ پورا پسِ منظر نگاہوں کے سامنے اور ذہنوں میں موجود تھا، اس لیے فوراً اس میں کامیاب ہونا آسان نہ تھا۔

وہ علمائے حق جنھوں نے اس راہ میں قربانیاں دی تھیں انھیں اتنی جلدی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عوام جنھوں نے پاکستان کی تعمیر میں مالی جانی قربانیاں دی تھیں وہ ان علماء ہی کے زیرِ اثر تھے۔

میرے اندازے کے مطابق اس وقت سب سے زیادہ مؤثر شخصیت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تھی۔ ان لوگوں کی رائے کو قدرتی اہمیت حاصل تھی جو اس جنگ میں پاکستان کی قیادت کے ساتھ دست و بازو کی طرح کام کرتے رہے، چنانچہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۹ء کو نواب زادہ لیاقت علی خاں کے دورِ حکومت میں قراردادِ مقاصد پاس ہوئی جس میں بے حد محتاط الفاظ میں یہ اقرار کیا گیا کہ اسلامی مساوات کے ساتھ اس ملک کے لوگوں کو موقع دیا جائے گا کہ وہ اپنی زندگیاں کتاب وسنت کے موافق گزار سکیں گے۔ یہ ایک جزوی سی کامیابی تھی جو دین پسند طبقے کو حاصل ہوئی، لیکن لا دینی گروہوں نے اسے کبھی مُلّا کی فتح سے تعبیر کیا، کبھی حکومت کی بزدلی کہا، کبھی سنت کے مفہوم میں تشکیک پیدا کی، کبھی قرآنی معاشرے کی آڑ لی، کبھی مرکزیت کے مبہم اور مجہول تصور کو سنت اور رسول کے قائم مقام قرار دیا گیا، تاکہ مصطلحاتِ شرعیہ کو بدل کر ذہنوں کو پریشان کیا جائے۔

ایک اور حیلہ:

ملک میں وزارتوں کی خلافِ امید یا غیر موقت تبدیلی نے بھی ان حضرات کو بعض اوقات کوشش کا موقع دیا، چنانچہ ۱۹۵۳ء میں علماء کے اختلاف کی آڑ لے کر حیلہ بنایا گیا کہ وہ سنت کی تفاصیل اور تفاسیر میں مختلف ہیں۔ مختلف اسلامی فرقے اس کی حسبِ منشا تشریحات کرتے ہیں، اس لیے سنت کو اساسی اور آئینی حیثیت نہیں دینی چاہیے۔ قریباً ۳۱ علماء نے جو مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے، اجمال کے ساتھ ایسے راہنما اصول بالاتفاق طے کیے جو آئین کی تاسیس میں کارآمد اور مفید ہو سکتے تھے، اس کے بعد تفصیلی آئین کی ترتیب میں علماء جو کچھ کر سکتے تھے، انھوں نے بقدرِ ضرورت تفصیلی سفارشات فرما کر حکومت اور مجلسِ آئین ساز سے پورا تعاون کیا اور مختلف مکاتبِ فکر کے اختلاف سے کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ.

یہ سارے مراحل علماء کی دوراندیشی سے طے ہو گئے اور سیکولر سٹیٹ کے حامی حسرت سے یہ تمام مناظر دیکھتے رہے اور منتظر رہے کہ کوئی ایسی وزارت بدلے جو لادینیت کی حوصلہ افزائی کر سکے۔

۱۹۵۳ء میں سر ظفر اللہ وزیر خارجہ تھے، لیکن اپنی قوتِ ارادی کی وجہ سے پوری وزارت کی قوتِ فکر پر حاوی تھے۔ انھوں نے قادیانیت کی اس انداز سے حوصلہ افزائی کی کہ ملک کی مسلمان آبادی نے حکومت سے مایوس ہو کر خود زندہ رہنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کیے۔ حکومت

سے افسوس ناک تصادم ہوا۔ مارشل لاء لگایا گیا اور ملک میں قیامتِ صغریٰ قائم ہو گئی۔ لاکھوں آدمی جیل میں چلے گئے۔ کئی شہید ہوئے۔ خدا خدا کر کے ایک سال کے بعد قادیانی بحران ختم ہوا اور ملک نے کسی قدر آرام کا سانس لیا۔ اس تحریک میں قادیانی حضرات کے سوا شیعہ، سنی، بریلوی، اہلِ حدیث تمام مکاتبِ فکر شریک تھے اور ان میں نظریاتی اختلاف کے باوجود بظاہر کوئی تصادم نہ تھا، جس کا اثر یہ ہوا کہ سر ظفر اللہ خاں کچھ وقت کے بعد وزارت سے الگ ہو گئے اور قادیانیت کا نہ صرف ظاہری زور کم ہو گیا بلکہ قادیانیت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو گئی۔

اس تحریک میں خوبی یہ تھی کہ قادیانی حضرات کے جائز حقوق سے انکار نہیں کیا بلکہ ان کی جارحیت کے خلاف یہ کوشش عمل میں آئی۔ بظاہر حکومت نے اسے قوت سے ناکام کیا، لیکن معنوی طور پر تحریک ختمِ نبوت کامیاب ہو گئی اور قادیانی استبداد کسی قدر اعتدال پر آ گیا۔ إِنْ تَعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِيْنَ!

سید حسین سہروردی:

حضرات! میں سیاست دان نہیں ہوں، نہ سیاست میرا مشغلہ ہے۔ علماء میں تو سمجھوتہ ہو گیا لیکن بنگال اور پنجاب کے سیاستدان میں سمجھوتہ نہ ہو سکا، اس لیے بنگال کی چیرہ دستیاں سید حسین شہید سہروردی کو وزارت کی کرسی پر لے آئیں اور میجر سکندر مرزا صدارت کے عہدے پر قابض ہو گئے۔ سنا ہے یہ دونوں بزرگ بنگالی ہیں، پس پنجاب بے چارا عدل و انصاف کا منہ دیکھتا رہ گیا!

دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مگر ان دونوں بزرگوں کی تشریف آوری کے بعد ملک میں ایک طرف شیعہ سنی ہنگامے شروع ہو گئے۔ شیعہ حضرات کی مہربانی سے بعض مقامات پر شیعہ نے حادثۂ کربلا بپا فرما دیا۔ دوسری طرف بریلوی و دیوبندی حضرات کی مساجد پر جبری قبضے شروع ہو گئے اور ملک ایک نئی جنگ کی آغوش میں چلا گیا۔ شاید کوئی دن خالی جاتا ہو گا جب اخبارات میں ان ہنگاموں کی اطلاعات نہ آتی ہوں۔

﴿لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ [الجن: ۱۰]

یہ ہنگامے اس وقت ملک میں ہو رہے ہیں۔ سہروردی کی وزارت رخصت ہو چکی ہے۔ تاحال ان ہنگاموں کے خلاف کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ان چیرہ دستیوں کو روکنے کے لیے کوئی کامیاب تجویز سامنے نہیں آئی۔ لوگ کہتے ہیں کہ صدرِ مملکت کی سیاست کامیاب ہوئی۔ اب شاید شیعہ سنی

فسادات اور تیز ہو جائیں گے۔ ہوا کا رخ بدلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند[1]

ایک شیعی اشتہار کا اقتباس سنیے جو آپ کے شہر کی جعفریہ ایسوسی ایشن کی طرف سے شائع ہوا ہے:

''اگر ہمارے سیاسی رہنما کامیابی کا انحصار صرف سنی ووٹوں پر سمجھتے ہیں تو وہ ہمارے نمائندے نہیں ہو سکتے اور نہ ہم انھیں اپنا سیاسی رہنما تسلیم کریں گے، بلکہ ہم شیعہ قوم کو مجبور کریں گے کہ وہ ایسے ضمیر فروش رہنماؤں سے علاحدگی اختیار کریں اور ہم اپنا نمائندہ خود منتخب کریں گے۔ اور وہی سیاسی رہنما متصور ہوگا۔ اگر اس کے بعد بھی ان کانگریسی ملاؤں نے کانگریس کا حقِ نمک ادا کرنے میں پاکستان کے امنِ عامہ کو برباد کرنے کی کوشش کی تو ہم مفادِ پاکستان کے پیشِ نظر شیعستان بنانے پر مجبور ہوں گے۔''

اس مطالبے کی معقولیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر نمک خوارانِ کانگریس یہ مطالبہ کرتے رہے کہ شیعہ اپنی مذہبی رسومات اپنی چار دیواری کے اندر ہی اپنی حدود میں محدود رہ کر ادا کریں یا سوادِ اعظم میں مدغم ہو جائیں تو شیعوں کا شیعستان بنانا حق بجانب ہوگا اور ہمارے خیال میں شیعستان کے لیے سندھ، کراچی اور کوئٹہ نہایت ہی موزوں مقامات ثابت ہوں گے۔''

اقتباس پڑھیے اور ہوا کا رخ دیکھیے! مطالبہ یہ ہے کہ ہم اپنی مذہبی رسوم سنّیوں کے گھروں میں ادا کریں گے۔ امن ملاّ برباد کر رہے ہیں اور شیعستان کے لیے موزوں جگہ کوئٹہ، سندھ اور کراچی ہے!

لاء کمیشن:

ابتدائی مراحل میں دین پسند طبقوں کو جو ضمنی یا جزوی کامیابی ہوئی اس وقت شیعہ حضرات ملک کی معزز رعایا تھے۔ کوئی شیعہ ان دنوں نہ وزیر اعظم تھا نہ صدارت کی کرسی پر فائز۔ اب صورتِ حال کس قدر مختلف ہے۔ صدرِ مملکت شیعہ ہیں۔ کئی کمشنر شیعہ ہیں۔ وزراء شیعہ ہیں۔ لاء کمیشن میں شیعہ حضرات کی نمائندگی ان کی تعداد سے کہیں زیادہ دی گئی ہے۔ اور نمائندگی دراصل دو ہی جماعتوں کو عطا ہوئی ہے: منکرین حدیث کو اور حضرات شیعہ کو۔ دین پسند جماعتوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ جمہوریہ اسلامیہ

[1] اے حافظ! گوشہ نشینی کے گدا کو آواز نہ دے۔ بادشاہ اپنی مملکت کے رموز جانتے ہیں۔

کے اربابِ اقتدار کی نظر دین پسند طبقوں کی طرف کس طرح کی ہے۔

پھر اس لاء کمیشن میں ان جماعتوں کو پوری طرح نظر انداز کیا گیا ہے جو فی الواقع سنت کو شرعی حجت سمجھتی ہیں اور ان کا یقین ہے کہ اَدلہ اربعہ میں سنت کو ثانوی مقام حاصل ہے۔

اہلِ سنت سے ایک دو آدمی جو لیے گئے ہیں، یا تو ان کے ذاتی رسوخ کی وجہ سے انھیں لیا گیا ہے یا کسی دوسری مصلحت کے پیشِ نظر!

مقصد کے لحاظ سے لاء کمیشن میں ایسے حضرات کو آنا چاہیے جو اولاً صحیح عقیدہ رکھتے ہوں، پھر سنت کو صحیح طور پر سمجھتے بھی ہوں۔ جو لوگ سنت پر یقین ہی نہیں رکھتے وہ ایسے قانون کی اصلاح کیسے کریں گے جس کی بنا کتاب وسنت پر ہے اور کتاب وسنت کی راہنمائی میں اسے درست کیا جانا ہے۔

حضرات! جہاں تک میرا اور میری جماعت کا نقطۂ نظر ہے، ہمیں اس لاء کمیشن پر قطعی اعتماد نہیں۔ ان کی قانون سازی یا قانونی ترمیمات کسی توجہ کی مستحق نہیں ہوں گی اور عائلی کمیشن کے سلسلے میں جو کھیل کھیلا گیا، اس کو دیکھتے ہوئے ہمارے یہ خدشات بے محل نہیں ہو سکتے۔ ان حالات میں:

١ ملک کو سوچ لینا چاہیے کہ لاء کمیشن کی مساعی کا آیندہ اس پر کیا اثر ہو گا۔

٢ اگر حکومت اپنی ضد پر قائم رہی اور اس نے لاء کمیشن میں کوئی مناسب اور صحیح تبدیلی نہ کی تو ملک کے لوگوں کو ابھی سے فیصلہ کر لینا چاہیے کہ انھیں اس کے متعلق کیا کرنا ہو گا۔

٣ حکومت کو پھر سوچ لینا چاہیے کہ اگر اس ہٹ دھرمی کی وجہ سے ملک میں مایوسی کا دور شروع ہو گیا اور اس کے نتائج میں عوام نے اپنے حقوق کے لیے کوئی جدوجہد شروع کر دی تو ملک کے حق میں بہتر نتائج کی توقع نہیں ہو سکتی۔

٤ ہمیں معلوم ہے کہ ملحدین کی یہ حوصلہ افزائی ملک کی سابقہ مساعی اور دینی خدمات کو غارت کر سکتی ہے، بلکہ ممکن ہے سابقہ محنت بالکلیہ پامال ہو جائے۔

٥ اس لیے ضرورت ہے کہ دین پسند جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور مستقبل کے لیے سوچیں۔ پاکستان ہمارا ہے، ان لوگوں کا نہیں جن کا مقصد صرف اقتدار ہے اور بس!

٦ ضرورت ہے کہ فروعی اور جزوی اختلافات کو ختم کر دیا جائے اور وقتی احکام کے بجائے دائمی فوائد کو پیشِ نظر رکھا جائے۔

۷ جو جماعتیں برسرِ اقتدار حضرات کی رضا مندی کے لیے عوام کو ناراض کر رہی ہیں انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ حالات ہمیشہ نہیں رہیں گے۔

آخر میں آپ حضرات کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ان پریشان خیالات کو پورے سکون سے سنا۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی.

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ أَجْمَعِیْنَ.[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۸؍نومبر ۱۹۵۷ء)

خطبۂ صدارت

(اہلِ حدیث کانفرنس، نواب گنج، ضلع راجشاہی، مشرقی پاکستان ۱۹۶۴ء)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَزَلْ عَالِمًا قَدِيْرًا حَيًّا قَيُّوْمًا سَمِيْعاً بَصِيْرًا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى مَنْ أَرْسَلَهُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً بَشِيْراً وَنَذِيْرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيْرًا، وَعَلٰى آلِهِ وَصَحْبِهِ الْأَتْقِيَاءِ هُدَاةِ الْخَلْقِ فَاسْأَلْ بِهِمْ خَبِيْرًا.

أيها الکرام! میری نگاہ اربابِ توحید و سنت کے ایسے خوشگوار ماحول کو دیکھ رہی ہے جس کا میسر آنا اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ اس بُعدِ مسافت اور ماحول کے تفاوت کے باوجود جو چیز ہمیں جمع کر رہی ہے وہ اسلام کی ہمہ گیر اخوت اور توحید و سنت کی اتباع اور اس کی طرف دعوت کا رشتہ ہے اور بس۔ اس مقدس جذبے کا اثر ہے کہ میں اپنے سامنے ﴿ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ﴾ [آل عمران: ۱۰۳] کا پاکیزہ منظر دیکھ رہا ہوں۔

حضرات! مجھے اپنی نارسائیاں اور کمزوریاں خوب معلوم ہیں۔ یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں مجھ سے کہیں زیادہ اربابِ کمال موجود ہیں۔ اس کے باوجود میں جس مقام پر کھڑا ہوں، یہ آپ حضرات کی وسعتِ اخلاق کا نتیجہ ہے اور وسیع الظرفی کا اثر ورنہ ''من آنم کہ من دانم''۔[1]

معشر الإخوان! میں آپ کے سامنے ایسے دو دردناک حوادث کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس سے ہماری جماعتی زندگی میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جسے پاٹنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے۔ میں اس سانحے کا اثر قلب اور دماغ پر محسوس کر رہا ہوں:

اول: سید القوم حضرت مولانا عبداللہ کافی قرشی مرحوم جو علم و فضل کے لحاظ سے پورے پاک و ہند میں اہم شخصیت تھے اور ان کی خدمات جماعت کے لیے روح کی حیثیت رکھتی تھیں۔

دوم: حضرت مولانا کبیر الدین جن کے ملفوظات گذشتہ سال لاہور مرکزی جمعیت اہلِ حدیث،

[1] میں جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔

مغربی پاکستان کے تاریخی اجلاس میں ہم نے سُنے تھے۔ ان کے گرامی قدر ارشادات میرے اور میرے رفقاء کے لیے غذائے روح تھے۔ آج میری نگاہ خیرہ ہے۔ وہ آپ کے اس عظیم الشان اجتماع میں ان دو عظیم المرتبت شخصیتوں کو نہیں دیکھ رہی ہے۔ افسوس یہ دونوں مقدس اور پاکباز بزرگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

فَمَا كَانَ قَيْسٌ هَلْكُهُ هَلْكُ وَاحِدٍ ۔۔۔ وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا [1]

اللہ تعالیٰ انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور توفیق عنایت فرمائے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چل سکیں۔

آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس:

آج سے قریباً اٹھارہ سال پہلے کتاب و سنت کی اشاعت اور اس کی دعوت کی مرکزیت کا سہرا آل انڈیا اہلِ حدیث کانفرنس کے سر تھا جس کی تاسیس سالارِ قافلہ حضرت استاذ الاساتذہ مولانا حافظ عبداللہ غازی پوری اور حضرت الامام مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی وغیرہما رحمہما اللہ نے فرمائی، اور جس کی قیادت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی اور حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمہما اللہ فرماتے رہے، اور جس کی سرپرستی خان حاجی علی جان مرحوم اور حاتمِ ملت حافظ حمید اللہ کرتے رہے۔
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُمْ وَارْحَمْهُمْ وَأَدْخِلْهُمُ الْجَنَّةَ.

اب کانفرنس کی تبلیغی مساعی تین حصوں میں منقسم ہو گئی ہیں۔ ہندوستان میں تو بدستور یہ خدمت کانفرنس ہی کر رہی ہے۔ مشرقی پاکستان میں یہ ذمہ داری حضرت العلام مولانا عبداللہ کافی رحمہ اللہ اور ان کے رفقاء نے لی، اور مغربی پاکستان میں ہم نے سید القوم مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی رحمہ اللہ کی قیادت میں اسے شروع کیا جسے بحمداللہ ہم لوگ اپنی بساط کے مطابق کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص اور اپنی رضا کی توفیق عطا فرمائے۔

مسلکِ اہلِ حدیث:

حضرات! مسلک اہلِ حدیث قدیمی مکتبِ فکر ہے جس نے چند بنیادی اقدار کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھا:

1. اسلام کی سادہ دعوت اور تکلفات سے پرہیز۔

[1] قیس کی ہلاکت ایک آدمی کی ہلاکت نہیں تھی، بلکہ وہ پوری قوم کی عمارت تھی جو گر گئی!

② اصلاح بین المسلمین اور امت کو تفرقہ سے بچانا۔

③ شخصی آراء وافکار کے التزام سے بچتے ہوئے کتاب وسنت کی طرف دعوت دینا۔

④ نصوص کے فہم میں قرونِ خیر اور ائمۂ سلف کا اتباع کرنا۔

آپ تاریخ کے مختلف ادوار پر غور فرمائیں، مختلف فرقوں میں افراط وتفریط کی رفتار پر گہری نگاہ ڈالیں تو آپ محسوس فرمائیں گے کہ فقہائے اہلِ حدیث اور ائمۂ سنت سے اعتدال کا دامن کبھی چھوٹنے نہیں پایا۔ مشاجراتِ صحابہ اور اہلِ بیت کے مقام کے تعین میں جب غلو ہوا اور اِکفار وتکفیر تک نوبت پہنچی تو ائمۂ حدیث ہی نے ہر فریق کے احترام کو قائم رکھا۔ دوسری صدی کے وسط میں مامون الرشید کی بے اعتدالی کی وجہ سے یونانی افکار نے مذہبی دنیا میں جب دھاندلی سی بپا کر دی تو ائمۂ حدیث اور فقہائے سنت کی قربانیوں نے حق وصداقت کی آبرو رکھ لی۔ اس طرح رسمی تصوف کی بے اعتدالیوں کے جلو میں جب بدعات کا سیلاب آیا تو جن لوگوں نے سنت کی حمایت میں جان کی بازی لگا دی وہ اہلِ حدیث علماء ہی تھے۔ اس کاروباری تصوف نے اسلام کی تخریب اور توحید وسنت کی مخالفت میں جو محاذ قائم کیا تھا اس کا جواب وہی لوگ دے سکتے تھے جن کے سینے ما سویٰ اللہ کی محبت سے پاک اور حق کی حمایت میں سپر ہو سکتے تھے۔

ان مختصر گزارشات سے آپ سمجھ سکیں گے کہ پہلی صدی سے چودھویں صدی تک بحمداللہ قرآن وسنت کے داعیوں نے پوری جرأت سے اپنی ذمے داری کو پورا کیا۔ نِعْمَ مَا قَالَ الْإِمَامُ عَبْدُالْعَزِيْزِ الرَّحِيْم آبَادِي ؎

پیشتر از پیشتر نصرت حق را ہمے بستم کمر[1]

حضرات! آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اہلِ حدیث نہ کوئی فرقہ ہے نہ کوئی دھڑا۔ بلکہ یہ اسلام کی وہ سادہ آواز تھی جو اس وقت اٹھائی گئی جبکہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ، ان کے تلامذہ رحمہم اللہ اور ان کی علمی خدمات اور ان کی فقہی نکتہ نوازیوں سے دنیا نا آشنا تھی، اور ان فروعی مسائل سے جو اجتہادی علوم رونما ہوئے ان کا تصور بھی ذہنوں میں نہیں تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

---

① اس سے پہلے کہ اس سے پہلے کہ اس سے پہلے حق کی نصرت کے لیے کمر بستہ ہو جانا چاہیے۔

”وَمِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ مَذْهَبٌ قَدِيمٌ مَعْرُوفٌ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ اللّٰهُ أَبَا حَنِيْفَةَ، وَمَالِكًا، وَالشَّافِعِيَّ، وَأَحْمَدَ، فَإِنَّهُ مَذْهَبُ الصَّحَابَةِ الَّذِيْنَ تَلَقَّوْهُ عَنْ نَبِيِّهِمْ، وَمَنْ خَالَفَ ذٰلِكَ كَانَ مُبْتَدِعًا عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ“

(منهاج السنة: ۱/ ۲۵۶)

”یہ اہلِ سنت کا ایک قدیمی اور مشہور مذہب ہے جو اس وقت سے پہلے موجود تھا جب اللہ تعالیٰ نے ائمہ اربعہ کو پیدا کیا۔ یہ صحابہ کا مذہب تھا جو انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے سیکھا۔ جو اس مذہب کی مخالفت کرے وہ اہلِ سنت کے نزدیک بدعتی ہے۔“

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا أَهْلُ الْحَدِيْثِ وَالسُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فَقَدِ اخْتَصَمُوْا بِاتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ الثَّابِتَةِ عَنْ نَبِيِّهِمْ ﷺ فِي الْأُصُوْلِ وَالْفُرُوْعِ، وَمَا كَانَ عَلَيْهِ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ“ (منهاج السنة: ۲/ ۱۰۳)

”اہلِ حدیث اور اہلِ سنت والجماعت، کتاب اللہ اور سنتِ ثابتہ کا اتباع ان کی خصوصیت ہے۔ اصول اور فروع میں وہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کا اتباع کرتے ہیں۔“

شیخ الاسلام کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ اصحابِ حدیث اور اہلِ سنت کا مکتبِ فکر موجودہ مکاتبِ فکر سے پہلے موجود تھا اور یہ اصول اور فروع میں صحابہ کی روش کے پابند تھے۔ قرآن اور سنت پر یقین رکھتے تھے اور کسی خاص عالم کی رائے کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔ یہی مذہب ہے جس کی دعوت آخری دور میں اہلِ حدیث نے دی۔ یہی وہ مسلک ہے جس کے متعلق شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

”در عقائد مذہب قدمائے اہلِ سنت اختیار کردی و از تفصیل و تفتیش آنچہ سلف تفتیش نہ کردند اعراض نمودن و بتشکیکات معقولیاں التفات نکردن و دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب وسنت عرض نمودن آنچہ موافق باشد در حیز قبول آوردن والا کالائے بد بریش خاوند دادن است امت را ہیچ وقت از عرضِ مجتہدات بر کتاب وسنت استغنا حاصل نیست وسخن متقشفہ فقہاء کہ تقلید عالمے را دست آویز ساختہ تتبع سنت را ترک کردہ اند نشنیدن و بدیشاں التفات کردن وقربت خدا جستن بدوامی اینان۔“ (تفہیمات الٰہیہ: ۲/ ۲۴۰)

”(فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ تو) اعتقاد اور عمل میں کتاب وسنت کے ساتھ تمسک کرے

اور ان دونوں کو اپنا مشغلہ قرار دے۔ اور ہر دو سے کچھ حصہ روزانہ پڑھے اور اگر پڑھ نہ سکے تو چند اوراق کا ترجمہ سنے۔ اور عقائد میں سلف اہلِ سنت کی روش اختیار کرے اور ائمۂ سلف کی طرح موشگافیوں سے بچے اور خام کار معقولیوں کی شک آفرینیوں سے بچے۔ اور فرعی مسائل میں ان محدثین کا اتباع کرے جو حدیث اور فقہ دونوں سے پوری طرح واقف ہوں، اور فقہی مسائل کو ہمیشہ کتاب وسنت پر پیش کرے۔ جو موافق ہو اسے قبول کرے ورنہ بالکلیہ نظر انداز کر دے۔ اُمت کو اپنے اجتہادات کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے کبھی استغنا حاصل نہیں ہوا۔ اور ضدی قسم کے فقیہ حضرات جنھوں نے بعض اہلِ علم کی تقلید کو دین کا سہارا بنا رکھا ہے اور کتاب وسنت سے اعراض ان کا شیوہ ہے، اُن کی بات تک نہ سننا اور ان کی طرف نگاہ مت اٹھانا اور ان سے دور رہنے میں ہی خدا کا قرب تلاش کرنا۔‘‘

حضرات! جب بھی اس دعوت کا ظہور ہوا، کچھ ذہن اس کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ زمخشری نے اپنے وقت میں اہلِ علم کے باہمی مطاعن کا ذکر کرتے ہوئے اہلِ حدیث کے متعلق بڑا دل چسپ طعن ذکر کیا ہے:

وَإِنْ قُلْتُ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيْثِ وَحِزْبِهِ   يَقُوْلُوْنَ تَيْسٌ لَيْسَ يَدْرِيْ وَيَفْهَمُ

اگر میں اپنا تعلق اہلِ حدیث سے ظاہر کروں تو لوگ مجھے کہتے ہیں یہ کند ذہن ہے۔ اسے درایت وشعور اور ادب سے تعلق نہیں ہے۔

حشویہ کا ذکر عموماً متکلمین کی کتابوں میں اہلِ حدیث کے متعلق کیا گیا ہے۔ آج بھی یہی تنابز بالالقاب کی عادت دنیا میں موجود ہے۔ عوام ہی نہیں، اچھے پڑھے لکھے آدمی بھی اس سے پرہیز نہیں کرتے۔ وہابی، بے دین، لا مذہب ایسے الفاظ کہتے ہوئے یہ حضرات حجاب محسوس نہیں کرتے۔ مجھے ان حضرات پر کوئی افسوس نہیں، نہ میں ان تہمتوں سے براءت کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے قصیدۂ نونیہ، صواعقِ مرسلہ، اعلام الموقعین وغیرہ میں، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے رد المنطق وغیرہ میں حشویہ کی حقیقت کو کافی واضح فرمایا ہے۔ اس آخری دور میں پون صدی سے زیادہ عرصہ ان اتہامات کی حقیقت کو واضح کرتے گزر گیا۔ شاید ہم ان حضرات کو سمجھا نہیں سکے یا ان حضرات کو صحیح فہم کی توفیق نہیں ملی۔ میں ان کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور اپنا اور آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ وہ جو

کہنا چاہتے ہیں کھلے طور پر کہیں۔ ع

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی [1]

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو توفیق دے کہ وہ حق کو سمجھ سکیں:

وَكَمْ مِّنْ عَائِبٍ قَوْلاً صَحِيْحاً وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيْمِ [2]

سیاسی موقف:

وقت اور بساط کے لحاظ سے غرباء کے اس گروہ نے ملت کی سیاسی خدمات سے بھی کبھی گریز نہیں کیا۔ گو یہ واقعہ بہت کم ہوا کہ ائمۂ حدیث کسی مسلم حکومت کے بالمقابل تخت و تاج کے حریف ہوئے ہوں۔ نصیحت، تنقید، جائر اور غیر منصف حکام کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا فریضہ ہمیشہ انجام دیتے رہے۔ اگر وقت آیا تو فریضۂ جہاد کے لیے شمشیر بکف میدان میں آ گئے۔ ہندوستان کی فتح کے لیے سب سے پہلا جیش جو مقامِ دیبل میں ساحلِ ہند پر اترا، یہ مسلکِ حق کا ہی پابند تھا۔ یہ لشکر ۹۲ ہجری میں ولید بن عبدالملک بن مروان کے حکم سے محمد بن قاسم کی قیادت میں ہندوستان پہنچا۔ اس کی فتوحات ملتان، بھکر اور قنوج تک پہنچیں۔

معلوم ہے کہ اس وقت ہمارے وہ دوست جو اہلِ سنت پر مخالفانہ قبضہ جما کر اہلِ حق کو خارج کر رہے ہیں، یہ خود اور ان کے ائمہ میں سے بھی اس وقت کوئی موجود نہ تھا۔ اس وقت حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ قریباً بارہ سال کے ہوں گے۔ اس کے بعد ہر دور میں اہلِ حق یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن القیم رحمہم اللہ کی ان ملّی خدمات کو تاریخ کبھی نہیں بھول سکتی۔

اس آخری دور میں حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، سید احمد شہید نے اور ان کے خلفاء نے سکھوں اور انگریزوں سے یکے بعد دیگرے ٹکر لی۔ یہ تحریک خالص دینی تھی۔ پورے ہندوستان پر اسلامی آئین اور کتاب و سنت کا دستور راج کرنے کے لیے شروع کی گئی تھی۔ ناگزیر حالات کی وجہ سے یہ تحریک مئی ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۶ھ میں کمزور ہو گئی۔ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ اور سید احمد رحمہ اللہ کثیر رفقاء

---

1. تیری خنجر آزمائی سے دوستوں کا سر سلامت ہے۔
2. اور کتنے ہی درست بات میں عیب جوئی کرنے والے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی اصل مصیبت کم عقلی ہے!

کے ساتھ بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہو گئے۔ اس شہادت میں بھی مسلم مخالفین کا کافی دخل تھا۔ اس کے بعد یہ تحریک انڈر گراؤنڈ ہو گئی، اس کی قیادت مولانا عنایت علی اور مولانا ولایت علی پٹنوی اور ان کے خلفاء نے سنبھال لی۔ یہ لوگ خالص اہلِ حدیث تھے۔

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جمود پسند طبقہ تحریکِ جہاد سے بالکل الگ ہو گیا۔ خود اہلِ حدیث علماء میں سے بھی بہت سے اکابر نے زیادہ توجہ درس و تدریس اور دروس و مناظرات کی طرف پھیر لی۔ دواوینِ سنت کی اشاعت اور دفاترِ حدیث و تفاسیر کی خدمت اپنا عمومی مشغلہ قرار دے لیا۔

یہ قدرتی تقسیم کار کا سلسلہ ۱۹۴۷ء تک چلتا رہا۔ اس کے بعد یہ تحریک جلد ختم ہو گئی اور اب معدودے چند افراد کے سوا اس مرکز میں کچھ نہیں۔ اس اثنا میں ملک کی سیاسی تحریکات میں بھی اکابر اہلِ حدیث پیش پیش رہے اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔ مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا عبدالقادر قصوری، مولانا عبدالاول غزنوی، مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی، مولانا اکرم خاں صاحب، مولانا عبداللہ الباقی اور مولانا عبداللہ الکافی وغیرہم ۔شَکَرَ اللّٰہُ مَسَاعِیَھُمْ۔ آخری وقت تک ملک کی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

آج جب پاکستان بن گیا، اسلامی نظام کے لیے زمین کسی قدر ہموار ہو گئی، اربابِ توحید کی خدمات کتاب و سنت کی اشاعت اور نظامِ اسلام کے لیے وقف ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اس ملک میں اسلام سربلند ہو۔ بے شک سیاسی جماعتوں کی طرح ہم اس میدان کے کھلاڑی نہیں، انتخابات کے جھمیلوں سے ہمیں چنداں دلچسپی نہیں لیکن ہم اپنی رائے کی قیمت اور اس کے دور رَس اثرات سے ناواقف نہیں۔ صحیح رائے کا اظہار اور دین پسند معتدل اور غیر متعصب رجال کے ہم خادم ہیں۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی۔

اندازِ فکر و عمل میں تبدیلی:

۱۹۴۷ء کے انقلاب اور اس کے بعد فوجی انقلاب نے ملک کی فضا کو بدل دیا ہے۔ اس کا اثر قدرتی طور پر زندگی کے تمام شعبوں پر پڑا ہے۔ آج سے چند سال پہلے مناظرات کی گرم بازاری دین کی بہت بڑی خدمت تصور ہوتی تھی، عمومی خطابات سے بھی عوام کو متاثر کیا جاتا تھا۔ چھوٹے مدارس محدود طور پر قرآن و سنت کی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ لیکن اب یہ مناظرات اور یہ مختصر قسم کے مدارس ملت

کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے۔ ان رسمی مناظرات کے متعلق ذہنوں کی آمادگی بہت ہی کم ہو گئی ہے۔

حضرات! وقت کے تقاضوں کے مطابق آپ کو اپنی راہیں بدلنی ہوں گی۔ تبلیغ و اشاعت کے انداز بدلنے ہوں گے۔ لوگوں کو قریب لانے کے لیے علماء اور جماعت کے اصحابِ خیر کو بڑی حد تک بدلنا ہو گا۔

خدمتِ خلق:

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں فرمایا ہے کہ خدمتِ خلق ان اسباب سے ہے جن سے انسان کو شرح صدر حاصل ہوتا اور انسان میں خدمت کا جذبہ بڑھتا ہے۔ اس لیے اگر آپ دین کی خاطر خدمتِ خلق کے لیے تیار ہو جائیں، اربابِ دولت شفا خانے کھولیں، محتاج مریضوں اور غیر مستطیع بیماروں کو علاج کی سہولتیں مہیا فرمائیں۔ وہ آپ کی ہر چیز پر غور کریں گے۔ مسیحی مشنریوں نے آپ کے سامنے صحت کے مراکز قائم کیے۔ مجھے معلوم ہے کہ اب مسیحی مبلغین یہ کام کاروباری انداز سے کر رہے ہیں۔ پھر بھی اس سے انھوں نے کافی فائدہ اٹھایا۔ اگر یہ کام اخلاص اور خدمتِ دین کے جذبے سے کیا جائے تو بے حد مفید ثابت ہو گا۔

دارالمطالعہ:

مناظرات میں تصادم کے ساتھ عناد کی روح پیدا ہوتی تھی جو بسا اوقات مقصد کے لیے موت کا پیغام ثابت ہوتی تھی۔ اگر مناسب مقامات پر دارالمطالعہ کھولے جائیں، ان میں مدلل اور سنجیدہ لٹریچر رکھا جائے، قرآنِ عزیز اور دفاترِ سنت کے تراجم سلیس ملکی زبانوں میں کیے جائیں، ذہنوں کے لیے پُرسکون فضا مہیا کی جائے تو یہ دلوں تک پہنچنے کے لیے پُرامن اور بہترین طریقہ ہے۔ واقعات بتاتے ہیں کہ سلجھے ہوئے لٹریچر نے ایسے دلوں کو متاثر کیا جن سے امید بھی نہیں کی جاتی تھی کہ وہ کوئی اثر قبول کریں گے۔

دارالایتام:

یتیم قوم کی امانت ہیں۔ اس امانت کی حفاظت اور تربیت قوم کا فرض ہے۔ جو قومیں یتامیٰ کی حفاظت نہیں کر سکتیں وہ بڑی جلدی صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ ۔فداه أبي و أمي۔ کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ تَرَكَ مَالًا فَهُوَ لِوَرَثَتِهِ وَمَنْ تَرَكَ كَلًّا أَوْ ضِيَاعًا فَهُوَ عَلَيَّ وَإِلَيَّ» [1]

[1] دیکھیں: صحيح البخاري، رقم الحديث (٦٣٦٤) صحيح مسلم، رقم الحديث (١٦١٩) مسند أحمد (٣/ ٣٣٨)

"کلاّ" اور "ضیاعاً" کی ذمے داری یتامیٰ ہی کی تربیت کا ایک طریقہ ہے۔ یتامیٰ نے قوموں کے خشک سوتوں کو لہلہاتے کھیتوں کی شکل دے دی۔ یتامیٰ کی خدمت اور تربیت کا سامان کیجیے، اللہ تعالیٰ آپ کی مشکلوں کو حل فرمائیں گے۔

محتاج خانے:

اسلام نے سوال کو عام حالات میں حرام فرما دیا تھا۔ چند ایک موقعے پر سوال کی اجازت فرما کر ارشاد ہوا:

«مَا سِوَى ذٰلِكَ يَا قَبِيصَةُ سُحُتٌ يَّأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا»[1]

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ان مواقع کے سوا اگر کوئی مانگتا ہے تو وہ حرام سے اپنا پیٹ پُر کر رہا ہے۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں مسلمانوں نے مانگنا پیشہ بنا لیا ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ گداگری کو قانوناً روکے۔ آپ کا فرض ہے کہ مستحق یعنی اپاہج، اندھے، لنگڑے محتاجوں کے لیے محتاج خانے کھول کر ان کے لیے آبرومندانہ طور پر خوراک کا انتظام فرمائیں۔ ان محتاج خانوں میں مختصر سی تعلیم بقدرِ ضرورت، صنعت وحرفت جاری کریں، پھر دیکھیں اس کے کیا نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

دینی مدارس:

یہ خدمتِ دین کا بہترین اور پُرسکون طریقہ ہے لیکن ہماری بدنصیبی ہے کہ چھوٹے چھوٹے مدارس کاروباری انداز اختیار کر گئے ہیں۔ یقیناً عوام بڑے خلوص سے اس میں حصہ لیتے ہیں، لیکن ذمہ دار حضرات کا کام کہاں تک درست ہے، اس پر علمائے کرام اور درس گاہوں کے ذمے دار حضرات کو بڑی دیانت داری سے سوچنا چاہیے۔ عوام اعتماد کی وجہ سے ممکن ہے محاسبہ نہ کریں، لیکن اللہ تعالیٰ کے محاسبے سے بچنا مشکل ہے۔

وقت کی ضرورت:

یہ چھوٹے چھوٹے مدارس علم اور دین کی خدمت کے لحاظ سے تو واقعی قابلِ قدر ہیں، لیکن وقت کی ضرورت کے لیے یہ کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتے۔ شیخ الکل استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب ۔قَدَّسَ اللّٰهُ رُوْحَهُ وَنَوَّرَ ضَرِيْحَهُ۔ نے اپنی قوتِ قدسی سے علم کی ایک بساط

[1] **صحيح.** سنن أبي داود، رقم الحديث (١٦٤٠) سنن النسائي، رقم الحديث (٢٥٨٠) صحيح ابن خزيمة، رقم الحديث (٢٣٦١)

بچھائی تھی جسے وقت کی گردش نے قریب قریب لپیٹ دیا ہے۔ میاں صاحب کے تلامذہ سے مشرقی اور مغربی پاکستان میں شاید کوئی قابلِ ذکر آدمی موجود ہو۔ ان چھوٹے مقامی مدارس کی وجہ سے کوئی اہم اور بڑی درس گاہ یعنی دارالعلوم یا جامعہ کی تاسیس جماعتی سطح پر عمل میں نہ آسکی۔ اس لیے ہم ایک علمی تشنگی محسوس کر رہے ہیں۔ اب وقتی اور مختصر درسگاہیں وقت کی ضرورت کو پورا نہیں کرسکیں گی، بلکہ ان سے مزید تشنگی بڑھے گی۔ ان سے جامع عالم پیدا نہیں ہوسکیں گے۔

ضرورت ہے کہ اچھے مدرس، خطیب، مصنف، مناظر اور سنجیدہ قسم کے راسخ العلم علماء پیدا ہوں تاکہ یہ تشنگی ختم ہو سکے، لیکن ہماری یہ درسگاہیں جو کام کر رہی ہیں، یہ مستقل تشنگی اور استسقاء ہیں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنْ خِزْيِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ!

تعلیم کو منظم ہونا چاہیے۔ چھوٹی درسگاہوں کا تعلق بڑی جامعہ یا کلیہ سے ہونا چاہیے۔ نصاب میں توازن ہونا چاہیے۔ طلبہ کی نقل وحرکت پر پابندی عائد ہونا چاہیے۔ سرٹیفکیٹ کے سلسلے سے انھیں پابند کر دینا چاہیے۔ صحیح طور پر تو یہ نظام اس وقت چل سکتا ہے کہ حکومت اس ذمے داری کو عقیدت اور ہمدردی کے جذبات سے سنبھالے جو سرِدست مشکل ہے۔ اس وقت ہم جہاں تک اخلاقی طور پر باہم تعاون سے کر سکتے ہیں، کریں۔ اہلِ حدیث درس گاہیں، اسی طرح دوسری جماعتیں بھی اسی نہج پر کام کریں۔ امید ہوسکتی ہے کہ کسی وقت یہ نظام مرضِ جہالت اور دین سے بے خبری کا صحیح علاج ثابت ہو۔

حضرات! معاف فرمایئے گا، میں نے آپ کا بہت زیادہ وقت لے لیا۔ آخر میں مَیں منتظمین جلسہ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ان پراگندہ خیالات کو بڑے سکون سے سنا۔ اب میں اپنی گزارشات ختم کر رہا ہوں اور اللہ کا نام لے کر اس مبارک کانفرنس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔ اللہ رب العالمین آپ کی مبارک مساعی کو کامیاب فرمائے۔ جس مقصد کے پیشِ نظر آپ جمع ہوئے ہیں اس کو کامیاب بنانے کی کوشش فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق مرحمت فرمائے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ، وَعَلٰى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ أَجْمَعِيْنَ.[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۷/ اپریل ۱۹۶۴ء)

خطبۂ صدارت

(اہلِ حدیث کانفرنس منعقدہ ماموں کانجن ضلع لائل پور بتاریخ ۲، ۳، ۴/ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

سُبْحَانَ الَّذِيْ أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا، مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ، تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا، سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ أَثَرِ السُّجُوْدِ، تَرٰى كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ وَسِرَاجًا مُنِيْرًا، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ، وَعَلٰى آلِهِ وَرَفَقَتِهِ وَأَتْبَاعِهِ، وَنَوِّرْ بِهِمْ أَقْطَارَ الْأَرْضِ وَزَوَايَاهَا، يَا مَنْ كُنْتَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا.

احبابِ کرام! آج مَیں جس ماحول میں آپ کے سامنے چند گزارشات کے لیے کھڑا ہوں، مجھے اس ماحول سے دیرینہ انس ہے۔ ۱۹۱۲ء یا اس کے پس و پیش حضرت الاستاذ امام حافظ عبدالمنان صاحب محدث وزیر آبادی کی معیت میں پہلی دفعہ اس علاقے میں آیا تھا۔ یہاں کی بدوی زندگی، سادہ طریقِ رہائش، چہروں پر آثارِ سجود کے ساتھ خوشنما سبزہ دیکھ کر پوری عرب زندگی کا نقشہ سامنے آجاتا تھا۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ سال کی ہوگی، لیکن حضرت الاستاذ ان اطراف کے دینی ماحول سے بہت متاثر تھے۔ میں خود اس ماحول کو اپنے علاقے سے کافی مختلف سمجھتا تھا۔

آج پچاس سال کے بعد میں دیکھتا ہوں، وہ ماحول کافی بدل چکا ہے۔ انگریزی تہذیب نوجوان پود پر اپنا اثر جما چکی ہے۔ چہروں کی تراش میں تصنع آچکا ہے۔ خوشنما سبزہ سیفٹی ریزر اور استروں کی نذر ہوگیا ہے۔ اس مقدس فصل کی پوری آمدن پر نائی اور حجام قابض ہیں۔ چہرے بدنما اور بھدے نظر آرہے ہیں۔ سفید اور نورانی چہروں پر بالوں کی سیاہ کھونٹیاں مسلسل سیاہ کاریوں کی نشاندہی کررہی ہیں۔ روشن ماضی حال اور مستقبل کو یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے

کل کے مقبول آج ہیں مردود   ہائے اس دورِ انقلاب کے رنگ

اس تباہی خیز لادینی انقلاب کے باوجود روشن ماضی کے کچھ آثار دیکھتا ہوں۔ آج بھی کافی

چہرے محراب اور سبزے کی رونق سے منور ہیں۔ اَللّٰھُمَّ کَثِّرْ أَمْثَالَھُمْ.

اپنی قسم کے نمایشی اور کاروباری علمی مسندوں کے ساتھ ساتھ میاں باقر صاحب اور صوفی عبداللہ صاحب ایسے مخلص، خدا خوف اور خاموش کارکن میری نظر میں ہیں جن کے اخلاص اور محنت سے یہاں دینی علوم کے کچھ چشمے جاری ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انھیں ریاکار، جوفروش اور طماع حضرات کی غلط نگاہوں سے بچائے۔

توحید و سنت کی اشاعت:

پہلے بزرگوں کے اخلاص اور برکت سے ان علاقوں میں توحید و سنت کی اشاعت ہوئی۔ نہر کے پانی نے یہاں بنجر زمینوں کو سبزہ زار بنا دیا اور توحید و سنت کی مسلسل اور پیہم بارشوں نے دلوں کی ویران بستیوں کو بقعۂ نور بنا دیا۔ اب زمینوں کو سیم اور تھور برباد کر رہا ہے اور قلوب و ارواح کی نو آبادیوں پر لادینی تہذیب، مغربی تعلیم اور ایشیا کے غیر اسلامی نظریات یورش کر رہے ہیں۔ یہ اثرات ایوانِ حکومت سے شروع ہو کر محراب و منبر تک پہنچ رہے ہیں۔ بابو، چودھری اور مولانا سب کے ذہن اس تاثر سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس ہنگامۂ رستخیز میں فتح کس کو ہوگی اور شکست کس کے نصیب میں۔ دینی ماحول کے باوجود ہمارے نوخیز علماء شعوری یا غیر شعوری طور پر لادینیت کا شکار ہو رہے ہیں

أَمَّا الْخِيَامُ فَإِنَّهَا كَخِيَامِهِمْ وَأَرَى نِسَاءَ الْحَيِّ غَيْرَ نِسَائِهَا[1]

مسلک اہلِ حدیث:

حضرات! ہر زمانے کے اہلِ علم نے اسلام یا قرآن و سنت کی تعبیریں اپنے مذاق اور ماحول کے مطابق فرمائی ہیں۔ ہم ان تعبیرات کو غیر اسلامی نہیں سمجھتے۔ ان بزرگوں کی یہ مساعی حق و صداقت کی جستجو کے لیے تھیں مگر ائمۂ حدیث کی تعبیر ان میں صحیح ترین تعبیر تھی۔ یہ حضرات ذہنی آوارگی اور جمود دونوں سے محفوظ تھے۔ ان کے طریقۂ اجتہاد میں نہ تو آوارگی تھی جس کے نتیجے میں اعتقادی اور عملی بدعات ذہن کو ماؤف کر دیں، اور نہ جمود و تقلید اس طرح محیط کہ اجتہاد اور تفقہ فی الدین کے سرچشمے بادِ سموم کی نذر ہو جائیں۔

---

[1] خیمے تو انھی کے خیموں کی طرح تھے لیکن محلے کی عورتیں وہ عورتیں نہیں تھیں۔

آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک میں ایک گروہ کی عقل پرستی اور دراز دستی اس قدر بڑھ رہی ہے کہ وہ صاحبِ وحی کو بھی یہ حق نہیں دیتے کہ وہ اپنی وحی کا مطلب سمجھ سکے یا سمجھا سکے۔ وہ اپنی کوتاہ نظریوں کے باوجود قرآن اور دین پر مخالفانہ قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس جسارت کا یہ عالم ہے کہ وہ سنت کے مستند ذخائر کو طاقِ نسیان کے سپرد کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا خیال ہے اگر قرآن اور دین ہماری راہنمائی میں زندہ رہنا چاہے تو اسے زندگی کا حق ہے ورنہ اسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ الفاظ بے شک قرآن کے ہوں مگر تشریحات اور تشریعات ہماری ہوں گی۔

دوسرا گروہ قدمائے اہلِ علم کے علمی آثار سے اس قدر مرعوب ہے کہ وہ کتاب و سنت کے فہم میں ان بزرگوں کے آثار کو حق و باطل کا معیار سمجھتا ہے اور اس تقلید و جمود کو اسلام اور اس کی تعلیمات کی حفاظت کا ضامن سمجھتا ہے۔ اور اس پر یہ تاکید کہ ان بزرگوں سے کسی ایک کے ساتھ اپنے آپ کو کلیتًا وابستہ رکھو۔ ان کے علوم سے مجموعی طور پر استفادے کی بھی اجازت نہیں دی جاتی۔ دراصل پہلی آوارگی بھی اسی جمود کا نتیجہ ہے۔

مسلک اہلِ حدیث نہ اس جمود کو پسند کرتا ہے اور نہ وہ آوارگی اس کے مزاج سے سازگار ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے فتوے اور اس دور کی وسعتیں ہمارے سامنے ہیں۔ اکابر اور مجتہدین صحابہ سے کسی کے ساتھ شخصی وابستگی نہ اس وقت تھی نہ آج کل کی ضروریات کے لیے موزوں اور مناسب ہے۔ اور اس کی اشاعت کے لیے آج سے بہتر وقت شاید ہی مل سکے!

تبلیغ کا انداز:

صدیوں سے مسلک اہلِ حدیث اپنوں اور پرائیوں کی زبانوں پر ہے۔ نہ سمجھانے میں کوئی کمی رہی نہ سمجھنے میں کوئی دقت اب تک ہے۔ اگر کوئی نہیں سمجھا سکا تو یہ فہم کا نقص نہیں، یہ ارادوں کا نقص ہے۔ جب کوئی سمجھنا ہی نہ چاہے تو اسے کون سمجھائے؟

﴿ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴾ [النمل: ۸۰]

”جب بہرے منہ پھیر لیں تو تم قطعاً نہیں سُنا سکتے۔“

مجھے تعجب ہے کہ ہمارے مبلغ حضرات تین تین گھنٹے دفعِ شبہات اور رفعِ شکوک میں صرف فرما دیتے ہیں۔ کئی کئی دن ان اخفش کی بکریوں کو سمجھانے میں ختم ہو جاتے ہیں اور وہ سر ہلا کر چلی جاتی

ہیں۔ اب تبلیغ کے انداز اور آپ پر اتہامات لگائے جاتے ہیں تو لگانے دو، اس سے کچھ نہیں بگڑتا ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند
آرے آرے میکنم باخلق و عالم کار نیست[1]

ہم کیا ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے، حق پسند لوگ جانتے ہیں۔ اگر کچھ لوگ نہیں سمجھ سکے تو وقت آئے گا وہ بھی سمجھ جائیں گے۔ آپ پہلے اپنے اخلاق سنواریے۔ عزیز و اقارب، احباب اور رفقاء کی اصلاح فرمایئے۔ یہ بہرے خود سمجھنے لگیں گے۔ صلح حدیبیہ نے کس قدر اوہام کا خود بخود ازالہ کر دیا، اس لیے ہمارے مبلغین کو اب عذر خواہی کی عادت بالکل ترک کر دینی چاہیے۔ عوام کی خدمت کا جذبہ پیدا فرمایئے۔ محتاجوں کی امداد کیجیے۔ بیماروں کے علاج کی کوشش کیجیے۔ نادار، مفلوک الحال، سفید پوش ملک میں ان کی بڑی تعداد موجود ہے، ان کی مدد فرمایئے۔ آپ کے ملک میں مشنری اس انداز سے کام کر رہے ہیں۔

مفید لٹریچر:

بحث اور مناظرات کا دور گزر چکا۔ اب اس کی افادی حیثیت مشتبہ ہے۔ آپ اب سنجیدہ اور مدلل لٹریچر شائع فرمایئے جسے لوگ گھروں میں بیٹھ کر سکون سے پڑھیں، وہ دلوں پر اثر کرے۔ مفید لٹریچر بڑی مؤثر قوت ہے۔ آپ اس سے دماغوں میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔ اذہان کو درست کر سکتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں، مولانا حافظ محمد لکھوی، مولانا عبدالستار فیروز وٹواں کی تصانیف نے ہزاروں افراد کے عقیدے درست کر دیے۔ نواب صاحب رحمہ اللہ نے سیکڑوں کتابیں لکھیں۔ ان میں بعض کتابیں ضخامت کے لحاظ سے کئی کئی جلدوں میں شائع ہوئی ہیں۔ فتح البیان، ترجمان القرآن، دلیل الطالب الی ارجح المطالب، الحطہ اور منہج الوصول وغیرہ بڑی قیمتی کتابیں ہیں جن سے اسلام کو بے حد فائدہ پہنچا۔ آج ہم ان جواہر پاروں کی اشاعت سے معذور ہیں۔ بعض غیر مفید کتابیں ملک میں شائع ہو رہی ہیں مگر ان جواہر پاروں سے اِغماض کیا جا رہا ہے۔

مسلک کی صحیح ترجمانی کے لحاظ سے معیار الحق مؤلفہ حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین صاحب، الارشاد مولانا ابو یحییٰ شاہجہانپوری اور حسن البیان مؤلفہ مولانا عبدالعزیز صاحب رحیم آبادی

[1] مخلوق کہہ رہی ہے کہ خسرو بت پرستی کر رہا ہے۔ ہاں، ہاں، میں کرتا ہوں، مخلوق اور دنیا کے ساتھ مجھے کوئی سروکار نہیں۔

کی اشاعت وقت کا تقاضا ہے۔ عون المعبود عرصے سے نا پید ہے۔ اس بے نظیر شرح کی اشاعت اس وقت جماعت پر قرض ہے۔ تحفۃ الاحوذی کی اشاعت مصر میں ہو رہی ہے مگر عون المعبود کی سعادت معلوم نہیں کس صاحبِ دل بزرگ کو حاصل ہوتی ہے۔ ان کتابوں کی اشاعت جماعت کی طرف سے کاروباری انداز سے ہونی چاہیے تاکہ محفوظ رہے۔ مفت کی چیزیں عموماً ضائع ہو جاتی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں کے بعد جلالۃ الملک عبدالعزیز بن سعود رحمہ اللہ کا موقف دینی کتابوں کی اشاعت میں صد ہزار تحسین کا مستحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو رحمت سے بھرے۔ ان کی اولاد بھی مرحوم والد کی طرح دینی کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں مبارک بار کی مستحق ہے مگر جماعت اہلِ حدیث کا اس معاملے میں عرصے سے سکوت بلکہ بے توجہی قابلِ شکایت ہے۔

چند مکاتب اپنی بساط کے مطابق کام کر رہے ہیں۔ ان کا کام قابلِ تعریف ہے اور ذاتی ہونے کے ساتھ ضرورت کے لحاظ سے بہت کم ہے۔ ضرورت ہے کہ اہلِ علم اور دانش مند حضرات مل کر اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

مرکزی جمعیت اہلِ حدیث:

جمعیت کے اربابِ حل و عقد جماعت میں نظم کے لیے کئی سال سے کوشش کر رہے ہیں۔ جمعیت کی قیادت کئی سال تک حضرت مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی فرماتے رہے۔ جماعت کا نظام شورائی انداز سے مرتب فرمایا گیا ہے۔ چند سالوں میں جمعیت نے قابلِ تعریف کام کیا۔ سیکڑوں شہری ضلعی جماعتیں جماعت سے تعاون کر رہی ہیں جو بحمد اللہ روز بروز روبہ ترقی ہے۔

اختلافِ رائے دنیا میں ہمیشہ رہا ہے مگر اس سے تفریق اور مخالفت کی بُو نہیں ہونی چاہیے۔ جمعیت کے نظام میں اندرونی اور بیرونی طور پر بعض احباب کو اختلاف ہے مگر آپ اگر اس اختلاف کی تاریخ ملاحظہ فرمائیں گے تو آپ یقین فرمائیں گے کہ یہ اختلاف کسی اصل پر مبنی نہیں۔ بعض احباب نے اپنے ذاتی وقار کی بنا پر اختلاف فرمایا ہے۔ بعض جگہ اختلاف برائے اختلاف ہے جس کے پیچھے کچھ مقصد نہیں۔ میرے مختصر تجربے میں کچھ ایسے مخلص دوست ہیں جن کی طبیعت کے خمیر میں اختلاف ہے اور دوستوں کے متعلق بدگمانیاں ان کا سرمایۂ زندگی ہے۔ اختلاف اور باہم آویزش کو ہَوا دینے میں مخلص ہیں۔ ان کی زندگی کا وظیفہ یہی ہے کہ لڑنے کے لیے مواقع پیدا کرتے رہیں اور بہترین

صلاحیتوں کو اس کام میں بے کار صرف کرتے رہیں۔ خود کچھ کریں نہ دوسروں کو کرنے دیں۔

میری تمام دوستوں سے عاجزانہ استدعا ہے کہ وہ ذاتیات سے بالا ہو کر جمع کلمہ کی کوشش کریں اور اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق جماعت کے لیے کام کریں۔ اپنی زندگیوں اور صلاحیتوں کو جماعت اور اسلام کی سربلندی کے لیے صرف کریں۔ اس میں آپ کی عزت ہوگی۔ دنیا میں آپ سربلند ہوں گے۔ آخرت میں یہ خدمت آپ کے لیے نجات کا ذریعہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب کو اخلاص، حسنِ عمل اور اصلاح بین المسلمین کی توفیق مرحمت فرمائے۔

نظامِ تعلیم اور اس کا طریقۂ کار:

ملک میں دینی مدارس کی کافی تعداد موجود ہے۔ ان میں چند مدارس اچھی خدمت سرانجام دے رہے ہیں، مگر ہماری ہونے والی پود اور ہمارے مدارس کے نو آموز نوجوان تعلیمی انتشار اور بدنظمی کا شکار ہو رہے ہیں۔ وہ دیہات میں چھوٹے چھوٹے مدارس کھول رہے ہیں جن کا نہ صرف یہ کہ ربط نہیں بلکہ رقابت ہے، باہم آویزش ہے۔ تعلیمی ترقی کے بجائے یہ مدارس معاشی جنگ کی آماجگاہ بن چکے ہیں۔ یہ حضرات جماعت کی جیب پر بوجھ ہیں اور باہم رقابت اور بدنظمی کی وجہ سے مضر ثابت ہو رہے ہیں۔

ان میں کوئی باقاعدہ نصاب نہیں۔ طلبہ کی نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں۔ مدارس تعلیم کے بجائے آوارگی کی درسگاہیں بن گئی ہیں۔ سال ہا سال صرف کرنے کے باوجود جو لوگ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں وہ ملت کے لیے کوئی مفید خدمت سرانجام نہیں دے سکتے، بلکہ بسا اوقات انتشار اور تفریق بین المسلمین کا موجب بنتے ہیں۔

حضرات علماء اور علاقے کے بااثر لوگوں سے میری استدعا ہے کہ ایسے مدارس کو نظم کا پابند کریں اور اس تعلیمی انتشار کو روکنے کی کوشش کریں۔

ذہین اور معاملہ فہم طبقہ پہلے ہی دنیوی تعلیم کے لیے کالجوں اور سکولوں کی طرف دوڑ رہا ہے۔ اگر چندے ہم نے ان نقائص کی اصلاح نہ کی تو تعجب نہ ہوگا کہ آپ کے یہ مدارس خالی ہو جائیں۔ آپ دنیا کو نہیں چھوڑیں گے مگر دنیا آپ کی رفاقت سے دست کش ہو جائے گی۔ جس قیمت پر ہو سکے، ایسی تعلیمی بدنظمی اور انتشار کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں۔

پریس کی ضرورت:

اس وقت دنیا میں پریس کی بادشاہت ہے۔ حکومتیں پریس سے گھبراتی ہیں۔ پریس کی خدمات سے استفادہ کرتی ہیں۔ اپنے مقاصد اور کتاب وسنت کی اشاعت کے لیے ایک مضبوط پریس کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاں یہ میدان بالکل خالی ہے۔ نہ اچھا لکھنے والے ملتے ہیں نہ کوئی اخبار موجود ہے جو بے لاگ لکھے، تنقید کرے اور ملک کی راہنمائی کرے۔ کتاب وسنت کی اشاعت اور ملک میں اسلامی دستور کی اشاعت کے سلسلے میں معاون ثابت ہو۔ ضرورت ہے کہ ہمارے اہلِ علم قلم ہاتھ میں لیں، اچھی زبان لکھیں اور عوام کی سیاسی، دینی اور اخلاقی تربیت کریں۔ یہ عظیم الشان خدمت ہو گی۔

باہم آویزشوں، لڑائیوں اور رقابتوں کو چھوڑیے اور اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق ملت کی خدمت کے لیے میدان میں آیئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ارادوں میں اخلاص اور آپ کی ہمتوں میں برکت پیدا کرے۔

حضرات! میں نے آپ کا وقت لیا اور جو خیال میں آیا، اُلٹا سیدھا کہہ گیا۔ "خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَر" کے اصول پر عمل فرماتے ہوئے اچھی چیزوں کو دماغ میں جگہ دیں اور میری لغزشیں معاف فرمائیں ؎

مَنْ ذَا الَّذِيْ مَا سَاءَ قَطُّ   وَمَنْ لَهُ الْحُسْنٰى فَقَطْ[1]

میں تمام منتظمینِ جلسہ اور رضا کار حضرات اور عام حاضرین کا شکر گزار ہوں، انھوں نے میرے پریشان خیالات کو سکون سے سنا۔

آخر میں گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ جماعت کے نظم کو مضبوط کریں۔ تعلیم میں ربط پیدا کریں۔ انتشار پسند حضرات سے گزارش کریں کہ وہ لِلّٰہ امت کو معاف فرمائیں اور اپنے لیے کوئی راہِ عمل تجویز کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توحید وسنت پر استقامت اور مسلکِ سلف کے اتباع کی توفیق دے۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.[2]

---

[1] کون ہے جس نے کبھی برائی نہیں کی! کون ہے جس کے پاس صرف نیکیاں ہیں!

[2] ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور (۹/ اکتوبر ۱۹۶۴ء)

میلاد النبی ﷺ
(پریس کانفرنس)

۲۸ر جولائی کو گوجرانوالہ میں مولانا محمد اسماعیل صاحب امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی۔ اس کانفرنس میں مولانا نے میلاد النبی ﷺ کی تقریب کے انعقاد کے بارے میں پانچ تجاویز پیش کیں۔ مولانا نے کہا:

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس اس دنیا کی عظیم ترین ہستی تھی، آپ ﷺ کی ولادت کی تقریب کو غلط اور خلافِ شرع طریقے سے منایا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کی شانِ بلند کا اس میں خیال نہیں رکھا جاتا۔

انھوں نے فرمایا: راستوں کو اس انداز سے روکا نہ جائے کہ آمد و رفت میں تعطل پیدا ہوجائے اور ٹریفک کے ذرائع ختم ہوکر رہ جائیں۔

مولانا نے تجویز پیش کی کہ میلاد النبی ﷺ کے موقع پر بازاروں اور راستوں کی زیبائش پر جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے، اس میں متوازن اور معتدل رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ روپے اگر رفاہی کاموں پر خرچ کیے جائیں تو اس کی افادی حیثیت زیادہ ہوگی اور منافع کے پہلو پائیدار ہوں گے۔

مولانا نے فرمایا: میلاد النبی ﷺ کے نام پر ایک خاص فرقے کے لوگ میدان میں اتر آتے ہیں، وہ اپنی تقریروں میں دوسرے مکاتبِ فکر کے حاملین کے جذبات کو مجروح کرتے اور ان کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں، اس طرح یہ ملک کی سالمیت پر ضرب لگاتے اور لوگوں میں اشتعال پیدا کرتے ہیں، انھیں روکنا چاہیے۔

مولانا نے فرمایا: جلوس کے بعض نوجوان افراد خواتین پر آوازے کستے اور ان کو تنگ کرتے ہیں، جس سے اخلاقی انارکی کے لیے فضا ہموار ہوتی ہے، اس موقعے پر عورتوں کا بازار میں آنا ممنوع قرار دیا جائے۔

مولانا نے کہا: بعض لوگ اس تقریب پر فلمی گانوں کے ریکارڈ لگا دیتے ہیں، جو آنحضرت ﷺ (فداه أبي وأمي) کی سراسر توہین ہے۔

یہ پریس کانفرنس ستارہ فیکٹری گوجرانوالہ میں منعقد ہوئی، جس میں لاہور اور گوجرانوالہ کے مدیران و نمائندگانِ جرائد کے علاوہ جماعت اہلِ حدیث اور شہر کے معززین خاصی تعداد میں شامل تھے جن میں مولانا عبداللہ صاحب، مولانا محمد چراغ صاحب، میاں عبدالستار صاحب (امیر جمعیت اہلِ حدیث، گوجرانوالہ) جناب اسماعیل صاحب ضیاء (رکن مجلسِ عاملہ جمعیت اہلِ حدیث، گوجرانوالہ) منشی محمد یوسف صاحب (نائب ناظمِ جمعیت اہلِ حدیث، گوجرانوالہ) شیخ محمد یوسف صاحب (خازن مقامی جمعیت) حاجی عبدالکریم صاحب (امیر جمعیت اہلِ حدیث، گوجرانوالہ) عبدالعزیز، ذوالفقار، رفیق انور صاحب (ایشیا فین) نذیر احمد صاحب، جناب بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ، عبدالوہاب صاحب اور حکیم عبدالرحمان صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

پریس کانفرنس میں مولانا محمد اسماعیل (امیر جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان) کے بیان کا مکمل متن مندرجہ ذیل ہے:

پاکستان ایک اہم جمہوری ملک ہے اور اس کی بنیاد اسلام پر رکھی گئی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اس کی تمام تقریبات اور نظام میں جمہور کی خیر خواہی اور اسلام کی سربلندی کا خیال رکھا جائے۔ پاکستان میں میلاد النبی (ﷺ) کی تقریب ہر سال منائی جاتی ہے، اس تقریب کو عوام اور اربابِ حل وعقد جس دینی اور سیاسی ذہن سے مناتے ہیں، ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلوؤں پر ابتداء ہی سے نظر رکھی جائے، تاکہ کسی کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ نظم ونسق کو قائم رکھنے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور قابلِ غور ہیں:

1. بازاروں کی زیبائش اور محرابوں کی ساخت میں اس چیز کو پیشِ نگاہ رکھا جائے کہ ٹریفک اور آمد و رفت کے ذرائع پر کوئی اثر نہ پڑے، یا کم سے کم اثر پڑے۔ لاہور کی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ ایک بار عورت کو ہسپتال پہنچانا تھا، مگر اسے ہسپتال پہنچانے کے لیے کوئی قریبی راستہ نہ مل سکا اور وہ جان بحق ہوگئی۔ منت سماجت کے باوجود منتظمین اسے راستہ دینے پر آمادہ نہ ہوئے۔
(پاکستان ٹائمز، ۲۵ جولائی ۱۹۶۴ء)

2. مصارف میں اعتدال ملحوظ رکھا جائے۔ ایک ایسا ملک جو اپنے تعمیری امور کو سرانجام دینے کے

لیے دولت مند ممالک کا منت پذیر ہو، اور جس میں غربت و افلاس کی کمی نہ ہو، اس کے دانشوروں کو اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ اس کی تقریبات سادہ ہوں اور روپیا تعلیمی یا رفاہی اداروں پر صَرف کیا جائے، جس سے مستقل فائدہ حاصل ہو۔

3 میلاد النبی ﷺ کے جلوس کی آرایش و زیبایش کو دیکھنے کے لیے خواتین بھی گھروں سے باہر نکل آتی ہیں، لیکن اس سال بعض مقامات پر ان کے ساتھ سلوک کی جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں، اس سے گردن جھک جاتی ہے۔ مسلمان نوجوانوں کا اس مقدس تقریب میں خواتین سے چھیڑ چھاڑ کا یہ رجحان انتہائی قابلِ مذمت ہے۔ عورتیں زیادہ تر روشنی کے لیے آتی ہیں، اس لیے یا تو روشنی کا حصہ حذف ہونا چاہیے یا پھر رات کو عورتوں کا آنا بند ہونا چاہیے۔ اگر اس طرف توجہ نہ دی گئی تو نتیجتاً اخلاقی انارکی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔

4 پاکستان میں مختلف مکاتبِ فکر کے حامل لوگ پائے جاتے ہیں، اس لیے میلاد النبی ﷺ کے جلوسوں اور تقریب کا نظام صرف انھیں ہاتھوں میں نہیں ہونا چاہیے جو اسے اپنے نقطۂ فکر کی تبلیغ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور دوسروں کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں، چنانچہ اس سال بعض مقامات پر حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن کے خلاف بہت غلط جذبات کا اظہار کیا گیا۔ (کوہستان: ۷/۶۴۔۶۶)

یہ حرکت انتہائی مذموم ہے۔ ایک خاص مکتبِ فکر کے حامل گروہ نے بعض مساجد کے سامنے جلوس دیر تک ٹھہرائے رکھا اور ان کے مقرر چیلنج بازی کرتے رہے اور ایسے جذبات کا اظہار کرتے رہے جن سے ذہنوں میں اشتعال پیدا ہوتا ہے۔ یہ چیز امنِ عامہ کے لیے خطرناک ہے، اس کی اصلاح نہایت ضروری ہے۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ جلوس کا نظم ونسق معتدل، امن پسند اور معاملہ فہم حضرات کے ہاتھوں میں ہونا چاہیے۔ فرقہ پرور عنصر کو اس سے بالکل الگ رکھنا چاہیے۔ تقاریر صرف آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ پر ہوں، ان میں مناظرات اور چیلنج بازی کا انداز قطعاً نہ ہو۔

5 جلوس میں بعض جگہ فلمی گانے ریکارڈ کیے گئے، یہ بات اس تقریب کی تقدیس کے بالکل منافی ہے۔

حاجی محمد دین (نیشنل فین) کی تجویز کے مطابق جلوس کے لوگ باوضو اور درود شریف پڑھتے جائیں اور جلوس اسی پر اختتام پذیر ہو۔

جب مولانا محمد اسماعیل صاحب (امیر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان) پریس کانفرنس میں یہ بیان، جو تحریری صورت میں تھا، پڑھ چکے تو ان سے نمائندگانِ جرائد نے متعدد سوالات کیے، جو مع جواب کے درج ذیل کیے جاتے ہیں:

سوال میلاد النبی ﷺ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب میلاد النبی ﷺ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں یہ تقریب منائی گئی، نہ تابعین اور نہ تبع تابعین کے دَور میں اس کا وجود ملتا ہے، نہ ائمۂ کرام نے اس کی ضرورت محسوس کی، نہ فقہاء میں سے کسی نے اس کی اہمیت بیان کی۔ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے چھے سو سال بعد عالمِ وجود میں آئی۔ ایک بادشاہ مظفر الدین کوکبوری بن اربل نے ۶۳۰ھ میں موصل میں اس کی ابتداء کی، مگر اس میں قوالی وغیرہ بالکل نہ تھی اور نہ کوئی اور برائی پائی جاتی تھی، لیکن اس دور کے علمائے کرام کے لیے یہ بات بھی ناقابلِ برداشت تھی، اس کی بھی مخالفت کی گئی اور اس کے خلاف سب سے پہلے علامہ ابن الحاج نے آواز بلند کی۔

سوال میلاد النبی ﷺ کے موقعے پر جو تقریریں کی جاتی ہیں، کیا ان میں کسی مسلکِ فکر کی مخالفت کی جاتی ہے؟

جواب ایک خاص گروہ کے حاملین نے اس کو دوسروں کی مخالفت کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ یہ کتنی مذموم حرکت ہے کہ باٹاپور میں ایک خاص مکتبِ فکر کے حامل مقرر نے حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ کو ہدفِ تنقید ٹھہرایا، حالانکہ یہ دونوں بزرگ بہت بڑے عالم، بہت بڑے مجاہد اور بہت متقی و پرہیزگار تھے، اور ان کے معتقدین بھی بہت بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور اس سے ان کے دل مجروح ہوتے ہیں، لیکن مخالفین کو اس بات کا کوئی احساس نہیں ہے۔ ان کی اس قسم کی تقریریں ملک کی سالمیت اور وحدت کے لیے خطرہ ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت ملک کو اتحاد و اتفاق کی سخت ضرورت ہے اور اسی سے ملک ترقی کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔ ہماری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ ملک میں اتحاد کی فضا پیدا کی جائے اور اختلاف و افتراق کا کلیتًا خاتمہ کر دیا جائے۔ یہ لوگ میلاد النبی ﷺ کی تقریب کو دوسروں کی مخالفت کے لیے استعمال کرتے ہیں اور حالات کی رفتار کا بالکل خیال نہیں رکھتے۔

سوال کیا آپ نے بحیثیتِ جماعت کی کبھی تمام مسالکِ فکر کے حاملین کو متحد کرنے کی کوشش کی؟

جواب ہم نے جماعتی طور سے تمام جماعتوں میں اتحاد پیدا کرنے کی بارہا کوششیں کیں۔ اس ضمن میں ہم نے سب سے پہلا قدم اپریل ۱۹۵۵ء میں اٹھایا۔ اپریل ۱۹۵۵ء میں مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کی تیسری سالانہ کانفرنس لائل پور میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں اتحاد کے متعلق ایک طویل قرارداد منظور کی گئی، جس میں تمام جماعتوں اور اسلام پسند عناصر کو متحد رہنے کی اپیل کی گئی تھی اور کہا گیا تھا کہ اپنے اپنے مسالک پر قائم رہتے ہوئے ملک سے برائی اور فحاشی و عریانی کو ختم کرنے کے لیے تمام جماعتیں اکٹھی ہوجائیں۔ اس ضمن میں ہم نے جمعیت کے مرکزی دفتر لاہور میں تمام جماعتوں کے علماء و زعماء کا ایک اجتماع بھی بلایا تھا۔ حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی رحمہ اللہ نے اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی تمام کوششیں صَرف فرما دی تھیں، اس کے بعد اپنے تمام سالانہ اجتماعات اور مجالسِ شوریٰ میں ہم اس مسئلے کو موضوعِ فکر ٹھہراتے اور سب کو متفق ہونے کی اپیل کرتے رہے۔ نومبر ۱۹۶۲ء میں لاہور میں مرکزی جمعیت کی سالانہ کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تو اس وقت بھی اس تجویز کا اعادہ کیا گیا۔

بہر حال جہاں تک جماعت اہلِ حدیث کا تعلق ہے، ہم نے حالات کی رفتار پر ہمیشہ نگاہ رکھی ہے اور ملک جس دَور سے گزر رہا ہے، وہ دَور ہمارے پیشِ نظر رہا ہے، اس کے تقاضوں کو ہم خوب سمجھتے ہیں، اس لیے ہماری یہ جچی تلی رائے ہے کہ پاکستان کی ترقی کے لیے سب جماعتوں کا اتحاد نہایت ضروری ہے اور علماء کا فرض ہے کہ کسی کے خلاف کچھ نہ کہیں۔ مثبت انداز میں اپنا نقطہ بیان کریں۔ یہ دَور کسی کے دل مجروح کرنے اور فروعی اختلافات کو ہوا دینے کا نہیں ہے۔ اس وقت ہم بہت سے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں، ان کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ ہم ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا بند کر دیں اور وہی راستہ اختیار کریں جو ہمیں اتفاق کی منزل تک پہنچا دے، ہم متحد ہو کر ملک کی خدمت کر سکیں۔ علماء کا آپس میں لڑنا اور دینی جماعتوں کا ایک دوسرے کے گریبانوں پر ہاتھ ڈالنا انتہائی قابلِ مذمت فعل ہے۔

مولانا نے سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا کہ ہم اخبارات کے ممنون ہیں کہ انھوں نے ہمیشہ ہماری ان مصالحانہ مساعی کو سراہا ہے اور ہماری تگ و تاز کی تحسین کی ہے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۷؍ اگست ۱۹۶۴ء)

طلبہ کی ذمے داریاں[1]

محترم مولانا نے خطبۂ مسنونہ کے بعد قرآن پاک سے ذیل کی آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسٰنًا ﴾ [الإسراء: ٢٣]

اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں مولانا نے درد بھرے لہجے میں پورے خلوص کے ساتھ طلبہ کو مخاطب فرمایا کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دین کی تعلیم سیکھنے کے لیے علم کے اس چشمے پر حاضر ہوئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم لوگ امتِ محمدیہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہو۔

((خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))[2]

لیکن محض علم، بغیر عمل کے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ علم وعمل کی ہم آہنگی میں نجات ہے اور دین ودنیا کی فلاح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خواہ دین کی تعلیم ہو یا دنیا کی تعلیم، تین گروہوں نے اس میدان میں قابلِ قدر کارنامے انجام دیے ہیں اور بدکرداریوں اور سیاہ کاریوں میں بھی یہی لوگ سرِ فہرست ہیں۔

امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول: ”هَلْ أَفْسَدَ الدِّيْنَ إِلَّا الْمُلُوْكُ، وَأَحْبَارُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا“[3] نشان دہی کر رہا ہے کہ مفاسد کی سب سے زیادہ آبیاری ان تین گروہوں نے کی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے دور میں بادشاہوں میں بداعمالیاں موجود تھیں، خصوصاً اموی بادشاہوں نے جن غلط لائنوں پر لوگوں کو چلایا تھا، ان سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سخت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔

عزیز طلبہ یہ درست ہے کہ آپ کو بدکردار بادشاہوں کے نتائج وعواقب سے تعلق نہیں ہے۔

[1] جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں طلبہ کے سالانہ امتحان کے سلسلے میں منعقدہ تقریب پر ایک خطاب، جسے مولانا محمد صادق صاحب نے ترتیب دیا تھا۔

[2] صحيح البخاري، رقم الحديث (٤٧٣٩)

[3] سير أعلام النبلاء (١٢/ ٢١٣)

ابھی آپ علم کی راہ میں چل رہے ہیں اور آپ نے کتاب وسنت کی مشعلوں سے اپنے چراغوں کو روشن کرنا ہے، ماں باپ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ دینی علوم سے اپنے دامنوں کو بھرنا ہے۔ اساتذۂ کرام، والدین سے زیادہ احسان و مروت کے حق دار ہیں، اس لیے کہ والدین آپ کے لیے جسمانی غذا کی تگ و دو کرتے ہیں، لیکن یہ حضرات آپ کی روحانی غذا بہم پہنچانے میں کوشاں رہتے ہیں۔ سلطنتِ مغلیہ کے بعد متحدہ ہندوستان میں علم دو حصوں میں بٹ گیا۔ دنیا کے حصول کے لیے علم کی راہ مختلف ہوگئی، لیکن انگریز نے اس ملک پر قبضہ کرنے کے بعد دنیاوی علوم کو پروان چڑھایا اور علمِ دین کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کیں، تاہم ہمارے اسلاف نے پورے خلوص کے ساتھ کتاب وسنت کی جو خدمت انجام دی ہے، اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

ہمیں اس وقت اپنی ذمے داریوں کے متعلق سوچنا ہے اور اسلام میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، ان کا دفاع کرنا ہے اور جو غیر اسلامی رسمیں آئے دن ہم میں رواج پذیر ہو رہی ہیں، ان سے اسلام کو پاک و صاف کرنا ہے۔ ہمارے پاس دولت کی فراوانی اتنی ہے کہ جتنی دوسرے لوگوں کے پاس ہے، لیکن ہمیں اپنی ذمے داریوں کا احساس کرنا چاہیے اور میدانِ عمل میں آنا چاہیے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ پاکستان بننے کے بیس سال بعد بھی اسلام کا نام اس ملک میں ضرورت کے وقت استعمال ہوتا ہے اور عام أذہان اسلام سے متاثر نہیں ہیں۔ اس لیے دین کو پھیلانے کے لیے ہمیں کمربستہ ہونا ہے اور لوگوں کے دلوں میں اس کی تعلیمات کو اُتارنا ہے۔

مغلیہ عہدِ سلطنت میں علماء، دینی، ملی دنیاوی سبھی علمی کام کرتے تھے۔ ہمیں بھی اس وقت میں ان تمام علوم سے دل چسپی لینا چاہیے اور کام کے میدان میں نکلنا چاہیے۔ میں تجربے کی بنا پر کہتا ہوں کہ آپ یقین رکھیں کہ عوام ہمارے ساتھ ہیں اور ہم جب بھی ان سے کوئی اِعانت چاہیں گے، وہ فوراً ہماری دعوت پر لبیک کہیں گے۔ ہمارے اکابر میں جو خلوص تھا، اس کی مثال حضرت مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی تھے۔ آپ تین چار گاؤں کے مالک تھے۔ وہ سب مال اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کرتے تھے۔ علامہ عین الحق پھلواری رحمہ اللہ گدی کے مالک تھے۔ میاں نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور پوری زندگی کتاب وسنت کے لیے وقف کر دی اور شاہانہ تزک و احتشام کو چھوڑ کر فقیرانہ زندگی بسر کرنا شروع کی۔

مولانا عبدالجبار غزنوی اور مولانا عبدالواحد غزنوی؛ انتہائی مخلص اور پرہیزگار ولی اللہ گزرے ہیں اوران میں سے کسی کا مشاہرہ بیس روپے ماہانہ سے زیادہ نہ تھا۔ حضرت الاستاذ حافظ عبدالمنان رحمہ اللہ کا مشاہرہ دس روپے ماہانہ تھا۔ یہ سب بزرگ اپنے دور میں دین کی خدمت انجام دیتے ہیں اور خاص کر دین کو اپنے ہاتھوں سے کبھی نہ چھوڑا اور کبھی علم کو دکان کی حیثیت میں نہ لیا۔ عزیز طلبہ آپ بھی علم کو دکان کی حیثیت نہ دیں اور نہ اس ارادے سے تعلیم حاصل کریں، محض رضائے الٰہی مقصود ہو اور پورے خلوص اور سوچ کے بعد اس راہ میں گامزن ہو کر اسلاف کا نمونہ بننے کی کوشش کریں۔ آپ کا اخلاق اتنا بلند ہو کہ لوگ آپ کو دیکھ کر اسلام کا نمونہ سمجھیں۔ آپ کے ظاہر و باطن میں فرق نہیں ہونا چاہیے۔ آپ اپنے اخلاق کو بلند رکھیں اور زندگی کی ضروریات میں نفس کی دھوکے بازیوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور حصولِ زر کے لیے اپنے آپ کو مارکیٹ میں پیش نہ کریں۔ یہ صورت اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔ آپ کے سامنے آپ کی تاریخ ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں آپ دیکھیں گے کہ صحابہ کرام فقراء تھے، صاحبِ ثروت نہ تھے، یہاں تک کہ بعض صحابہ کرام کو فوت ہونے کے بعد پورا کفن بھی حاصل نہ ہو سکا۔

صحابہ کرام کی زندگی، آنحضرت ﷺ کی زندگی سے تربیت یافتہ تھی اور اس اعلیٰ اخلاق سے ہی انھوں نے دنیا کو فتح کر لیا تھا۔ آپ اپنے دلوں کو ٹٹولیں، خدارا آپ روپے کی ریل پیل اور دنیا کی خوبصورتی کی طرف للچاتی ہوئی نظروں سے نہ دیکھیں، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ اس دور میں اخلاق کی بلندی عنقا ہے۔ اخلاص کا تلفظ مہمل ہے۔ میں نے اخلاص کو تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اسے خوب ٹٹولا ہے، لیکن میں اسے پا نہیں سکا۔ میں دیکھتا ہوں کہ عورتیں فیشن کی باتیں کرتی ہیں اور ہمارے رفقاء تنخواہ کی باتیں۔

اب کیا ہوگا، بس ہم تو بازار کا مال ہیں، جہاں نیلام ہوا بک گئے۔ اساتذہ کا یہ کردار دیکھ کر تلامذہ کیا سبق حاصل کریں گے؟ بچے کی پہلی تربیت گاہ ماں باپ کا گھر ہے۔ بچے ماں باپ کے اخلاق سے متاثر ہوتے ہیں، اگر ماں باپ کے اخلاق بہتر ہوں گے تو اولاد کے اخلاق بھی بہتر ہوں گے۔ دوسری تربیت گاہ اساتذہ ہیں، ان کے اخلاق سے بھی طلبہ متاثر ہوں گے۔

عزیز طلبہ! آپ جب جامعہ سے جائیں تو لوگ آپ کے اخلاق سے متاثر ہوں اور اگر یہاں سے

جا کر آپ اخلاقی گراوٹ دکھائیں اور شرارتوں وسازشوں سے آپ کو چین نہ ہو تو لوگ سمجھیں گے کہ جس ادارے سے آئے ہیں، اس کا نظام ہی ایسا ہے۔ یاد رکھو! ہم دنیا کی نگاہوں میں نشانہ اور کھٹکا ہیں۔

دراصل میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ شعائرِ اسلامی کی پابندی خصوصاً نماز کے مسئلے میں سستی نہ کریں، یہ ایک بنیادی مسئلہ ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے مدارسِ عربیہ میں نماز کی سستی ہے کہ طلبہ گپیں ہانکتے رہتے ہیں اور ادھر نماز ہو رہی ہوتی ہے۔ آپ کو سبق حاصل کرنا چاہیے، اگر اس راہ میں چلنا ہے تو ہمیں اس زندگی کو صاف کرنا ہوگا۔ خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَرَ!

ہمارے اسلاف کے دور میں طلبہ جس انداز سے زندگی بسر کرتے تھے، اب وہ دور نہیں ہے اور جو صورتِ حال اس وقت موجود ہے، اس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ ہم نے جس وقت جامعہ سلفیہ کی بنیاد رکھی تھی تو ہمارے پیشِ نظر طریقۂ سلف کی حمایت اور محدثین کے مسلک کی تلقین و تائید تھی اور اسلاف کے نقشِ قدم کے مطابق ایک تربیت گاہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ان بنیادوں پر کوئی لائحۂ عمل سوچیں۔

میں دیکھتا ہوں کہ اساتذہ محنت کرتے ہیں، لیکن طلبہ میں محنت کا داعیہ نہیں ہے۔ اساتذہ کے پاس انجکشن تو نہیں ہے کہ آپ محنت بھی نہ کریں اور علم بھی حاصل ہو جائے۔ یاد رکھیے کہ محنت ہی سے آپ کو کچھ حاصل ہوگا۔ دراصل جو طلبہ ابتدائے سال میں کام چور رہتے ہیں، وہ سال کے اختتام پر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں، یا پاس کروانے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، یا جعلی سند سرٹیفکیٹ حاصل کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

علم در جلد خویش باید نہ در جلد کتاب[1]

ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جہاں استاذ سے پڑھتے ہیں، وہیں کتاب رکھ دیتے ہیں۔ مطالعہ نہیں کرتے یا برائے نام مطالعہ کرتے ہیں۔ یاد رکھو کہ جو مطالعے کی عادت نہیں رکھتے، ان کو مطالعے کی توفیق نہیں ہوتی اور پھر وہ لوگ اُردو کی کتاب لے کر اس سے وعظ کرتے ہیں۔[2]

[1] ''علم اپنی جلد (جسم) میں (اترا ہوا) ہونا چاہیے نہ کہ کتاب کی جلد میں۔''
[2] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (یکم ستمبر ۱۹۶۷ء)

امیر منتخب ہونے کے بعد پہلی تقریر[1]

مولانا نے فرمایا:

حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ اللہ نے ان کی ذاتِ گرامی میں بہت سی صلاحیتیں جمع فرما دی تھیں۔ ان کی وفات سے ملک کے دینی حلقوں میں بالعموم اور جماعت اہلِ حدیث میں بالخصوص جو خلا پیدا ہو گیا ہے، اس کا پر ہونا ممکن نہیں۔ علماء اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ بے شمار علماء ہماری آنکھوں کے سامنے ہم سے جدا ہو گئے۔ جو شخص یہاں سے اُٹھ جاتا ہے، بعد میں اس کی جگہ لینے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اب حضرت مولانا غزنوی رخصت ہوئے ہیں تو اپنا مقام خالی چھوڑ گئے ہیں۔ ہم ابھی اس کے لیے تیار نہیں تھے کہ ان کی خبرِ وفات سنیں، لیکن نہایت افسوس ہے، جس بات کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، وہ حقیقت اور واقعہ بن کر رہی اور حضرت مولانا غزنوی موت کی آغوش میں چلے گئے۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

(یہ لفظ جب مولانا کہہ رہے تھے تو ہونٹ کپکپا رہے تھے، زبان رک رہی تھی اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ تمام حاضرین بہت ہی متاثر تھے اور ان کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے)

مولانا موصوف نے مجلسِ شوریٰ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

آپ نے مجھے اپنا امیر منتخب کر کے جہاں شکریے کا موقع دیا ہے، وہاں مَیں اس احساس کے بوجھ تلے دبا جا رہا ہوں کہ آپ نے مجھ پر بہت بڑی ذمے داری عائد کر دی ہے۔ میں اس عظیم ذمے داری کو صحیح طور پر اسی صورت میں ادا کر سکتا ہوں، جب کہ آپ پوری طرح میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ میں اس میدان میں نو وارد ہوں اور آپ کی اِمداد کا طالب!

---

[1] یہ تقریر ۱۹/ جنوری ۱۹۶۴ء کو امیر منتخب ہونے کے بعد مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں ہوئی تھی۔ (ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور۔ ۳۱/ جنوری ۱۹۶۴ء)

مجھے پورا احساس ہے کہ جو بات حضرت مولانا میں تھی، وہ ہم میں نہیں ہے۔ میرا معاملہ "كَبَّرَنِيْ مَوْتُ الْكُبَرَاءِ" والا ہے۔

میں جماعت کے ہر فرد اور ہر رکن سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ موقعے کی نزاکت کا خیال فرمائیں اور جماعت کے مفاد کو ہر چیز پر ترجیح دیں۔ جماعت اور اس کی تنظیم میں ہی ہماری عزت ہے اور اس مسلک کی پابندی ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ یہی ہماری زندگی کا مقصد اور یہی ہمارا اوڑھنا بچھونا ہے۔ ہمیں اس کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دینا چاہیے۔ ہمارا کام اس دنیا میں اللہ کے دین کی خدمت ہے۔ اگر ہم نے اس میں کوتاہی کی اور اپنے آپ کو غلط رخ پر ڈال دیا تو یہ ہماری بہت بڑی بدقسمتی ہوگی اور ہم دنیا میں بھی خسارے میں رہیں گے اور آخرت میں بھی!

جماعت اہلِ حدیث ایک مذہبی اور دینی تنظیم ہے اور ایک خاص مسلک کی پابندی کی تعلیم دیتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کا خیال رکھیں اور مسلکِ محدثین جو عین کتاب و سنت ہے، اس پر عمل پیرا ہوں۔ جماعت اہلِ حدیث کی ایک تاریخ ہے اور اس کے پیچھے خاص روایات ہیں۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ اس کو زندہ رکھیں اور اپنے عمل و کردار کو صحیح سانچوں میں ڈھالیں۔

اجتماع فیروز وٹواں میں شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ صاحب کی تقریر

بسلسلہ

نظمِ جماعت اور امارت و صدارت

مولانا محمد اسماعیل صاحب ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث نے خطبۂ مسنونہ کے بعد اہلِ حدیث تحریک، اس کی تبلیغی، اصلاحی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے مؤثر اور درد بھرے انداز میں جماعت کو خلفشار سے بچنے کی تلقین فرمائی۔

برصغیر پاک و ہند میں جماعت اہلِ حدیث کی خدمات کے سلسلے میں آپ نے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ اور ان کے خاندان کا ذکر کیا۔ اور شاہ شہید رحمہ اللہ کے مجاہدانہ اور علمی کارناموں کا تفصیل سے تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں برائے نام مسلمان حکومت لُٹ رہی ہے اور انگریز کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے، مسلمان غیر اسلامی رسم و رواج کے پابند ہو رہے ہیں، شرک و بدعات کو مختلف ناموں پر اسلام میں داخل کیا جا رہا ہے اور انگریز ایک ایسا نظامِ تعلیم رائج کر رہے ہیں جس سے اندر ہی اندر آہستہ آہستہ مسلمانوں کو اسلام سے دور کیا جائے تو شاہ شہید رحمہ اللہ نے سید احمد رحمہ اللہ کی قیادت میں ایک ایسی جماعت کی بنیاد ڈالی جو تمام غیر اسلامی رسومات کو مٹائے، توحید و سنت کی اشاعت اور صحیح اسلامی حکومت کا نفاذ کرے، تاکہ سچی توحید کو اجاگر کیا جا سکے۔ آپ نے کہا کہ دہلی کا ماحول ایسا نہ تھا کہ وہاں اطمینان سے یہ جدوجہد کی جائے، کیوں کہ وہاں انگریزوں کا اقتدار تھا اور پنجاب میں بھی حالات سازگار نہ تھے، وہاں سکھوں نے اودھم مچا رکھا تھا۔

اس لیے اس جماعت نے ایک طویل راستہ جودھ پور، سندھ اور کوئٹہ کا اختیار کیا اور پشاور کے علاقے میں پہنچ گئے۔ اس علاقے میں سکھوں اور انگریزوں کا کوئی اثر نہ تھا اور وہاں اسلامی ذہن بھی تھا۔ شاہ شہید رحمہ اللہ نے اسلامی تحریک کو زندہ کرنے کے لیے وہاں کوشش کی اور تین سال تک سکھوں کے ساتھ جنگ و قتال میں مصروف رہنے کے بعد شہادت کے درجۂ عظمیٰ سے سرفراز ہوئے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے تلوار کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی کام لیا اور توحید و سنت پر ایک کتاب ''تقویۃ الایمان'' لکھی جو آج بھی شرک و بدعت کی بیخ کنی کے لیے شمشیرِ برہنہ ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحریک سے ہندوستان میں مسلک اہلِ حدیث کو تقویت ہوئی اور ان کے بعد حضرت مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا سید محمد صدیق حسن خاں، مولانا عبداللہ غازی پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا عبداللہ الغزنوی، امام عبدالجبار غزنوی، مولانا حافظ عبدالمنان اور مولانا ثناء اللہ رحمہم اللہ نے اس مسلک کی خدمت اور قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت کے لیے جو کام کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔

جب ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہو گیا اور جماعت اہلِ حدیث کے افراد پاکستان پہنچے تو وہ انتشار کی حالت میں تمام پاکستان میں پھیل گئے۔ اس وقت عجیب افراتفری تھی اور تمام جماعت بے کسی اور بے بسی کی حالت میں تھی، اور خطرہ تھا کہ اگر جماعت کو ایک نظام کے تحت منظّم نہ کیا گیا تو ملک میں جماعت کو بڑی مشکلات پیش آئیں گی اور ہمارے اسلاف نے جو خدمات اس سلسلے میں کی ہیں وہ رائیگاں جائیں گی۔

ہم نے کچھ عرصہ انتظار کیا کہ شاید ہمارے بزرگوں سے کوئی صاحب آگے آئیں گے اور جماعت کو اس انتشار سے بچا کر ایک پلیٹ فارم پر جمع کریں گے مگر افسوس! ہماری یہ خواہش پوری نہ ہوئی۔

آخر میں خود حضرت مولانا سید محمد داود غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے عرض کی کہ آپ اس سلسلے میں پیش قدمی فرمائیں۔ الحمد للہ کہ میری درخواست کو انھوں نے منظور فرما لیا اور ہم نے مل کر جماعت کا ایک نظام ''مرکزی جمعیت اہلِ حدیث'' کے نام سے قائم کر دیا۔

اس کے بعد ہم نے کوشش کی کہ جماعت کے تمام اکابر کا تعاون حاصل کریں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک وفد مولانا سید داود غزنوی صدرِ مرکزیہ کی قیادت میں مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی، مولانا محمد حنیف صاحب ندوی، حاجی محمد اسحاق صاحب حنیف اور میاں عبدالمجید صاحب پر مشتمل سیالکوٹ مولانا محمد ابراہیم صاحب مرحوم کی خدمت میں پہنچا تاکہ ان کو اس سلسلے میں آمادہ کیا جائے، مگر افسوس کہ انھوں نے ملنے سے اِعراض کیا اور مکان کو باہر سے تالا لگوا دیا۔ وفد ناکام وہاں سے واپس آیا۔

اس طرح کراچی میں مولانا عبدالستار صاحب دہلوی کی خدمت میں مولانا داود صاحب، مولانا محمد علی صاحب لکھوی، مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف اور میں خود حاضر ہوئے تو انھوں نے فرمایا کہ

آپ اپنا دستور بھیج دیں، اس کو دیکھ کر شمولیت کے متعلق غور کریں گے۔ چنانچہ ہم نے واپس آ کر دستور بھیج دیا مگر انھوں نے آج تک کوئی جواب نہ دیا، تاہم انھوں نے مرکزی جمعیت کی کوئی مخالفت بھی نہیں کی۔

ایسے ہی مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی کی خدمت میں مولانا محمد عطاء اللہ صاحب حنیف کو متعدد بار بھیجا گیا مگر انھوں نے ملاقات کا کوئی وقت نہ دیا۔ مولانا حافظ محمد صاحب گوندلوی کے پاس ایک وفد نے جانے کا ارادہ کیا مگر انھوں نے خود پیش قدمی فرمائی اور ہمارے نظام سے وابستہ ہو گئے۔ وہ اس وقت شیخ الجامعہ کے عہدۂ جلیلہ پر جامعہ سلفیہ میں کام کر رہے ہیں اور مرکزی جمعیت کے نائب صدر ہیں۔

تھوڑے ہی عرصے میں جماعت منظّم ہوگئی اور ملک میں جگہ جگہ اس کی سیکڑوں شاخیں قائم ہو گئیں، جس کا اثر یہ ہوا کہ ملک کی سب جماعتوں اور حکومت کے ہاں اس کا وقار قائم ہو گیا۔ اور پھر اس موقعے پر جبکہ ملک میں دوسری جماعتوں کو حکومت نے کسی مشورے کے لیے بلایا تو مرکزی جماعت کو بھی باقاعدہ دعوت دی۔

امارت کا نزاع:

جب اللہ کے فضل وکرم سے جماعت پوری طرح منظّم ہوگئی تو چند گنے چنے لوگ اس کو برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے جماعت میں انتشار پیدا کرنے کا عنوان ڈھونڈ نکالا اور یہ بہانہ کیا جانے لگا کہ جماعت کا نظم امارت کے نام سے ہونا چاہیے، صدارت غیر شرعی ہے۔

اس خواہ مخواہ کی ہٹ دھرمی کو ختم کرنے کے لیے ملتان کانفرنس میں یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا اور مرکزی جمعیت عنوان بدلنے پر بھی آمادہ ہوگئی کیوں کہ ہماری کوشش ہی یہ تھی کہ جس طرح ہو سکے اس نزاع کو ختم کیا جائے اور جماعت میں انتشار پیدا نہ ہو۔ آخر ان حضرات نے یہ شرط لگائی کہ جب کوئی امیر منتخب ہو جائے تو تاحینِ حیات اسے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور وہ مطلق العنان ہو، کسی شوریٰ کا پابند نہ ہو۔ ظاہر ہے شرعاً یہ نادرست ہے، اس لیے ہم اسے مان نہ سکے۔

اس کے بعد انھی حضرات نے لاہور کے ایک سائیکل فروش صوفی محمد یٰسین صاحب کو امیر منتخب کر لیا اور کسی دوسرے موزوں امیر کی تلاش میں رہے۔ چنانچہ انھوں نے سید محمد شریف صاحب سابق امیر جماعت کے فرزندِ رشید مولانا سید محمد اسماعیل مشہدی سے کہا کہ وہ منصبِ امارت سنبھالیں، مگر انھوں

نے انکار کر دیا کہ میں جماعت کے لیے موجبِ نزاع بنا پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد مولانا عبداللہ صاحب جہانیاں کو امیر بنانے کی کوشش کرتے رہے، مگر انھوں نے جواب دے دیا کہ میں مولانا سید داود غزنوی صاحب کے مقابلے میں آنا اور جماعت کو انتشار میں مبتلا کرنا پسند نہیں کرتا۔

اس کے بعد صدرِ محترم مولانا سید داود غزنوی صاحب نے ایک تجویز پیش کی کہ جماعت کو انتشار سے بچانے کے لیے بہتر ہے کہ جید علمائے کرام اور جماعت کے فہمیدہ اصحاب پر مشتمل ایک کنونشن بلایا جائے۔ صدارت اور امارت کا مسئلہ ان کے سامنے پیش کر دیا جائے۔ وہاں جو فیصلہ ہو اسے تسلیم کیا جائے، مگر امارت کے خواہشمندوں نے اس طرف بھی کوئی توجہ نہ دی۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ امارت و صدارت کے لفظی نزاع کو اتنا طول دیا گیا ہے اور اس امارت کو شرعی امارت ثابت کرنے کے لیے ایڑی سے چوٹی تک کا زور صرف کیا جا رہا ہے، حالانکہ یہ بے بس امارت کوئی چیز نہیں۔ اسے شرعی کہنا سراسر نادانی ہے!

یہ کیا امارت ہے کہ اقتدار کسی اور کے ہاتھ میں ہو اور امیر صاحب صرف امیر بنے گھر بیٹھے رہیں! جو امیر حدودِ شرعی جاری نہ کر سکے، جہاد نہ کر سکے وہ ہرگز شرعی امیر نہیں ہے۔ امارتِ شرعی تو ایک اسلامی نظامِ حکومت ہے اور ظاہر ہے کہ حکومت کے اندر ایک اور حکومت قائم نہیں کی جا سکتی۔

اب جبکہ ملک میں حکومت جنرل ایوب خاں کی ہے، اقتدار ان کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہے بھی گذشتہ تمام ذی اقتدار اصحاب سے عدل و انصاف میں ممتاز تو ان کے مقابلے میں ایک بے بس امارت قائم کرنا چہ معنی دارد؟

اگر ان لوگوں کو حکومت کے کسی فعل پر اعتراض ہے تو اس کی اصلاح کی کوشش کریں اور اگر اس کو خلافِ اسلام سمجھتے ہیں تو ملک سے باہر جا کر اس کا مقابلہ کریں اور شرعی نظام کے نفاذ کی کوشش کریں۔ اور یہ حضرات جو یہ کہہ رہے ہیں کہ جو امیر کو تسلیم نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے، وہ یہ امارت ہرگز نہیں جو محض بے بس اور مجبور ہو۔ یہ اس امارت کے لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے جو بااختیار امیر ہو۔

اور یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حجاج بن یوسف اور ہشام بن عبدالملک جیسے ظالم بادشاہوں کے مقابلے میں بھی امارت قائم نہیں کی جا سکتی اور نہ وہ شرعی امارت ہو سکتی ہے۔

جب سید محمد شریف مرحوم گھڑیالوی کو امیر بنایا گیا تو مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی نے تنظیم میں لکھا تھا کہ ان کی امارت ''عریفِ قوم'' یعنی قوم کے چودھری کی مانند ہے تو اب یہ امارت، امارتِ شرعی کیسے ہوئی؟

اس لحاظ سے امیر اور صدر میں کوئی فرق نہیں۔ مقصد دین کی خدمت ہے۔ جو لوگ امیر کی بیعت کر رہے ہیں وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے ہیں اور نظامِ صدارت بھی یہی کر رہا ہے تو پھر جماعت کو ایک نئی چیز پیدا کر کے انتشار میں ڈالنے کا کیا فائدہ؟

جب ایک نظام قائم ہے اور وہ کام کر رہا ہے تو اس کی تخریب کی کوشش کرنا کون سی نیکی کا کام ہے؟ میں نے سنا ہے وہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ صدارت کی گاڑی نہیں چلے گی، یا روک دی جائے گی۔ تو میں انھیں کہتا ہوں کہ ان شاء اللہ یہ گاڑی چلے گی اور چل رہی ہے۔ یہ خدا کا کام ہے جو اس نے کرنا ہے۔ اس گاڑی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جو روکنے کی کوشش کرے گا وہ ختم ہو جائے گا، مگر گاڑی نہیں روک سکے گا۔

آخر میں، مَیں اپنے رفقاء سے عرض کروں گا کہ وہ حوصلہ مندی سے کام کرتے رہیں اور سب باتیں برداشت کریں۔ جماعت کو انتشار سے بچانے کی سعی کریں۔ اللہ کے دین کی خدمت کے لیے کام کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ وہی ہمارا اور سب کا حامی و ناصر ہے۔[1]

---

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۶/ دسمبر ۱۹۵۸ء)

جماعتی خلفشار اور انتشار وافتراق کی مذمت[1]

خطبۂ مسنونہ کے بعد آپ نے حافظ محمد یحییٰ صاحب کی خدمات کو سراہا۔ آپ نے فرمایا کہ حافظ صاحب ضلع لاہور میں جماعت کی جو خدمات بجا لا رہے ہیں، وہ قابلِ قدر ہیں۔ آپ کے اخلاص اور محنت کا نتیجہ ہے کہ آپ ایک گاؤں میں اتنی بڑی تبلیغی کانفرنس کا شاندار نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مسلکِ محدثین، محدثین کی دینی خدمات، جماعت اہلِ حدیث کی تنظیم اور مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی خدمات پر ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

آپ نے فرمایا کہ محدثین کا وہ مقدس گروہ ہے جس نے شروع سے اسلام میں فرقہ بندی کے بجائے وحدتِ اسلامی پر زور دیا اور تمام فرقوں میں اتفاق و اتحاق پیدا کرنے کی سعی مبارک فرمائی۔ انھوں نے دلائل کی روشنی میں بڑی فراخ حوصلگی اور وسعتِ نظری سے کام لیتے ہوئے جہاں امام شافعی رحمہ اللہ کا فتویٰ صحیح اور مدلل نظر آیا، اسے ترجیح دی۔ جہاں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسئلہ قابلِ ترجیح نظر آیا، اسے مرجح قرار دیا۔ اس کے لیے امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب صحیح بخاری اور دیگر کتبِ صحاحِ ستہ شاہدِ عدل ہیں، اور اس طرح انھوں نے فرقِ اسلامیہ میں اتفاق و اتحاد اور وسعتِ نظری کی طرح ڈالی اور تعصب و تنگ دلی کو دور کرنے کی مبارک کوشش کی۔ جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنْ جَمِيعِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيرَ الْجَزَاءِ.

اس کے بعد آپ نے مختلف ممالک میں اسلامی فرقوں میں اختلافات سے نقصانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ترکی اور روس میں علماء کی تنگ نظری اور تعصب نے اسلام کو سخت نقصان پہنچایا اور آج پاکستان میں جو حالات پیدا ہو رہے ہیں، وہ حد درجہ افسوس ناک اور وحدتِ ملی کے لیے

[1] یہ خطاب جمعیت اہلِ حدیث ضلع لاہور کے زیرِ اہتمام ایک تبلیغی کانفرنس میں ہوا تھا، جو ۲۹/ اگست ۱۹۵۹ء کو موضع گھلن ہٹھار میں منعقد ہوئی۔ اسے مولانا عبدالعظیم انصاری (ناظم دفتر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث) نے ترتیب دیا تھا۔ دیکھیں: ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۱/ ستمبر ۱۹۵۹ء)

تباہ کن ہیں۔ مساجد میں اور مساجد سے باہر لاؤڈ سپیکرز پر ایک دوسرے کے خلاف اس قدر اشتعال انگیز اور منافرت آمیز تقریریں ہو رہی ہیں اور فرقہ وارانہ جذبات کو برانگیخت کرنے کے لیے ایسی زہریلی تقریریں ہو رہی ہیں کہ العیاذ باللّٰہ!

آپ نے فرمایا کہ ہماری جماعت کا مقصد یہ ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں صحیح اسلام پیش کیا جائے اور تمام اسلامی فرقوں میں حتی الامکان صلح و آشتی پیدا کی جائے۔

پھر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث کی تنظیم کے سلسلے میں آپ نے ابتدائی حالات بیان فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ تقسیمِ ملک کے بعد جماعت سخت انتشار کا شکار ہوگئی۔ ہمارے بیشتر کتب خانے، مدارس، مساجد ہندوستان میں تباہ و برباد ہو گئے۔ اکثر علمائے کرام شہید ہو گئے اور جو بچ کر پاکستان پہنچے، ان سے اکثر کوٹھیوں، مکانوں اور دُکانوں کی الاٹمنٹ کے چکر میں پھنس گئے۔

ہم نے اس وقت خیال کیا کہ اگر اس وقت جماعت کو سنبھالا نہ دیا گیا تو جماعت کا ہمیشہ کے لیے شیرازہ بکھر جائے گا اور جماعت کا نام لینے والا کوئی بھی نہ رہے گا۔

مَیں نے صدرِ محترم مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی کی خدمت میں عرض کی کہ جماعت کی تنظیم کے لیے کوشش کی جائے۔ اُس وقت حالات یکسر نامساعد تھے۔ عام طور پر اُداسی اور مایوسی چھائی ہوئی تھی، لیکن آپ نے میری گزارشات کو قبول فرمایا اور توکلاً علی اللہ ہم نے جماعت کی تنظیم کا کام شروع کر دیا۔

اس سلسلے میں ہم نے ملک کے طول وعرض میں تمام علمائے کرام کے نام خطوط لکھے اور اکثر علمائے کرام کی خدمت میں ہم خود بھی حاضر ہوئے، مگر افسوس کہ جو علماء اپنے حلقۂ اثر کے لحاظ سے اکابر سمجھے جاتے تھے، ان میں سے اکثر کی طرف سے ہمیں تسلی بخش جواب نہ ملا۔ بالآخر ہم نے خود قدم بڑھایا اور جماعت کی تنظیم کا کام توکلاً علی اللہ شروع کر دیا۔ ہم بعض اکابر کی عدمِ شرکت سے گھبرائے نہیں، اس لیے کہ ہمارا ایمان اللہ تعالیٰ پر مضبوط تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہمارا کوئی ذاتی مفاد اس کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ اللہ کے دین کی خدمت کے لیے ہم جمع ہو رہے ہیں۔ اس کی نصرت ان شاء اللہ ہمارے شامل حال ہوگی، چناں چہ ہم نے بسم اللہ کر کے کام شروع کر دیا۔

بحمد اللہ ہمیں توقع سے زیادہ تھوڑے عرصے میں کامیابی ہوگئی۔ قوم نے لبیک کہا اور ہم بفضلہٖ تعالیٰ

کامرانیوں سے ہمکنار ہوتے چلے گئے۔ خدا کے فضل وکرم سے دس سال کی اَنتھک کوششوں سے جب جماعت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی اور ملک کے طول وعرض میں شہروں اور دیہات وقصبات میں جماعت کی شاخیں قائم ہوگئیں اور جماعت نے ملک میں اپنا بلند مقام حاصل کر لیا اور حکومت وعوام میں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تو چند اصحاب نے دس سال کی معنی خیز خاموشی کے بعد جماعت میں افتراق پیدا کرنے کی تجاویز شروع کر دیں اور صدارت وامارت کا لفظی نزاع کھڑا کر دیا۔

ہم نے انتہائی کوشش کی کہ کسی طرح جماعت اس نزاع میں مبتلا نہ ہو اور جماعت ایک پلیٹ فارم پر جمع رہے۔ ہم نے اپنے خرچ پر لاہور میں ایک کنونشن بلایا اور اس میں کوشش کی کہ تمام جھگڑے ختم کیے جائیں، لیکن مولوی محی الدین صاحب، جنھوں نے قصور کے ایک اجتماع میں کنونشن کے فیصلے کا پابند ہونے کا اعلان کیا تھا، اس سے منحرف ہو گئے اور اس کے فیصلے سے منحرف ہونے کے لیے یہ حیلہ تراشا گیا کہ فیصلہ کثرتِ رائے سے نہیں ہوا۔ ہم نے جماعت کو ذلت اور رسوائی سے بچانے کے لیے یہ منظور کر لیا کہ ایک سب کمیٹی کی تشکیل کر لی جائے جو فریقین میں سمجھوتے کی راہ ہموار کرے۔ اس سب کمیٹی میں میرا نام بھی تھا، مگر بعض اہم مصروفیتوں کی وجہ سے مَیں اس سب کمیٹی کی میٹنگ میں شامل نہ ہو سکا تو فریقِ ثانی نے یہ عذرِ لنگ پیش کر دیا کہ مَیں صلح کے حق میں نہیں ہوں، حالاں کہ اس عذر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب فریقِ ثانی کے نزدیک ووٹوں سے فیصلہ نہیں کرنا تو پھر ہمارے سب کے سب ارا کین کا شریک ہونا ضروری نہیں تھا۔ ہماری طرف سے صدرِ محترم کو کلی اختیارات تھے، وہ جو فیصلہ کرتے ہمیں قبول ہوتا۔

میں اب پھر اعلان کرتا ہوں کہ اگر وہ اس معاملے میں مخلص ہیں تو اب بھی جماعت کے سرکردہ علمائے کرام اور سمجھ دار اصحاب کو بلا کر یہ معاملہ پیش کیا جائے۔ جو فیصلہ ہو، ہم اسے منظور کریں گے۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک ملک میں جب مسلمانوں کا ایک مسلمان حاکم اور والی ہو تو اس کی موجودگی میں ایک اور امارتی نظام قائم کرنے کا کیا مقصد ہے اور ایسی محکوم اور بے اختیار امارت کا کیا فائدہ ہے؟

آپ نے عباسی، اموی اور ترکی دَور کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت کے بادشاہ اچھے تھے یا بُرے، لیکن امت نے ان کے ہوتے ہوئے کبھی ایسا اِقدام نہیں کیا کہ اس ملک

میں ایک الگ امارت قائم کر لی جائے۔ البتہ اہلِ علم نے تنقید یا تائید کا فرض ہمیشہ ادا فرمایا۔

ان حکومتوں کے عہد میں اہلِ حدیث علماء اور محدثینِ کرام کو بڑی بڑی تکلیفیں دینِ برحق کی راہ میں سلاطین اور خلفاء کی طرف سے دی گئیں، لیکن کبھی انھوں نے ایک مسلم حکمران یا حکومت کے اندر کوئی دوسرا نظامِ امارت قائم نہیں کیا۔ اسلام کی پوری تاریخ اس پر شاہد ہے اور تمام ائمۂ اہلِ سنت کا اس پر اتفاق ہے۔ اس لیے یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جس ملک میں مسلمان حکمران ہوں، وہ عادل ہوں یا ظالم، متبع سنت ہوں یا مبتدع، اس ملک میں کوئی دوسرا نظامِ امارت قائم نہیں ہوسکتا۔

ہندوستان میں جب مغل حکومت کا آخری دور تھا اور انگریزوں کی آمد آمد تھی، اس وقت تبلیغ دین اور احیائے اسلام کے فریضے کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے ادا فرمایا۔ آپ نے انگریزوں کے علم و فلسفے کے مقابلے میں اسلامی علم و فلسفہ پیش کیا اور آپ کے خاندان سے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے جب دیکھا کہ ہندوستان میں اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو آپ نے دہلی سے چل کر دور دراز کا سفر اختیار کیا اور آزاد علاقے کو اپنا مستقر قرار دیا۔ وہاں امارت قائم کی، جو صحیح شرعی امارت تھی۔ اس جماعت نے اسلام کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی اور انگریز کو سو سال تک مضطرب اور بے قرار رکھا۔

اسلام میں محکوم امارت اور بے اختیار امامت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں غیر مسلم حکومت کے خلاف بغاوت اور مسلم حکومت کے ساتھ معروف میں اطاعت کے سوا کوئی تیسری راہ نہیں۔

وہ کیا امیر ہے جو اپنے ملک کی سرحدوں کی حفاظت نہ کر سکے! کتاب و سنت کا قانون نافذ نہ کر سکے! حدودِ شرعیہ جاری نہ کر سکے!

آپ بتا سکتے ہیں کہ مولانا محی الدین صاحب باوجود اپنی ظاہری نیکی، شرافت اور تقوے کے یہ کام سرانجام دے سکتے ہیں؟ وہ بیعتِ توبہ لیں، جیسا کہ ان کے بزرگ بیعتِ توبہ لیتے تھے، تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن ان کا بیعتِ امارت لینا شرعی نقطہ نگاہ سے قطعاً جائز نہیں، بلکہ جیسا کہ کہہ چکا ہوں، امت کے اجماع کے خلاف ہے، کیوں کہ اس ملک میں مسلمان حکمران ہیں، وہ کیسے بھی ہوں، اس ملک میں دوسرا نظامِ امارت قائم کرنا جائز نہیں ہے۔

جب جماعت کی تنظیم کے سلسلے میں ہماری شبانہ روز سرگرمیاں جاری تھیں، مولانا محی الدین صاحب جماعتِ اسلامی کے مداح، ان کے موید اور ان کے جلسوں کی رونق بنے ہوئے تھے اور جماعتِ اسلامی

والے ہماری تنظیم کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ ان دنوں مولانا محی الدین صاحب جماعتِ اسلامی کے محاذ کو مضبوط بنانے اور جماعت اہلِ حدیث کو کمزور کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''اہلِ حدیث کہلانا بدعت ہے۔''

مگر قدرت کی نیرنگی دیکھیے کہ اب وہ جماعت اہلِ حدیث کے امیر کہلا رہے ہیں۔ مگر ان کی سرگرمیوں کا اس وقت جو ماحصل تھا، آج بھی وہی ہے کہ جماعت اہلِ حدیث منظّم نہ ہو سکے اور وہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر کمزور ہو جائے، پھر وہ دوسروں کے لیے لقمہ تر بن جائے۔

آپ انصاف سے کہیے کہ اس ملک میں صدر محمد ایوب خاں کی حکومت ہے اور اس کی حکومت کے ارکان بحمد اللہ سب مسلمان ہیں اور اس کی حکومت نے کئی اچھے کام بھی کیے ہیں۔ اس کی موجودگی میں ایک اور امارت کھڑی کرنا شرعاً کہاں تک درست ہے؟

جب ان لوگوں سے مسئلے کی اس نوعیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کے سوا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا کہ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ اور صاف لفظوں میں کہتے ہیں کہ ہم اگرچہ شرعی امارت اس وقت تک قائم نہیں کر سکتے، لیکن آہستہ آہستہ ہم اس ملک میں شرعی امارت قائم کر لیں گے۔ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اس ملک میں شرعی امارت قائم کرنے کے لیے خفیہ تحریک چلائیں گے اور دیہات کے بھولے بھالے مسلمانوں کو کئی قسم کے مغالطوں میں مبتلا رکھیں گے؟ میرے نزدیک یہ قطعاً ناجائز ہے اور جماعت کے لیے تباہ کن۔

مَیں ان سے کہوں گا کہ خدا کے لیے اپنے آپ پر رحم کرو اور ملک پر اور جماعت پر بھی رحم کرو اور اس باطل خیال سے باز آ جاؤ۔

افرادِ جماعت کی ذمے داریاں[1]

ہمارے سامنے ملک میں دو قسم کی جماعتیں ہیں: دینی اور لادینی۔ لادینی جماعتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا راستہ ان سے قطعی الگ ہے۔ دینی جماعتوں سے جماعتِ اسلامی اسلام کی ہمہ گیری کا دعویٰ کرتی ہے اور اس ملک میں اسلامی دستور کے لیے جدوجہد بھی کر رہی ہے، لیکن کیا جماعتِ اسلامی ان ذمے داریوں کو ادا کر سکتی ہے جن کے لیے ہمارے اسلاف نے عظیم قربانیاں دیں؟ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ جو کام ہم نے کیا اور کر رہے ہیں، وہ کوئی دوسری جماعت سرانجام نہیں دے رہی۔ ہم نے اسلامی دستور کے معاملے میں جماعتِ اسلامی سے پورا تعاون کیا، لیکن مَیں محسوس کرتا ہوں کہ ہماری ذمے داریاں کچھ ایسی بھی ہیں جہاں جماعتِ اسلامی خاموش ہو جاتی ہے اور ان مسائل کو فروعی کہتے ہوئے اپنی عوامیت کو محفوظ رکھنا چاہتی ہے، لیکن ہم ان مسائل کو کسی مصلحت کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتے، کیوں کہ ہمارے نزدیک وہ مسائل فروعی نہیں، بلکہ اصولی اور بنیادی ہیں۔ بعض مسائل توحید و شرک اور بعض سنت و بدعت کے ذیل میں آتے ہیں اور ہمارے اسلاف نے ان کی خاطر مصائب جھیلے اور قربانیاں دی ہیں۔

اگرچہ اس وقت بھی ہمارے بیسیوں مدارس موجود ہیں اور ہماری جماعت ان پر لاکھوں روپیہ صَرف کر رہی ہے، تاہم یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ مدارس آج ہمارے لیے قطعی ناکافی ہیں۔ یہ جماعت کی علمی تشنگی کو پورا کرنے، جید علماء کا قحط دور کرنے اور زمانۂ حاضر کے مسائل سے باخبر علماء تیار کرنے سے قاصر ہیں۔

ہم مرکزی دار العلوم سے ایسے جامع علماء تیار کرنا چاہتے ہیں جو اسلامی علوم کے ساتھ عصرِ حاضر کے مسائل سے باخبر ہوں اور زمانۂ حاضر کے الحاد کے مقابلے کی پوری اہلیت رکھتے ہوں اور

[1] یہ خطاب تاندلیانوالہ میں ۱۶ر فروری ۱۹۵۵ء کو جماعتی احباب کی ایک مشترکہ میٹنگ میں ہوا تھا۔ دیکھیں: ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۱ر فروری ۱۹۵۵ء)

تعلیمی، تدریسی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات باحسن وجوہ سرانجام دیں۔

آج نہ صرف وہ تمام گمراہیاں موجود ہیں جن کے خلاف ہمارے اسلاف نے جہاد کیا، بلکہ عصرِ حاضر کا الحاد اس پر مستزاد ہے۔ آج بھی ہمارے مخالف پوری قوت سے ہمیں ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آج بھی شرک و بدعت پورے زور پر ہے تو ہم کیوں نہ اپنی زندگی کا ثبوت دیں اور کفر، شرک، بدعت اور الحاد کے مقابلے میں کیوں نہ میدان میں آئیں اور کیوں نہ اس راہ میں تَن مَن دَھن کی بازی لگا دیں؟

ہم نے تعاون علی البر کے اصول پر ہر جماعت سے تعاون کیا ہے اور کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے، لیکن ہم اپنی جماعت، اپنی تنظیم اور اپنے مسلک کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے۔

اتحاد بین المسلمین

جمعیت اہلِ حدیث قصور کی طرف سے ۳۱ر مئی کو بعد از نمازِ عشاء ایک عظیم الشان تبلیغی جلسہ زیرِ صدارت چودھری محمد اسلام صاحب سلیمی (بی۔اے، ایل۔ایل۔بی صدر انجمن اہلِ حدیث) ہوا، جس میں حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب (ناظمِ اعلیٰ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث) اور مولانا محمد ابراہیم صاحب خادم نے شرکت فرمائی۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب عزیز (صدر جمعیت اہلِ حدیث ضلع لاہور) کی تلاوتِ قرآن پاک اور مولانا محمد ابراہیم صاحب خادم کی نظم کے بعد مولانا محمد اسماعیل صاحب نے تقریر شروع کی۔ مجمع بہت تھا۔

حضرت مولانا نے اتحاد المسلمین کے موضوع پر سوا گھنٹا نہایت موثر اور دلکش انداز میں اسلافِ امت اور ائمہ دین کا بعض مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کو عزت و احترام سے ملنا اور اتفاق و اتحاد سے رہنا بیان فرمایا اور اختلاف کے ہوتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا ثابت کیا۔ جو افتراق وتشتت مسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے، اس کی مذمت کی اور حکومت کو توجہ دلائی کہ جو لوگ فتنہ وفساد برپا کرنے والی تقریریں کرتے پھرتے ہیں، ان کو اسلام کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں اور علم کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ پیشہ ور اور بزنس مین ہیں، جو عوام کو خوش کرنے کے لیے اپنے مخالف مسلک کو گالیاں اور طعنے دیتے ہیں۔ اس کا سدِ باب ہونا چاہیے۔

جماعتِ اہلِ حدیث کی حقانیت اور اس کی دینی خدمات پر مخالفین کی طرف سے بہتان طرازیوں اور افتراء پردازیوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ حق و باطل کی ہمیشہ آویزش رہی ہے۔ اس لیے گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ایک رقعہ کہ نانی کا نکاح پوتے سے اہلِ حدیث کے نزدیک جائز ہے اور آنحضرت ﷺ کو بڑے بھائی جیسا سمجھتے ہیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: کسی اہلِ حدیث عالم کا فتویٰ نانی کے نکاح کے متعلق نہیں ہے۔ یہ بہتان ہے۔ بڑے بھائی کے متعلق آپ نے فرمایا: قرآن مجید کی رو سے تمام مومن بھائی ہیں اور چوں کہ انبیائے کرام افضل المومنین

ہیں، اس لیے وہ امت کے اس معنی کے لحاظ سے بھائی ہیں۔ ہاں اگر کوئی آدمی عام بھائیوں کی طرح بھائی سمجھے تو وہ بے ادب، گستاخ اور بے ایمان ہے۔

آخر میں آپ نے عوام سے فرمایا کہ آپ ان فتنہ پرور اور پیشہ ور مولویوں کے وعظوں سے متاثر نہ ہوں جو محض اپنی دکانداری کے لیے عامۃ المسلمین میں نفاق اور عداوت کا بیج بو رہے ہیں۔ جس مسئلے میں شک ہو، قرآن وسنت کی روشنی میں اس کا حل سوچیے۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۵/جون ۱۹۵۹ء) ترتیب: مولانا عبدالعظیم انصاری۔

ساتویں سالانہ کانفرنس میں تقریر

جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ مولانا محمد اسماعیل صاحب نے ۳/ نومبر کو رات کے اجلاس میں ''حدیث و محدثین'' یعنی ''مقامِ حدیث اور خدماتِ محدثین'' کے عنوان پر مدلل تقریر کی۔ مولانا نے یہ واضح فرمایا کہ شریعتِ اسلامی میں حدیث کا کیا مقام ہے اور اس کی جمع و تدوین میں محدثینِ کرام نے کیا خدمات انجام دیں۔ آپ نے اس سلسلے میں منکرینِ حدیث کے دلائل کا بھی جائزہ لیا اور ان کو تاریخی اور شرعی اعتبار سے غلط اور ناقابلِ فہم قرار دیا۔

آپ نے کہا: یہ بات قطعی طور سے غیر علمی اور واقعات و حقائق سے دور ہے کہ احادیثِ رسول ﷺ کی جمع و تدوین کا کام تیسری صدی ہجری میں ہوا اور اس سے پہلے پورے دو سو سال تک صحابہ کرام، تابعین اور ائمۂ سلف نے اس طرف توجہ ہی مبذول نہیں کی۔

آپ نے کہا: یہ بات علم کی نفسیات کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ ہر علم کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ مختلف مراحل سے گزرتا اور مختلف منازل طے کرتا ہے۔ اس کی ابتدائی شکل اس کی آخری اور مکمل صورت سے بالکل دوسری نوعیت کی ہوتی ہے، مثلاً سائنس اپنے ابتدائی دور میں کچھ اور تھی اور آج کچھ اور ہے۔ آج کا فلسفہ اپنے آغاز سے متعدد امور میں مختلف ہے۔ سیاسیات اپنے ابتدائی دور میں کچھ اور قسم کی تھی، آج اس کی ترقی کی تگ و تاز کچھ دوسرے ہی نہج و اسلوب کی حامل ہے۔

آج کا طالب علم جب ان علوم کی پرانی کتابیں پڑھے گا تو کیا یہ کہہ سکے گا کہ یہ کتابیں فلسفہ یا سائنس یا سیاسیات کی نہیں ہیں؟ وہ نہ اس کی ابتدائی منازل سے انکار کر سکے گا اور نہ اس کی تکذیب کے درپے ہوگا، بلکہ ترقیِ علم کے لیے سب سے استفادہ کرے گا۔

اسی طرح احادیثِ رسول اللہ ﷺ کا معاملہ ہے۔ ان کی جمع و تدوین کا مسئلہ اُپنے ابتدائی دور سے گزر کر انتہائی اور ارتقائی مراحل میں پہنچا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں احادیث غیر مرتب

نوٹس کی صورت میں معرضِ تحریر میں آچکی تھیں اور بعض صحابہ نے انھیں جمع کرنے کا فرض انجام دیا تھا، مثلاً: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی ان کوششوں کا تاریخِ اسلامی واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مقدسہ ہی میں تدریسِ حدیث کے حلقے کسی نہ کسی شکل میں قائم ہو چکے تھے اور مختلف لوگ پیش آمدہ مسائل کی تحقیق کے لیے ان حضرات کے پاس پہنچتے تھے، جن کے بارے میں انھیں معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ علمِ حدیث اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات کا زیادہ عالم اور سمجھنے والا ہے۔ یہ سلسلہ عصرِ صحابہ میں بھی جاری رہا اور دور دراز کے مقامات سے سفر کر کے لوگوں نے ایک دوسرے سے احادیث حاصل کیں۔ پھر پہلی صدی ہجری میں محدثینِ کرام موجود تھے اور یہ احادیث کا درس دیتے اور احادیث لکھواتے تھے۔

دوسری صدی ہجری میں اس کوشش نے اور ترقی کی اور دنیا کے مختلف گوشوں سے شائقینِ علمِ حدیث نے اس کے حصول اور جمع و تدوین کا ایک وسیع سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں اس فن نے ترقی کی مزید منزلیں طے کیں۔ یعنی فنِ رجال کا علم دریافت ہوا اور محدثین نے اس میں اتنا کمال اور درک حاصل کیا کہ آج اس کو مسلمانوں کا ایک عظیم اور لافانی کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی روشنی میں ہم آج بھی نہایت آسانی کے ساتھ احادیث کے بارے میں یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ تمام تر ذخیرۂ احادیث سے کون سی حدیث کس نوعیت کی ہے اور کس طبقے کے راوی نے اسے کب اور کس سے روایت کیا ہے اور اس کے حالات کیا ہیں؟

مولانا نے کہا: حدیث کی جمع و تدوین کا پہلا مدرسہ مسجدِ نبوی تھا اور وہیں سے آنحضرت ﷺ کی حیاتِ مقدسہ میں یہ مبارک سلسلہ شروع ہوا۔ اسے عجمی سازش کہنا لاعلمی اور جہالت کی دلیل ہے اور واقعات و حقائق سے قطعی دور![1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۹ر نومبر ۱۹۶۲ء)

جامعہ سلفیہ کا افتتاح

[۲۱/ جون ۱۹۵۶ء بروز جمعرات تقویۃ الاسلام ہال میں ''جامعہ سلفیہ'' کے درجۂ تکمیل کا افتتاح ہوا، جس میں جامعہ کے طلبہ، اساتذہ، دار العلوم تقویۃ الاسلام کے طلبہ، اساتذہ، مرکزی جمعیت کے دفاتر کا تمام عملہ اور لاہور شہر کے معززینِ جماعت نے شرکت فرمائی۔ اس مبارک تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآنِ مجید سے ہوا۔ مدرسہ تقویۃ الاسلام کے شعبہ تجوید القرآن کے استاذ قاری غلام محی الدین صاحب اوران کے شاگردوں نے تلاوتِ قرآنِ مجید کی۔اس کے بعد مولانا سید محمد داود صاحب غزنوی رحمہ اللہ (صدر مرکزی جمعیت اہلِ حدیث، مغربی پاکستان) اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے افتتاحی تقریر فرمائی۔
ذیل میں مولانا سلفی رحمہ اللہ کی تقریر نقل کی جا رہی ہے جو مولانا ابراہیم کمیرپوری نے مرتب کی تھی]

ہندوستان میں تحریکِ اہلِ حدیث دینی اور اعتقادی حیثیت میں اگرچہ پہلے بھی موجود تھی، لیکن یہ تحریک تعلیمی حیثیت سے حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کی کوششوں کی مرہونِ منت ہے۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اخلاص اور اپنی قوتِ قدسی سے اس میدان میں وہ کام کر دکھایا کہ آج بڑی سے بڑی جماعت بھی وہ کام نہیں کر سکتی۔ حضرت میاں صاحب کا درس کیا تھا، ایک بحرِ بے پایاں کہ عرب وعجم سے تشنگانِ علومِ نبویہ آ رہے ہیں اور نہ صرف یہ کہ اپنی پیاس بجھاتے، بلکہ اپنے اپنے ظرف کے مطابق یہ آبِ حیات بھر لے جاتے۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تمام تر زندگی صبح سے شام تک علومِ نبویہ کی تدریس میں صَرف کر دی۔ ان کے بعد انہیں کے فیض یافتہ حضرات غزنویہ اور حافظ عبدالمنان صاحب رحمہ اللہ نے اس کام کو جس خلوص اور جانفشانی سے سرانجام دیا، آج جو کچھ ہے انہیں کے باقیات الصالحات میں سے ہے۔

آج ہم ہر کام میں مادیات پر سہارا کرتے ہیں، لیکن ہمارے اسلام کا سرمایہ مادیات سے کہیں زیادہ روحانیت اور اخلاص پر تھا، اور اسی دولت پر ان کا سہارا تھا اور یہی ان کی کامیابی کا اصل سبب تھا۔ ہم بھی اگر اپنے نیک مقاصد میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو مادی وسائل سے کہیں زیادہ اپنے

دلوں کو اِخلاص کے زیور سے آراستہ کرنا چاہیے۔

علومِ عالیہ (قرآن وحدیث) کی تعلیم کے ساتھ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ان پر عمل بھی کیا جائے۔ یہ علوم ہمارے دین کی اصل اساس اور عمل کے لیے صحیح معیار ہیں۔ لیکن علومِ آلیہ (منطق اور فلسفہ وغیرہ) محقق ہتھیار ہیں۔ ان علوم کو آپ دین کی حمایت اور مخالفت دونوں جگہ صَرف کر سکتے ہیں۔ تاریخ ہماری راہنمائی کرتی ہے کہ فلاسفۂ یونان کے شیدائیوں نے ان علوم کو دین اور دین کے بنیادی عقائد کے خلاف استعمال کیا، لیکن ائمۂ اہلِ سنت نے انھی علوم سے ان اعتراضات کا رد کیا اور اسلامی عقائد کا اِثبات فرمایا۔

اس لیے میں عزیز طلبہ سے عرض کروں گا کہ قرآن وحدیث کو عمل کی نیت سے پڑھیے اور دیگر علومِ آلیہ کو اس نیت سے پڑھیے کہ آپ ان سے قرآن و حدیث کی حمایت کا کام لے سکیں اور ان علوم کے شیدائی ملاحدہ اور زنادقہ کے سامنے انہیں کی زبان میں اسلام کی حقانیت ثابت کر سکیں۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۲۹/ جون ۱۹۵۶ء)

جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے قیام کے بعد مدارس کا اِلحاق و اِدغام[1]

جماعت کا نظم تقریباً پچاس برس سے انتشار اور پراگندگی میں مبتلا تھا۔ کوئی ہمارا جماعتی نظام صحیح طور پر نہ تھا۔ لامرکزیت نے ہماری جماعت کو دوسروں کا لقمہ بنا رکھا تھا۔ جماعتی نظام نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے کارکن دوسری جماعتوں میں شریک ہو کر اپنے مسلک کو بھی خیر باد کہہ رہے تھے۔ ہماری جماعت کا سرمایہ، ہماری جماعت کے کارکن اور ہماری جماعت کے علماء دوسری جماعتوں کی آبادی اور ترقی کے باعث بن رہے تھے اور اپنی جماعت کس مپرسی کے عالم میں تھی۔

مَیں نے اور چند مخلص دوستوں نے اس صورتِ حال کا جائزہ لیا اور مولانا سید داود صاحب غزنوی سے درخواست کی کہ آپ اپنی دوسری مصروفیات کو ختم کر کے یا کم کر کے جماعتی نظام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ اگرچہ ہم سب کا یہ فرض ہے، لیکن ہم نے مولانا صاحب سے عرض کی کہ آپ کے خاندان کے بزرگوں نے مسلک اہلِ حدیث کی حفاظت و اشاعت کے لیے جو خدمات سرانجام دی ہیں، وہ سب سے وقیع اور ہمہ گیر ہیں۔ اس لیے آپ سے خاص طور پر ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ اس مسلک کی حفاظت اور تبلیغ اور جماعت اہلِ حدیث کی تنظیم کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں اور جماعتوں کے نظم ونسق کے متعلق جو تجربہ آپ کو حاصل ہے، اب اسے اپنی جماعت کی تنظیم کے لیے استعمال کریں۔

[1] جب فیصل آباد میں جامعہ سلفیہ کا قیام عمل میں آیا تو فیصل آباد شہر اور گرد ونواح کے مدارس نے اپنے طلبہ اور کتب خانے جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے سپرد کر دیے، تاکہ ایک مرکزی جامعہ کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکے۔ اس سلسلے میں فیصل آباد میں مولانا عبداللہ ویرو والوی سے بھی استدعا کی گئی کہ وہ بھی اپنے مدرسے ''دار القرآن والحدیث'' کا ادغام جامعہ سلفیہ میں کر دیں، لیکن وہ آمادہ نہ ہوئے تو جماعت کے مرکزی قائدین مولانا داود غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی موقعے پر حضرت سلفی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا تقریر فرمائی۔ لیکن یہ مذاکرات کامیاب نہ ہو سکے اور وہ مدرسہ علاحدہ ہی کام کرتا رہا۔ دیکھیں: ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۳؍ جولائی ۱۹۵۶ء)

مولانا صاحب نے جماعت کے انتشار اور پراگندگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ صورتِ حال کوئی زیادہ اُمید افزا نہیں۔ علماء نے اپنے اپنے حلقے بنا رکھے ہیں۔ ان سے یہ توقع کرنا بے حد مشکل ہے کہ وہ ان حلقوں کو توڑ کر ایک مرکزی نظام کے تحت آ جائیں، مگر ان تمام مشکلات کے باوجود ہم سب نے مل کر جماعتی نظام قائم کرنے اور اس کو مستحکم بنانے کا خداوند تعالیٰ کے توکل پر فیصلہ کر دیا۔ آج خدا کے فضل و کرم سے ہماری جماعت کی تنظیمی حالت ایسی ہے کہ آج سے ایک سو برس پیشتر بھی یہ حالت نہ تھی۔ آج بحمد اللہ ہمارا ایک مرکزی نظام ہے اور اس کی شاخیں تمام ملک میں قائم ہیں۔ وہ جماعت جسے دوسری جماعتیں اپنے لیے لقمۂ تر سمجھتی تھیں، اب اس سے مایوس ہوگئی ہیں کہ وہ جماعت اہلِ حدیث کو اپنے میں مدغم کر سکیں گی، بلکہ آج وہ مجبور ہیں کہ جماعت اہلِ حدیث کو ایک زندہ جماعت سمجھیں اور اس کے تعاون کے حاصل کرنے کو اپنے لیے باعثِ عزت سمجھیں، نہ صرف پاکستان، بلکہ انڈیا کی جماعت اہلِ حدیث بھی ہمارے جماعتی نظام کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتی ہے۔ ان کے اخبارات ہمارے جماعتی نظام کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

جامعہ سلفیہ:

اس کے بعد ناظمِ اعلیٰ صاحب نے جامعہ سلفیہ کے فیصلے کی مختصر تاریخ بیان فرمائی اور بتایا کہ ہمارے مدارس کے ناقص نصابِ تعلیم اور جماعت بندی کے فقدان نے طلبہ کے تعلیمی معیار کو اس بری طرح گرا دیا ہے کہ اچھے مستعد طلبہ کا ملنا بے حد دشوار ہو گیا ہے۔ جب ہم نے جامعہ سلفیہ کے درجۂ تکمیل کے لیے طلبہ سے درخواستیں طلب کیں اور ان سے انٹرویو میں معمولی سوالات کیے تو ان کی اکثریت ان کے جوابات بھی صحیح طور پر نہ دے سکی۔ وہ سب اپنے اپنے مدرسے کے فارغ التحصیل طالب علم تھے، لیکن ان کی حالت یہ تھی کہ صحاحِ ستہ تو پڑھا ہے، لیکن اصولِ فقہ میں اصول الشاشی تک نہیں پڑھی، منطق میں مرقاۃ تک نہیں پڑھی۔ ویسے وہ فارغ التحصیل ہیں، لیکن اُردو کے ایک معمولی جملے کا عربی میں ترجمہ نہیں کر سکے۔

صرف تین طالب علم درجۂ تکمیل میں لے سکے۔ کئی درخواستیں بالکل مسترد کر دی گئیں اور نو طالب علم اس شرط پر رکھے گئے کہ ایک سال وہ درجۂ خاص (سپیشل کلاس) میں تعلیم حاصل کریں اور جن علوم میں کمی ہے اس کو پورا کریں، تاکہ یہ آیندہ سال درجۂ تکمیل میں داخل ہوسکیں۔

ثانوی مدرسہ:

اپنے مدارس کی ناقص تعلیم کو دیکھتے ہوئے ہم مجبور ہو گئے کہ ہم ثانوی تعلیم کے لیے ایک ایسی درس گاہ جامعہ سلفیہ کے نظام کے ماتحت قائم کریں جہاں طلبہ کی ابتدائی اور ثانوی تعلیم کا ایسا انتظام کیا جائے کہ طلبہ میں اچھی استعداد پیدا ہو اور وہ اس مدرسے سے فارغ ہو کر جامعہ سلفیہ کے درجۂ اعلیٰ میں شامل ہونے کی صلاحیت رکھیں۔

اس مقصد کے لیے لائل پور میں ہم نے جامعہ سلفیہ کے نظام کے تحت ثانوی مدرسہ قائم کیا ہے۔ افسوس! جن حضرات سے ہمیں توقع تھی کہ وہ جماعتی نظام کے ساتھ تعاون کریں گے، وہی جماعتی نظام کے مقابل صف آرا ہو رہے ہیں۔

مولانا عبداللہ صاحب (ویرو والی) کے متعلق ہم یہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے کہ وہ اس قسم کا رویہ اختیار کریں گے! بہر حال ہم آج اسی مقصد کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔ ہم پوری کوشش کریں گے کہ لائل پور میں اپنی جماعت کے دو مدرسے نہ ہوں۔

یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ اختلاف کسی عقیدے کے اختلاف کی وجہ سے نہیں، کسی مسئلے کے اختلاف کی وجہ سے نہیں۔ ہماری جماعت میں تفسیرِ قرآن کے سلسلے میں جو اختلاف تھا، وہ آج ہماری جماعت، یعنی مرکزی جمعیت میں اس قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔

بحمد اللہ ہم سب سلفی العقیدہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کسی اصول یا عقیدے کی بنا پر یہ اختلاف نہیں تو سوائے اس کے کہ ہم کہیں کہ یہ اختلاف ذاتی اغراض پر مبنی ہے اور کیا ہو سکتا ہے؟ مَیں اپنے رفقاء سے عرض کروں گا کہ وہ جماعتی مفاد کے لیے ہر ممکن ایثار سے کام لیں۔

جامعہ سلفیہ فیصل آباد انڈونیشی سفیر کی آمد پر تقریر

مغل دورِ حکومت سے لے کر آج تک تعلیم پر کیا کیا انقلاب آئے، اہلِ حدیث نے علمی خدمت اور علومِ دین کی اشاعت میں کہاں تک حصہ لیا اور آج قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ سلفیہ کی علاحدہ تاسیس کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

معلوم ہے کہ مسلمان فاتحین نے ہندوستان پر دو طرف سے حملہ کیا۔ پہلا حملہ عرب فاتحین نے ۹۲ھ میں کیا۔ اس وقت ولید بن عبدالملک بن مروان تختِ خلافت کی زینت تھے اور ان کی نیابت عراق کی سرحدوں پر حجاج بن یوسف ثقفی کر رہے تھے۔ حملہ نوجوان فاتح محمد بن قاسم کی قیادت میں ہوا۔ اس وقت عرب دنیا میں آج کے مروجہ مذاہبِ اربعہ کا ذکر تک بھی نہ تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی عمر اس وقت قریباً دس یا بارہ سال کی ہوگی۔ یہ لشکر مسلک کے لحاظ سے وہی کچھ تھا جس کی دعوت آج اہلِ حدیث دے رہے ہیں۔ یعنی مجتہد ہو یا غیر مجتہد، اپنی بساط کے مطابق قرآن اور سنت پر غور کرے اور اگر معاملہ سمجھ میں نہ آئے تو بلا تعیین کسی عالم کی طرف توجہ کرے۔ بالفاظِ دیگر یہ بزرگ مسلکاً اہلِ حدیث تھے اور اسی نوعیت کی دعوتِ اسلام لے کر یہ مقدس لشکر ہند کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔

ان کی یادگار آج سندھ میں وہ قیمتی کتب خانے ہیں جن میں حدیث اور رجال کے ہزاروں مخطوطات اس وقت موجود ہیں۔ ہماری جماعت کے قابلِ احترام بزرگ پیر سید بدیع الدین آف پیر جھنڈا تشریف فرما ہیں، ان کے پاس مخطوطات کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو بعض لحاظ سے یورپ کے مکاتب پر بھی فضیلت رکھتا ہے۔ لیکن یہ عرب فاتحین مرکزی خلفشار کی وجہ سے جلد ہی واپس چلے گئے اور اپنے اَخلاق کا دیرپا اثر نہ ڈال سکے۔

فاتحین کا دوسرا گروہ افغانستان کی طرف سے آیا۔ یہ حضرات مسلکاً حنفی تھے۔ یہ حضرات ہندوستان میں آ کر استقلال کے ساتھ مقیم ہو گئے۔ گو فارس اور ایران وغیرہ ممالک میں پہلے ائمۂ حدیث کا طوطی

بولتا رہا، پھر ان کی جگہ شوافع نے لے لی۔ لیکن آگے آنے والے لوگ چوں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہیات کو مانتے تھے، اس لیے اطرافِ ہند پر احناف بتدریج چھا گئے۔ ان کے ساتھ جو اہلِ علم آئے، وہ بھی مسلکاً حنفی تھے۔ اس لیے یہاں اسلام کی ترجمانی اور تبلیغ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مکتبِ فکر کے مطابق کی گئی۔

آج سے قریباً ڈیڑھ صدی قبل تک اس ملک میں فقہ حنفی کے خلاف کوئی موثر آواز نہ تھی۔ مغل تاجداروں میں اکبر اور دارا شکوہ جیسے ملحد اور بے دین بھی تھے۔ تاہم اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ نے اسلام کی آخری خدمت اپنے ماحول کے مطابق اس طرح کی کہ علماء کی ایک مقتدر جماعت کی نگرانی میں ایک کتاب تالیف کرائی جس میں اسلامی قانون کی ترجمانی فقہ العراق کے لب و لہجے میں کی گئی تھی۔ یہ کتاب فقہ حنفی کی جامع اور سنجیدہ ترجمانی ہے اور اس کے سوا اس وقت کوئی دوسری چیز ممکن بھی نہ تھی، کیوں کہ اس وقت ملک میں کوئی دوسرا مسلک تھا ہی نہیں۔ اس کتاب کی ترتیب اور تدوین میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ بھی شامل تھے۔ اس کا نام فتاویٰ عالمگیری ہے۔

اسلامی قانون کی آخری کتاب:

فتاویٰ عالمگیری حکومت کی سطح پر آخری کتاب ہے جس میں اسلام کی تعبیر حنفی نقطۂ نظر سے کی گئی ہے۔ گو اس وقت قرآن وسنت کو شرعی حجت سمجھا جاتا تھا، لیکن اس کی تعبیر وہی صحیح تصور ہوتی تھی جو فقہ العراق کی روشنی میں کی گئی ہو۔ اس وقت عمومی ذہن یہ پیدا ہو چکا تھا کہ چوں کہ اسلام اور فقہ حنفی دونوں معروف ہیں، اس لیے اس میں زیادہ زور فقہ حنفی اور اصولِ فقہ پر دیا جانا چاہیے۔ براہِ راست قرآن اور سنت پر غور ضروری نہیں۔ دینی اکابر ائمہ کی تعبیر اعتماد کے لیے کافی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ فقہی جمود اور عصبیت کی صورت میں ظاہر ہوا اور ایسا ہونا ان اسباب و دواعی کا لازمی انجام تھا۔

ایک حساس شخصیت:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی حساس شخصیت نے آنے والے خطرات کو بھانپا۔ اکبر اور دارا شکوہ کی لادینی فتنہ انگیزیاں ان کی نظر میں تھیں۔ مغربی طاقتوں کی بڑھتی ہوئی عقابی نگاہوں کی فتنہ سامانیاں

شاہ صاحب کے دور بین دماغ پر پوری طرح اثر انداز ہو رہی تھیں۔ اسلام کے خلاف مسیحیت کے شبہات حضرت سے پوشیدہ نہ تھے اور ملک میں شیعہ سنی اختلاف کی خلیج بھی ذہن میں تھی۔ اس کا علاج قرآن وسنت کی براہِ راست تعلیم کے سوا کچھ نہ تھا۔ فقہی نظریات اور فقہاء کی فرعی موشگافیاں ان بیماریوں کا علاج کسی صورت بھی نہیں ہو سکتی تھیں۔ شاہ صاحب اپنے والد کی پرانی مسندِ درس چھوڑ کر سفرِ حج کے لیے ۱۱۴۳ھ میں حجاز تشریف لے گئے اور حجاز کے مشہور مہاجر ابو طاہر کردی (۱۱۴۵ھ) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فنونِ حدیث کا استفادہ فرمایا اور واپس آ کر مسندِ تدریس کو زینت بخشی۔

شاہ صاحب نے اندازِ تعلیم بدل دیا۔ قرآنِ عزیز کا فارسی ترجمہ لکھا۔ فارسی اس وقت ملک کی علمی زبان تھی۔ اس کے خلاف اس وقت علماء نے کافی ہنگامہ بپا کیا۔ لادینی شبہات کے خلاف "حجة الله البالغه" لکھی۔ اندرونی جھگڑوں کے متعلق "إزالة الخفاء" لکھی۔ موطا پر عربی اور فارسی میں دو شرحیں لکھیں۔ مختلف فیہ مسائل میں شوافع کے معمولات کو عموماً ترجیح دی۔ فقہ اور اصولِ فقہ پر سنجیدہ اور معقول تنقید فرمائی۔ مذاہبِ اربعہ کی فقہوں کا تذکرہ مآخذ کی روشنی میں فرمایا۔ شاہ صاحب کے ہونہار بیٹوں نے کافی حد تک شاہ صاحب کا تتبع فرمایا۔ سابقہ جمود توڑ دیا۔ فقہ کے ساتھ حدیث اور قرآن کا بھی درس دیا۔ اسی قسم کی تعلیم جماعتِ اہلِ حدیث کا مطمحِ نظر ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ کوشش کامیاب ہے۔ اب تمام مکاتبِ فکر نے اپنا پروگرام بدل دیا اور تمام مدارس میں، گو اپنے مقصد کے مطابق ہو، قرآنِ عزیز اور صحاح پڑھائی جاتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلے۔ فقہی اور تعلیمی جمود کو توڑتے رہے۔ وقت کے تقاضوں کے مطابق اس پروگرام کی تکمیل ہوتی رہی۔

شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کا مقامِ عزیمت:

حضرت شاہ اسماعیل شہید دہلوی رحمہ اللہ اپنے دادا اور والد کے سچے جانشین تھے۔ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پروگرام کی تکمیل میں اپنی جان تک قربان کر دی۔ سیاسی اصلاحات اور اقامتِ دین جیسے مسائل کا حل شاہ صاحب مصلحت اندیشی کے ساتھ سنجیدگی سے کر رہے تھے۔ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے سید احمد شہید رحمہ اللہ کی قیادت میں اسے کھلی جنگ میں بدل دیا۔ ابتداءً یہ جنگ

براہِ راست سکھوں سے تھی، لیکن سکھوں نے فرنگی جرنیلوں سے اس میں مدد لی۔ ادھر علمائے سوء کی ایک جماعت نے بھی اس کے خلاف کفر کے فتوے دیے۔ چناں چہ آخری جنگ بالاکوٹ کے میدان میں لڑی گئی، جس میں شاہ اسماعیل اور سید احمد دونوں شہید ہوئے اور سیکڑوں مجاہد اس میدان میں کام آئے۔ یہ معرکہ جمعہ کے روز ۶ر مئی ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۶ھ میں ہوا۔ اس کے بعد جہاد کی تحریک انڈر گراؤنڈ چلی گئی، جس کی راہنمائی مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی صادق پوری کرتے رہے، جو ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء تک جاری رہی۔ اس کی پوری ذمے داری ۱۸۳۱ء کے بعد جماعت اہلِ حدیث پر تھی۔

تقسیمِ کار:

تقسیمِ کار کے طور پر تصنیف و تالیف، درس و تدریس کا شعبہ حضرت سید میاں نذیر حسین صاحب رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ کے حصے میں آیا۔ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ والیِ بھوپال نے اس راہ میں بے نظیر خدمات انجام دیں۔ دہلی کے اس مدرسے نے علومِ کتاب و سنت سے پوری دنیا کو جگمگا دیا۔ حضرت میاں صاحب رحمہ اللہ کے تلامذہ حجاز، نجد، شام، عراق، اقصیٰ، مغرب، کابل، قندھار اور بخارا تک پھیلے ہوئے تھے اور دین کی خدمت کر رہے تھے۔

عاملینِ حدیث اور اہلِ توحید علماء کی یہ عظیم الشان قربانی تھی کہ جب انگریز نے اپنے مفاد اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے دینی اور دنیوی تعلیم کو الگ الگ کر دیا اور ملک میں خانہ جنگی اور فرقہ پرستی قائم رکھنے کے لیے مشنریوں کو ملک پر مسلط کر دیا، اس وقت کھاتے پیتے تمام لوگ سکولوں اور کالجوں کی طرف امڈ پڑے۔ مشنریوں نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تہمتیں تراش کر مسلمانوں کے دلوں کو مجروح کرنا شروع کیا۔ مسلمان علماء غربت اور فلاکت کے باوجود دینی تعلیم کے چراغ کو لا دینی کے جھکڑوں میں زندہ رکھتے رہے اور اسلام پر جس طرف سے حملہ ہوا، وہ سینہ سپر ہو گئے۔ جماعت اہلِ حدیث کی صد سالہ مساعی اور جامعہ سلفیہ اور دیگر مدارسِ اہلِ حدیث انھی مقاصد کے لیے تھے کہ دینی جمود سے محفوظ رہا جائے۔ تمام ائمۂ سنت کے ساتھ یکساں محبت کا تعلق ہو اور ان کی اطاعت قرآن اور سنت کی راہنمائی میں کی جائے۔ آج بھی ہم انھی مقاصد کے لیے زندہ ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آیندہ بھی ہمیں اس سچائی کی حمایت کی توفیق مرحمت فرمائے۔

گذشتہ صدی کے اوائل میں اس قسم کی ایک تحریک نجد میں اُٹھی، جس کی قیادت شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ نے فرمائی اور اس سے ملتی جلتی تحریک سید جمال الدین افغانی رحمہ اللہ کی قیادت میں ایران سے شروع ہو کر مصر اور قسطنطنیہ میں پھیلی اور عرب کے ساتھ اس نے یورپ کو بھی متاثر کیا۔ نجد کی تحریک غیر سیاسی ہونے کے باوجود سیاسی طور پر بھی کامیاب ہوئی، جس کے اثر سے آج پورے نجد اور حجاز پر ایک دینی حکومت کا پرچم لہرا رہا ہے۔ سید جمال الدین افغانی کے اثرات عرب ممالک پر محیط ہو گئے۔ انھوں نے سب سے زیادہ مصر کو متاثر کیا۔

آخر میں، مَیں اپنے مقتدر اور معزز مہمان کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اپنی گوناگوں ذمے داریوں اور سفارتی مشاغل کے باوجود ہماری استدعا کو قبول فرمایا اور جامعہ کو اپنے قدوم کا اِعزاز بخشا۔[1]

[1] ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور (۱۹/ اپریل ۱۹۶۳ء)

یادداشت





UMM UL QURA PUBLICATIONS
Sialkot Road, Lodhi Town Gujranwala
0092 321 6466422